الملل و النحل

جلد اوّل

سلسلۂ مطبوعاتِ جامعۂ عثمانیہ

نشان ۳۵۲

الملل والنحل

جلد اول، ملل

(مطبوعۂ مصر ۱۳۴۷ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

مترجمہ

مولانا عبداللہ عمادی صاحب

(سابق رکن سررشتۂ تالیف وترجمہ جامعۂ عثمانیہ)

سنہ ۱۳۶۴ھ سنہ ۱۳۵۴ف سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعہ

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن
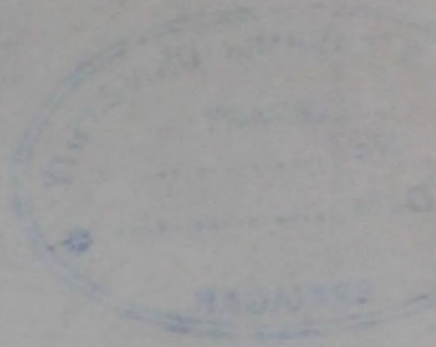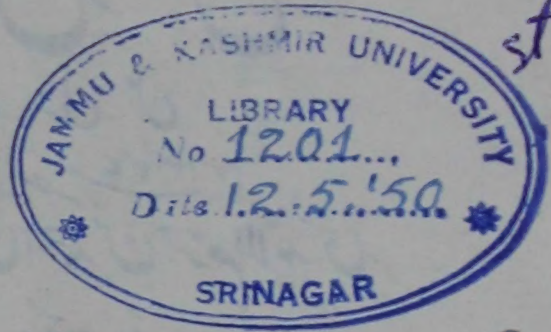
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

الملل والنحل ابن حزم مجلد اوّل

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا عماد من لا عماد لہ

رب النعمت علیٰ فرد

الحمد للہ رب العالمین ○ والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم الانبیاء والمرسلین ○ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ○

مذہبی فرقہ بندیوں میں لوگوں نے بہتیری کتابیں لکھیں، ان سب کی حالتیں مختلف ہیں۔

طول لا طائل

بعض مولفین طول کلام میں اتنے بڑھے، اتنی باتیں بنائیں ایسا خلط مبحث کیا، غلط بیانی و شور و شر میں ایسے بڑھے چڑھے کہ اصل مفہوم خبط ہو گیا، علم و آگاہی کی منزل دور ہی رہی، بیچ میں یہ باتیں سنگِ راہ بن گئیں۔

اختصار مخل

بعض نے حذف و اختصار سے اتنا کام لیا کہ اپنے مخالفوں کے پُرزور استدلال تک ترک کر دیے۔

ایسے لوگوں نے نہ تو اپنے ساتھ انصاف کیا، نہ غیروں کے ساتھ، اور نہ مطالعہ کرنے والوں ہی کے ساتھ منصفی کی۔

اپنے ساتھ بے انصافی یہ تھی کہ بیانِ حقیقت میں کوتاہی کی۔

غیروں پر ظلم یوں ہوا کہ اُن کے اعتراضات ادھورے چھوڑ دیے۔

مطالعہ کرنے والوں کو اس طرح زیان پہنچایا کہ اُن کی تالیف کے بعد بھی وہ دوسری کتابوں کے محتاج رہے۔

مغلق پسندی

ان سب نے۔ الّا ماشاء اللہ۔ کلام میں اتنی تعقید پیدا کر دی کہ اکثر و بیشتر سمجھنے والوں کے لیے اس کا سمجھنا دشوار ہو گیا، مطلب کو حلقہ در حلقہ لاتے اس قدر پیچیدہ بناتے رہے کہ انجام تک پہنچتے پہنچتے آغاز یاد نہیں رہتا، معانی و مطالب فاسد تو نہیں کیے البتہ اکثر صورتوں میں پردے ڈال دیے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ابتدا ہوئی تو نامحمود، انتہا نکلی تو غیر ممدوح۔

پیشِ نظر تالیف

اللہ سے استخارہ کر کے ہم نے یہ کتاب مُرتّب کی ہے، مقصد یہ ہے کہ ایسے دلائل و براہین پیش کیے جائیں جو محسوس مقدمات سے نکلے ہوں یا باختلافِ احوال حسِ قریب یا حسِّ بعید اُن کا مرجع ہو،

طرزِ استدلال

استدلال میں یہ شرط رکھی ہے کہ دلیل اپنے مخرج سے الگ نہ ہونے پائے، اور جو کچھ ثابت ہو اسی کو صحیح مانا جائے، اس لیے کہ حق اسی کا نام ہے۔

الفاظ بہت واضح رکھے ہیں، تعقید نہیں آنے دی ہے۔

مخالفِ اسلام فرقے

جو فرقے دینِ اسلام کے مخالف ہیں اصل میں چھے ہیں، بعد کو ایک سے کئی کئی فرقے نکلے ہیں، انشاء اللہ ان سب کا تذکرہ آئے گا۔

سوفسطائیہ

پہلا فرقہ مُبطِلین حقایق کا ہے جن کو علمائے مُتکلمین "سوفسطائی" کہتے ہیں، یہ فرقہ حقیقتِ اشیا کا منکر ہے۔

مذبذبین	دُوسرا فرقہ مُثبتینِ حقایق کا ہے جو حقیقت اشیا کے تو قائل ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم ہمیشہ سے ہے اور کوئی اُس کا مُحدِث (پیدا کرنے والا) نہیں، نہ کوئی اس

کا مُدبِّر (ناظم) ہے۔

مُدّعیانِ حقیقت	مُثبتین حقایق کا ایک اور فرقہ بھی ہے جس کا مقولہ یہ ہے کہ عالم بھی اَزَلی اور اس کا مُدبّر بھی۔

ایک اور فرقہ بھی اثباتِ حقایق کا قائل ہے، اس کی کئی شاخیں ہیں:
ایک تو عالم کو اَزَلی مانتا ہے۔
دوسرا حادث کہتا ہے۔

تعدُّدِ آلہہ	عالم کو جو اَزَلی مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے، مُدبّرینِ عالم کے اَزَلی ہونے پر دونوں متفق ہیں، جو اُن کے خیال میں ایک سے زیادہ ہیں، تعداد میں اختلاف ہے۔
مُنکرینِ نُبوت	مُثبتینِ حقایق کا ایک فرقہ وہ ہے جو عالم کو بھی حادث مانتا ہے، ایک اَزَلی خالق کا بھی قائل ہے، مگر نبوت سے قطعی منکر ہے۔
ایمان بعض و کفر بعض	آخری فرقہ عالَم کو حادث، خالقِ عالَم کو واحد اور اَزَلی مانتا ہے، نُبوّت کو تسلیم کرتا ہے، مگر کچھ مانتا ہے کچھ نہیں مانتا، بعض انبیا کا اقرار ہے بعض سے انکار ہے۔

انھیں باتوں سے اور بھی باتیں نکلی ہیں، سرے تو یہی ہیں مگر ان سے شاخیں پھوٹی ہیں۔
مثلاً:
تناسخ ارواح کا عقیدہ۔
نُبوّت کا ہر زمانے میں تواتر۔

نبوت جانوروں میں؟!	جانوروں کے ہر نوع میں پیغمبر مانتے ہیں۔

یا مثلاً یہ عقیدہ کہ عالَم تو حادث ہے اور مُدبّرِ عالم بھی اَزَلی ہے،

تاہم نفس اور مکانِ مطلق :- یعنی خلاء - اور زمانِ مطلق ہمیشہ سے اُنہی کے ساتھ ساتھ رہے ہیں۔

یہ ایک جماعت کا عقیدہ ہے جس کے بعض افراد - عبداللہ بن خلف بن مروان انصاری، وعبداللہ بن محمد سلمی کاتب، ومحمد بن علی بن حسین اصبحی طبیب - کے ساتھ اس باب میں میرا مناظرہ بھی ہو چکا ہے، اصل میں یہ قول محمد بن زکریا ئے رازی طبیب سے ماثور ہے جس کے ابطال میں ہماری ایک مستقل کتاب "علم الٰہی" کے نام سے معروف ہے۔

ازلیتِ افلاک

اسی طرح ایک جماعت کہتی ہے کہ فلک ازلی ہے، وہی فاعل ہے اور وہی مُدبّرِ عالم ہے۔

یہ لوگ، اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ کو اس سے برتر قرار دیتے ہیں کہ وہ کچھ کرے۔

عرش

ان میں بعض اشخاص اسی کو "عرش" کہتے ہیں۔

کچھ ان کہی باتیں بھی ہیں، یہ تو ہم نہیں جانتے کہ کسی نے یہ باتیں کہی ہوں، تاہم مخالفوں پر مجالِ استدلال جب تنگ ہو جائے تو کیا ضمانت ہے کہ وہ ایسا نہ کہیں گے اور اس کی پناہ نہ لیں گے، اللہ نے چاہا تو سیاقِ کلام جیسا مقتضی ہو گا ہم اس کا تذکرہ بھی کریں گے۔

مثلاً یہ کہنا کہ عالم خود تو حادث ہے مگر اُس کو حدوث میں لانے والا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے پہلے تو ہم حدوث کو ثابت کریں گے، پھر مُحدِثات کے میدان میں قدم دھریں گے۔

یا اُسے نہ کچھ یاد ہوتا ہے نہ قوت حافظہ ہوتی ہے، یہ اُن حکمار کے قول کی بنار پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قوت حافظہ اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اس عالم میں آتا ہے۔

یا حافظہ ایک مزاج ہے جو عارض ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ پایا گیا کہ بچے کو اُس کی ولادت کے وقت نہ یاد ہوتی ہے اور نہ تمیز، بجز اُس حس و حرکت ارادی کے جو اور حیوانات میں بھی ہے، اور بس، دیکھیے، بچہ کبھی اپنے پاؤں سمیٹتا ہے کبھی پھیلاتا ہے، اپنی طاقت کے موافق اعضا کو جنبش دیتا ہے، جب وہ سردی گرمی بھوک محسوس کرتا ہے یا جب اُسے مارا یا دبایا جاتا ہے تو اُس کو اذیت کا احساس ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی اُس میں وہ خواص پائے جاتے ہیں جن میں حیوانات بھی اس کے ساتھ شریک ہیں اور غیر حیوانات یعنی نباتات بھی شرکت رکھتے ہیں، مثلاً اپنے جسم کی بقاو ترقی کے لیے غذا کا طلب کرنا، وغیرہ، وہ پستان کو لیتا ہے اور فطری طور پر اُسے اپنے مُنہ سے دوسرے اعضار کی مدد کے بغیر اور اعضاء کے مقابلے میں پہچان لیتا ہے، جیسا کہ اشجار و نباتات کی جڑیں زمین کی رطوبات اور پانی کو اپنے اجسام کی بقاو ترقی کے لیے لے لیتی ہیں،

ابتدائی مراحل تعقّل

جب نفس قوی ہو جاتا ہے، اُن حکمار کے نظریے کے مطابق جو کہتے ہیں کہ وہ مزاج ہے یا یہ کہ وہ اسی وقت پیدا ہوا ہے۔

یا وہ اپنی قوت حافظہ و تمیز کو بتدریج حاصل کر رہا ہے، یہ اس نظریے کے مطابق ہے کہ انسان عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی صاحب قوت حافظہ تھا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کو مرض سے افاقہ ہو۔

آغاز انسانیت

سب سے پہلی امتیازی چیز جو نفس میں پیدا ہوتی ہے جس سے حیوان ناطق حیوان مطلق سے جدا ہو جاتا ہے

اُن اشیا کا فہم ہے جن کا ادراک حواس خمسہ سے ہوتا ہے، مثلاً:

(۱) یہ جاننا کہ خوشبو اُس کی طبیعت کو پسند ہے اور بدبو ناپسند۔

(۲) یہ جاننا کہ سرخ اور چیز ہے اور سبز زرد سفید وسیاہ اور چیز ہے

(۳) کھردری اور چکنی چیزیں، ٹھوس اور دردری اور لیسدار ہیں، اور سرد و گرم اور شدید گرم اشیا میں فرق محسوس کرنا۔

(۴) شیریں، ترش، تلخ، نمکین، کھٹی، کھاری، پھیکی، خوشگوار اور زبان پر خارش پیدا کرنے والی چیزیں میں فرق کرنا۔

حواس خمسہ

محسوسات کے لیے حواس کے یہی ادراکات ہیں جو پانچ قسم کے ہیں، اور حواس خمسہ سے تعلق رکھتے ہیں،

حاسۂ سادسہ

ایک چھٹا ادراک نفس کو بدیہیات کا علم ہوتا ہے مثلاً یہ جاننا کہ جزو کل سے کم ہوتا ہے، چھوٹے بچے کو جب تم اُس کی تمیز کی ابتدائی حالت میں دو کھجوریں دو تو وہ روتا ہے اور جب تیسری کھجور کا اضافہ کر دیتے ہو تو خوش ہو جاتا ہے، یہی اس کا یہ جاننا ہے کہ "کل زیادہ ہوتا ہے جزو سے" اگرچہ وہ اس سے جو کچھ سمجھتا ہے اس کی حد معین کرنے سے بے خبر ہوتا ہے،

ادراک تضاد

یا یہ جاننا کہ دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، مثلاً جب تم بچے کو زبردستی کھڑا کرو تو رو دے گا اور بیٹھنے کے لیے مچلے گا، یہ اس فطری ادراک کی بنا پر واقع ہوتا ہے کہ بچہ ناممکن سمجھتا ہے کہ وہ ایک ہی ساتھ کھڑا بھی رہے اور بیٹھا بھی رہے،

جسم واحد کے لیے مکان واحد

یا یہ جاننا کہ جسم واحد دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا، جب بچہ کسی مقام کی طرف جانا چاہے اور تم اُسے زبردستی روکو تو وہ رو دے گا اور ایسی بات کہے گا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے جانے دو، یہ اس ادراک کی بنا پر ہے کہ وہ جب تک ایک

مقام میں ہے وہ اس دوسرے مقام میں نہیں ہوسکتا جس کی طرف وہ جانا چاہتا ہے،

ایک مکان میں دو جسم

یا یہ جاننا کہ دو جسم مکانِ واحد میں نہیں ہو سکتے، مکان وہی ہے جس میں ایک جسم سمائے، تم دیکھو گے کہ بچہ جس مقام پر بیٹھنا چاہتا ہے اگر وہاں دوسرا بچہ بیٹھا ہے تو وہ آپس میں جھگڑتا ہے، کیونکہ اُسے اس بات کا علم ہے کہ جب تک اس مکان میں کوئی اور رہے وہاں اس کی گنجایش نہیں ہے وہ اس مقام سے جہاں وہ خود بیٹھنا چاہتا ہے دوسرے کو ڈھکیلتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک اس مکان میں کوئی رہے گا جو اسے مشغول رکھے تو اُس کے اس مکان میں رہنے تک اُس کے لیے گنجایش نہیں ہے۔

طول و قصر

جب تم بچے سے کہو کہ "جو کچھ اس دیوار پر ہے لے لو" اگر اُس کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکتا ہو تو وہ کہے گا کہ میں اسے نہیں پا سکتا، اُس کا یہ کہنا یہ جاننے کی وجہ سے ہے کہ طویل اس چیز سے زاید ہوتا ہے جس کی مقدار اس سے کم ہو۔

احاطہ

تم بچے کو اس شے کی طرف جاتے دیکھتے ہو جس کے پاس وہ پہنچنا چاہتا ہے، اور یہی اُس کا یہ جاننا ہے کہ انتہا والی چیز کا احاطہ کیا جا سکتا ہے، اور چل کر اُس کے پاس تک پہنچا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ اُس سے جو کچھ سمجھتا ہے اُس کے ادا کرنے کے لیے اچھی عبارت نہیں پاتا۔

علم غیب

یا یہ جاننا کہ "غیب کا علم کسی کو نہیں" یہ اس طرح کہ جب تم بچے سے کوئی ایسی بات دریافت کرو جو وہ نہ جانتا ہو تو وہ صاف انکار کر دے گا، اور کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔

امتیاز حق و باطل

منجملہ اس کے حق و باطل میں فرق کرنا ہے، جب بچے کو کوئی خبر دی جائے تو بعض اوقات تم اُس کی یہ کیفیت دیکھو گے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے گا تا وقتیکہ وہ اس کے نزدیک کسی دوسرے مخبر کے ذریعے سے ثابت نہ ہو جائے، اور کبھی

دیکھو گے کہ وہ تصدیق کرتا ہے اور اس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔

وقوع زمانی

منجملہ اس کے بچے کا یہ جاننا ہے کہ جب کوئی شے ہوگی تو وہ کسی نہ کسی زمانے ہی میں ہوگی، جب تم اس سے کسی واقعے کا ذکر کرو تو وہ کہتا ہے کہ یہ کب ہوا، اور جب تم اس سے یہ کہو کہ تم نے فلاں فلاں کام نہیں کیے تو وہ کہتا ہے کہ میں اسے نہیں کر سکتا تھا، یہ اس کے اس علم کی وجہ سے ہے کہ کوئی شے جو اس عالم میں ہوگی وہ کسی نہ کسی زمانے ہی میں ہوگی،

طبایع اشیاء

وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اشیا کی طبایع ہوتی ہیں، اور ایک ماہیت ہوتی ہے جس پر وہ موقوف ہوتی ہیں اور اس سے متجاوز نہیں ہوتیں، تم بچے کو دیکھتے ہو کہ جب وہ کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جسے نہیں پہچانتا تو کہتا ہے کہ "یہ کیا چیز ہے"، پھر جب اُسے سمجھا دیا جاتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے،

فعل و فاعل

منجملہ اس کے بچے کا یہ جاننا ہے کہ کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا، جب وہ کوئی کام دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ کس نے کیا، اور وہ ہرگز اس پر قناعت نہیں کرتا کہ یہ کام بغیر کسی کرنے والے کے ہو گیا، اور جب وہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کوئی چیز دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ تمھیں یہ چیز کس نے دی۔

صدق و کذب خبر

منجملہ اس کے بچے کا یہ سمجھنا ہے کہ خبر میں صدق بھی ہوتا ہے اور کذب بھی، تم دیکھو گے کہ جب اُسے خبریں دی جائیں تو وہ کبھی کسی کی تکذیب کرتا ہے کبھی کسی کی تصدیق کرتا ہے اور کبھی کسی خبر میں توقف کرتا ہے، یہ تمام امور انسان کی پیدائش کے ابتدائی زمانے میں ہر شخص کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔

یہ عقل کے وہ ابتدائی مراحل ہیں جن میں کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں، کچھ ایسے امور اور بھی ہیں جو مذکورہ بالا امور کے علاوہ ہیں، تم بھی جب تفتیش کرو گے تو پاؤ گے، ہر صاحب عقل ان کو اپنے اندر بھی تمیز کرے گا، اور

دوسرے کے اندر بھی، حالانکہ یہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان تمام اشیا کا علم دلائل میں سے کس دلیل سے حاصل ہوا، اور کوئی صاحبِ تمیزِ صحیح اس میں بھی شک نہ کرے گا کہ یہ تمام امور صحیح ہیں جن میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔

فسادِ تعقل

البتہ ان امور کے علمِ صحیح کے بعد وہی شک کرے گا جس کی عقل پر کوئی آفت آگئی ہو اور اس کی قوتِ تمیز فاسد ہوگئی ہو، یا وہ عقولِ فاسدہ کی طرف مائل ہوگیا ہو، یہ بھی ایک آفت ہی ہے جو اُس کی قوتِ تمیزی میں داخل ہوگئی ہے، مثلاً وہ آفت جو اُس شخص پر آجاتی ہے جس کو صفرے کا ہیجان ہو تو وہ شہد کو بھی تلخ محسوس کرے گا، اور وہ شخص جس کی آنکھ میں پانی اترنا شروع ہوگیا ہو تو وہ ایسی خیالی چیزیں دیکھے گا جن کی کوئی حقیقت نہ ہوگی، اسی طرح وہ تمام آفتیں جو حواس میں داخل ہوجاتی ہیں،

استدلال سے بے نیاز

یہ مقدمات جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یہ ایسے صحیح ہیں جن میں کوئی شک نہیں اور نہ ان پر کوئی دلیل طلب کرنے کی گنجایش ہے، اس کے سوا کہ کوئی مجنون ہو یا ایسا جاہل جو حقایقِ اشیا ہی نہ جانتا ہو، اور بچہ بھی اس سے زیادہ واقف ہوگا، یہ وہ امر ہے جس کے اقرار میں روئے زمین کے تمام خرد و بزرگ مساوی ہیں، اس کے سوا جس کے حواس نے اُسے مغالطہ دیا ہو اور اُس کی عقل نے اُس کی مخالفت کی ہو، تو اُس کا شمار تو مجنونوں میں ہے، اس لیے کہ کسی شے پر استدلال کرنا لامحالہ کسی زمانے ہی میں ہوگا، ضروری ہے کہ اس کی بداہت کو اولِ عقل سے جانے، کیونکہ بداہتِ عقل سے یہ معلوم ہے کہ اس عالم میں جو شے بھی ہوگی وہ کسی نہ کسی وقت میں ہوگی، اور اس عالم میں نفس کے تمیز کرنے کے ابتدائی اوقات اور ہمارے مذکورۂ بالا امور کے نفس کے ادراک کرنے کے درمیان قطعاً کوئی مہلت نہیں، نہ تھوڑی نہ بہت، جیسے ہی نفس میں تمیز کی قوت آتی ہے ویسے ہی وہ محسوسات و بدیہیات کو بغیر کسی مہلت کے جاننے لگتا ہے اور نہ اس کی کوئی گنجایش ہے۔

ترتیب مقدمات

یہ ثابت ہو گیا کہ یہ ایسے بدیہیات ہیں جن کو اللہ نے نفس میں ڈال دیا ہے اور قطعًا ان پر استدلال کی کوئی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ انھیں مقدمات سے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور کوئی شئے ان مقدمات کی طرف رجوع کیے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی،

استنتاج

ان مقدمات میں سے جب کوئی مقدمہ کسی شئے کی صحت کی گواہی دے تو وہ صحیح اور یقینی ہے، اور جس کی صحت کی شہادت نہ دے وہ باطل و غیر معتبر ہے، البتہ ان مقدمات کی طرف رجوع کرنا کبھی قریب سے ہوتا ہے اور کبھی بعید سے، جو قریب سے ہوتا ہے وہ ہر شخص کے لیے ظاہر اور اُس کا سمجھنا آسان ہوتا ہے، جب مقدمات مذکورہ بعید ہوں تو استدلال کا کام دشوار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس سے وہی بچتا ہے جس کی فہم و تمیز قوی ہے، با ایں ہمہ یہ ہمارے اس دعوے میں خلل انداز نہیں کہ جو شئے ہمارے مذکورہ بالا مقدمات میں سے کسی مقدمے کی طرف رجوع کرے وہ حق ہے، جیسا کہ یہ مقدمہ حق ہے کہ ان دونوں کے حق ہونے میں کوئی فرق نہیں، اس کی مثال اعداد کی ہے، کہ جب اعداد کم ہوتے ہیں تو ان کا جمع کرنا سہل ہوتا ہے، جب اعداد زیادہ ہوں اور ان کے جمع کرنے میں عمل کثیر کرنا پڑے تو یہ دشوار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس سے وہی بچتا ہے جو کافی طور پر ماہر حساب ہوتا ہے، جب قریب بھی ہو اور بعید بھی تو وہ بھی مبنی بر حقیقت ہے، ان میں سے کسی کو گھٹا بڑھا نہیں سکتے، ہمارا ذکر کیا ہوا کوئی مقدمہ کسی دوسرے مقدمے کے نہ معارض ہے اور نہ وہ اُس کے معارض ہے جو صحت کے ساتھ کسی دوسرے مقدمے کی طرف رجوع ہو، یہ سب بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے، نفس کا یہ جاننا کہ علم غیب کے کوئی معارض نہیں ہوتا، صحیح ہے،

یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص زمانۂ دراز تک کوئی جھوٹی خبر بیان کرتا رہے پھر وہ شخص آئے جس نے اس پہلے شخص سے نہیں سنا، اور وہ بھی بعینہٖ اسی خبر کو

جیسی کہ وہ تھی بیان کرے کہ نہ اس میں کچھ زیادہ کرے اور نہ کم، کیونکہ اگر یہ ممکن ہو تو اس قسم کی خبر بیان کرنے والا لامحالہ عالم الغیب ہوگا، اس لیے کہ علم غیب کی حقیقت یہی ہے، جو ایسی چیز کی خبر دیتا ہے جس کو خبر دینے والا نہیں جانتا کہ وہ کس طور پر ہے، اور بے شبہہ یہ ایسا ہی ہے،

ہر وہ خبر جس کو دو یا زیادہ اشخاص بیان کریں جو دونوں بالکل مکان و زمان کے اعتبار سے بھی جدا ہوں اور ہمیں یقین ہے کہ یہ دونوں جمع نہیں ہوئے، اور نہ یہ دونوں شاعر تھے، پھر بھی ان دونوں نے اس خبر میں اختلاف نہیں کیا تو بالبداہت یہ معلوم ہوگا کہ یہ خبر حق ہے، یقینی ہے اور وہ قطعی غیبی ہے، اسی ذریعے سے ہم نے مرنے والے کی موت اور پیدا ہونے والے کی ولادت اور معزول ہونے والے کی برطرفی اور مقرر ہونے والے کے تقرر اور بیمار کی بیماری اور تندرست کی صحت اور مصیبت زدہ کی مصیبت اور ان شہروں کو اور واقعات کو جو ہم سے اوجھل ہیں اور بادشاہوں کو اور انبیا علیہم السلام کو اور اُن کی پرہیزگاریوں کو اور علما اور اُن کے اقوال کو اور فلاسفہ کو اور ان کی حکمتوں کو صحیح طور پر جانا ہے، ان امور میں جو نقل کیے گئے کسی ایسے شخص کے نزدیک کوئی شک نہیں جس کی عقل اُس کا حق ادا کر رہی ہو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، وباللہ التوفیق۔

باب سوفسطائیہ

منکرین حقایق اشیاء

متکلمین سابقین نے بیان کیا ہے کہ سوفسطائیہ تین قسم کے ہیں،
ایک وہ ہیں جو بالکل حقایق کی نفی کرتے ہیں،
ایک وہ ہیں جو ان میں شک کرتے ہیں،
اور ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ حقایق حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اور باطل ہیں جس کے نزدیک باطل ہیں،
اُن کے اعتراضات میں سے جو قابل اعتماد اعتراض بیان کیا گیا ہے وہ محسوسات میں حواس کا اختلاف ہے جیسا کہ ایک ہی دکھائی دینے والی چیز کا جو اُس کے نزدیک ہے بڑا دکھائی دینا اور جو اُس سے دور ہے اُسے چھوٹا دکھائی دیتا ہے، اور جیسا کہ صفراوی بخار والے کا شیریں ذایقے کی چیز کو تلخ محسوس کرنا ہے، اور جو خواب میں نظر آتا ہے جس میں اُس کے دیکھنے والے کو شک نہیں ہوتا کہ یہ حق ہے، باوجودیکہ وہ دور دور از شہروں میں سے ہوتا ہے۔

ان سب باتوں کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ باہمی گفتگو اور مباولۂ علم اہل علم ہی سے ہوتا ہے، اور حس عقل دونوں کے فرق پر شاہد ہے جو سونے والے شے خیال میں گزرتا ہے اور جو بیدار کو معلوم ہوتا ہے، کیونکہ خواب میں ان حدود کے مطابق جو اشیائے معروفہ میں معین کو مقرر ہیں استعمال کا جاری رکھنا نہیں ہوتا، اُن کا ہمیشہ ایک ہی صفت پر رہنا بیداری میں نہیں ہوتا، اسی طرح حس شہادت دیتی ہے کہ کسی محسوس کا اپنی صفت لازمہ سے کسی حس کے تحت بدل جانا یہ محض کسی ایسی آفت کی وجہ سے ہوتا ہے جو محسوس کرنے والے کی حس میں ہے نہ کہ محسوس میں جاری ہے، یہ سب ایک ہی مرتبے پر ہے جو بدلتا نہیں، اور یہ وہی بداہت ومشاہدات ہیں جن پر کسی دلیل کا طلب کرنا جائز نہیں، کیونکہ اگر ہر برہان (دلیل) پر برہان طلب کریں تو یہ طریقہ موجودات کے ایسے وجود کو چاہے گا جس کی کوئی حد و انتہا نہ ہو، اور ایسی اشیا کا وجود جن کی انتہا نہ ہو محال ہے، جس کے لیے کوئی سبیل نہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ جو شخص برہان پر برہان طلب کرتا ہے وہ محال کا ناطق ہے، اس لیے کہ جب ایسا کہا جائے گا تو یہ کسی اور برہان کو ثابت کرے گا، پھر جب ہم اس برہان پر ٹھہر جائیں گے جو ثابت ہو تو اسے اس کا ماننا ضروری ہوگا، اور اگر یہ برہان کسی برہان کو ثابت نہ کر سکے تو ایسی چیز کے طلب کرنے کی کوئی وجہ نہیں جو اس (برہان) کو ثابت نہ کر سکے، اگر وہ اسے پا بھی لے،

انکار حقیقت

حقایق کا انکار کرنا تو عقل وحس کی مخالفت کرنا ہے، ان لوگوں کے رد کے لیے یہی کافی ہے کہ ان سے کہا جائے کہ تمھارا یہ کہنا کہ "اشیا کی کوئی حقیقت نہیں" حق ہے یا باطل؟ اگر وہ کہیں کہ حق ہے تو انھوں نے خود ہی ایک حقیقت کو ثابت کر دیا، اور اگر کہیں کہ حق نہیں ہے تو انھوں نے خود ہی اپنے قول کی غلطی کا اقرار کیا، اور خود بخود اپنے مدمقابل کو اپنے جواب سنے بے نیاز کر دیا۔ مشککین جو شک کرنے والے ہیں ان سے کہا جائے کہ آیا تمھارا شک موجود وصحیح ہے

یا غیر صحیح و غیر موجود ہے، اگر کہیں کہ وہ موجود و صحیح ہے تو انھوں نے ایک حقیقت کو ثابت کردیا، اور اگر وہ کہیں کہ غیر موجود ہے تو انھوں نے اپنے شک کی نفی کردی اور اسے باطل کردیا، شک کے باطل کرنے میں حقایق کا اثبات ہے، یا شک کے باطل کرنے کا یقین ہے، ہم نے اللہ کی مدد سے ایک قول کے باطل کرنے کو شک کے باطل کرنے سے مقدم رکھا ہے، اب سوائے اثبات کے کچھ نہ رہا۔

ضابطۂ احقاق و ابطال

جو یہ کہتا ہو کہ یہ اشیا حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اور باطل ہیں جس کے نزدیک باطل ہیں، اُس سے کہنا چاہیے کہ کوئی شے کسی شخص کے اس اعتقاد سے کہ وہ حق ہے حق نہیں ہوتی جیسا کہ وہ کسی شخص کے اس اعتقاد سے کہ وہ باطل ہے باطل نہیں ہوتی، کوئی شے موجود و ثابت ہونے ہی سے حق ہوتی ہے خواہ کوئی یہ اعتقاد کرے کہ وہ حق ہے یا یہ اعتقاد کرے کہ وہ باطل ہے، اور اگر اس کے سوا ہو تو پھر ایک ہی شے اپنی ذات کے اعتبار سے ایک ہی حال میں موجود بھی ہوگی اور معدوم بھی، یہ بالکل محال ہے۔

جب وہ لوگ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ اشیا حق ہیں جس کے نزدیک وہ حق ہیں، منجملہ ان اشیا کے جن کے متعلق یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ وہ حق ہیں جس کے نزدیک حق ہیں، اس شخص کے اس قول کا بطلان بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حقایق اشیا باطل ہیں، حالانکہ وہ اقرار کرچکے ہیں کہ اشیا حق ہیں جس کے نزدیک وہ حق ہیں، ان لوگوں کے قول کا بطلان بھی تو انھیں اشیا میں ہے، اس لیے گویا انھوں نے اپنے قول کے بطلان کے حق ہونے کا اقرار کرلیا، باوجود اس کے کہ اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی صاحب عقل ان اقوال کا اعتقاد رکھے، کیونکہ خود اُسی کی حس اس کے خلاف شہادت دیتی ہے، ممکن ہے کہ بعض لاجواب ہونے والے لوگ بطور شغر اس کی پناہ لے لیں، و باللہ التوفیق۔

قائلین ازلیّت عالم

منکرین صانع

دو میں سے ایک وجہ سے عالم خالی نہیں۔
یا تو عالم ازلی و قدیم ہو گا۔
یا حادث ہو گا کہ پہلے نہ تھا پھر ہو گیا۔
ایک گروہ تو اُس طرف گیا ہے کہ عالم ازلی و قدیم ہے، یہ لوگ دہری ہیں، بقیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ حادث ہے۔
اللہ کی مدد و قوت سے عالم کو ازلی و قدیم ماننے والوں کی ہر حجت کو جس سے انھوں نے فساد برپا کیا ہے اس کے متعلق اُن کے مکمل اعتراضات سے ہم شروع کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ کی مدد سے اس کے مفاسد بیان کریں گے جب یہ قول کہ عالم ازلی ہے باطل ہو جائے گا تو حدوث کو صحیح و ضروری ماننا پڑے گا، کیونکہ کسی تیسرے عقیدے کی کوئی گنجایش ہی نہیں، لیکن ہم اسی پر قناعت نہ کریں گے کہ صرف ازلیّت کا بطلان کر دیں، بلکہ واضح دلایل اور نتایج موجبہ اور تقضایائے ضروریہ حدوث عالم کے ثبوت میں لائیں گے،

ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔

حدوث پر اعتراض

حدوث عالم پر ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم نے کوئی شے ایسی نہیں دیکھی جو کسی شے سے یا کسی شے میں پیدا نہ ہوئی ہو، جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ ایک ایسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے جس کا نہ مشاہدہ ہوا اور نہ ہوگا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی حادث اجسام جواہر اور اعراض سے خالی نہیں، جو کچھ عالم میں موجود ہے یہی عرض و جوہر اس کا کل (مجموعہ) ہے، اگر عالم حادث ہے تو یا تو مُحدِث (خالق) نے اُسے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ (خالق) خود اس کی علت ہے، یا اس کے احداث (و خلق) کی کوئی دوسری علت ہے، اگر اس کے احداث کی علت خود محدث ہے تو عالم ازلی ہوگا کیونکہ محدث بھی ازلی ہے اور وہی اس کے پیدا ہونے کی علت ہے، علت کبھی اپنے معلول سے جدا نہیں ہوتی، اور جو شے ازلی و قدیم سے جدا نہ ہو وہ بھی ازلی ہے کیونکہ وہ بر بنائے معیت اس کی مثل ہے اس لیے ثابت ہوگیا کہ عالم ازلی ہے۔

اگر اس کو خالق نے کسی دوسری علت کی وجہ سے پیدا کیا ہے تو یہ دوسری علت بھی دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگی۔

یا تو یہ ازلی ہوگی۔

یا حادث ہوگی۔

اگر ازلی ہوگی تو اس کا معلول بھی ازلی ہوگا، لہذا عالم بھی ازلی ہوگا۔

اور اگر یہ علت حادث ہے تو اس کے حدوث میں بھی وہی لازم آئے گا جو تمام اشیا کے حدوث میں لازم آئے گا کہ آیا ان کے خلق کی علت خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، اگر یہ کسی دوسری علت سے پیدا ہوئی ہے تو یہی اس علت کی علت میں بھی لازم آئے گا، اور اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا، اس سے ایسی مخلوقات کا وجود لازم آئے گا جن کی کوئی ابتدا نہ ہو، کہتے ہیں کہ یہی ہمارا قول ہے، اگر اس علت کے پیدا ہونے کی

علت خود محدث ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ یہ علت بھی ازلی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اجسام کا کوئی خالق ہوگا تو تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگا،

یا تو وہ من جمیع الوجوہ انھیں اجسام کے مثل ہوگا۔

یا من جمیع الوجوہ ان اجسام کے مغایر ہوگا۔

یا بعض وجوہ سے مثل ہوگا اور بعض وجوہ سے مغایر۔

اگر وہ من جمیع الوجوہ اجسام کے مثل ہوگا تو لازم آئے گا کہ وہ بھی انھیں اجسام کی طرح حادث و مخلوق ہو، جب وہ حادث و مخلوق ہوگا تو پھر اس کے خالق و محدث میں ہمیشہ یہی کلام رہے گا،

اور اگر وہ بعض وجوہ سے مثل ہے اور بعض وجوہ سے مغایر تو بھی اُسے بعض وجوہ کی مماثلت کی وجہ سے وہی حدوث لازم ہوگا جیسا کہ من جمیع الوجوہ مماثلت کی وجہ سے حدوث لازم آیا تھا، کیونکہ وہ حدوث جو بعض وجوہ کے لیے لازم ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کل وجوہ کے لیے، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور اگر وہ من جمیع الوجوہ اجسام کے مغایر ہے تو پھر اس کے لیے ان کا پیدا کرنا ہی محال ہے، کیونکہ یہ اجسام تو درحقیقت اس کی ضد اور متناقض ہوئے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسا کام کرسکے جو من جمیع الوجوہ اس کے مغایر ہو، جیسا کہ آگ ٹھنڈک کو نہیں پیدا کرسکتی۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر عالم کا کوئی فاعل ہے تو یا اُس کا یہ فعل (خلق عالم) حصول منفعت کے لیے ہے، یا دفع مضرت کے لیے، یا محض طبعی ہے، یا ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ہے۔

اگر اُس کا یہ فعل حصول منفعت یا دفع مضرت کے لیے ہے تو وہ بھی منافع و مضار کا محل بن جائے گا، اور تمھارے نزدیک یہی صفت مخلوقات کی ہے، لہٰذا مخلوقات کی طرح وہ بھی حادث و مخلوق ہو جائے گا۔

اگر اُس کا یہ فعل طبعی ہے تو طبیعت ہی اس کی موجب ہو گی، جو اس کی وجہ سے پیدا ہوئی، پھر اس کا فعل بھی اس کے ساتھ ازلی ہو گا۔
اور اگر اس کا یہ فعل ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ہے تو یہ خلاف عقل ہے اور جو چیز خلاف عقل ہو وہ محال ہے۔
یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اجسام کو حادث مانا جائے تو لازم آئے گا کہ ان کا محدث ان کے پیدا کرنے کے قبل ترک احداث کا فاعل بنے، اور ترک احداث اس سے خالی نہیں کہ وہ یا جسم ہو گا یا عرض، اس سے یہ لازم آئے گا کہ اجسام و اعراض ازلی ہیں۔
بس یہی پانچ خرافات ہیں جو قائلین دہریت کی شر رریزی کا مجموعہ ہیں جن کو ہم نے اُن کے لیے تلاش کر کے جمع کر دیا ہے، اللہ کی مدد و قوت سے ہم ان کے ساتھ مناظرہ شروع کرتے ہیں اور ان کی ایک ایک دلیل کو توڑے ڈالتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔
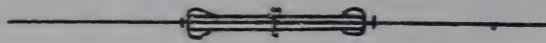
فساد اعتراض اول

تکوین اشیا

جو یہ کہتا ہے کہ ہم نے کوئی شے ایسی نہیں دیکھی جو کسی شے سے یا کسی شے میں پیدا نہ ہوئی ہو اُس سے بحول اللہ و قوتہ پوچھنا چاہیے کہ کیا تمھارے نزدیک کسی شے کی حقیقت کا بغیر طریق رویت و مشاہدہ ادراک کیا جاسکتا ہے یا حقایق میں سے کسی شے کا ادراک بغیر طریق رویت کے ہو ہی نہیں سکتا؟

اگر وہ یہ کہیں کہ بغیر طریق رویت و مشاہدے کے بھی حقایق کا ادراک ہو سکتا ہے تو انھوں نے آپ ہی اپنا استدلال ترک کر دیا اور اُسے باطل کر ڈالا کیونکہ انھوں نے وجود اشیا کو بغیر طریق رویت و مشاہدے کے مان لیا، حالانکہ اس کے قبل وہ اس کی نفی کر چکے تھے، وہ جب استدلال کی طرف رجوع کریں گے اس باب میں مناظرہ کیا جائے گا، مگر ان کی دلیل تو بحمداللہ باطل ہو گئی،

اگر وہ کہیں کہ نہیں، بلکہ شے کا ادراک بغیر مشاہدے کے بھی ہو سکتا ہے تو ان سے کہا جائے کہ آیا کبھی تم نے ازلی چیز کو بھی دیکھا ہے، لامحالہ وہ "ہاں" کہیں گے یا "نہیں" کہیں گے، اگر "نہیں" کہیں تو انھوں نے

سچ تو کہا، مگر اپنا استدلال بھی خود ہی باطل کردیا، اگر "ہاں" کہیں تو انھوں نے عقل کی مخالفت کی، اور ایک ایسی چیز کا دعویٰ کیا جس کے مشاہدے کی کوئی گنجایش نہیں، کیونکہ اس قول کے قائل کا مشاہدہ ایک ایسی چیز کا ہے جو بے شبہہ تمام اشیا کے لیے ذات اول ہے، اور جس کا کوئی اول ہو وہ چیز ازلی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ازلی وہی ہوسکتی ہے جس کا کوئی اول نہ ہو اور یہ ناممکن ہے کہ ایسی ذات جس کا کوئی اول ہو اس ذات کا علی الاتصال مشاہدہ کرسکے جس کا کوئی اول نہ ہو، الحمدللہ یہ استدلال بھی ہر طرح باطل ہوگیا،

فساد اعتراض ثانی

حدوث عالم

جو یہ کہتا ہو کہ حدوث عالم اس سے خالی نہیں کہ اُس کی علت یا تو خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، اُس سے کہا جائے کہ یہ حصر و تقسیم ہی ناقص ہے، اس لیے کہ ایک تیسری قسم رہ جاتی ہے، وہ یہ کہ نہ تو خالق علت ہے اور نہ قطعاً کوئی اور علت ہے، بلکہ اُس نے جس طرح چاہا پیدا کر دیا اس لیے کہ مذکورۂ بالا یہ دونوں قسمیں کہ عالم کی علت خود خالق ہے یا کوئی دوسری علت ہے، پہلے ہی باطل ہو چکی ہیں، علت یا تو فعل کو واجب کرتی ہے یا ترک فعل کو، اللہ تعالیٰ فعل کرتا ہے، اور فعل نہیں کرتا، لہٰذا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ نہ تو اُس کے فعل کے لیے قطعاً کوئی علت ہے اور نہ ترک فعل کے لیے، الحمد للہ کہ یہ فساد بھی باطل ہو گیا،

اگر وہ کہیں کہ باری تعالیٰ کا ازل میں کسی فعل کا ترک کرنا بھی تو اُسی کا فعل ہے لہٰذا اُس کا یہ فعل بھی جس کا نام ترک ہے ازلی ہوا، بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا ترک فعل ہرگز فعل نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ اسے فساد اعتراض خامس کے ساتھ بیان کریں گے۔

فساد اعتراض ثالث

خلق اجسام

جو یہ کہتا ہے کہ اگر اجسام کا کوئی خالق ہوگا تو تین میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوگا۔

یا تو وہ من جمیع الوجوہ ان اجسام کے مثل ہوگا۔

یا بعض وجوہ سے۔

یا بالکل مغایر ہوگا۔

ایسے قائلین سے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ من کل الوجوہ ان اجسام کے مغایر ہے، اس پر تمہارا یہ اعتراض کہ یہ تو حقیقۃً ضد ونقیض ہوئی، اور ضد اپنی ضد کو نہیں پیدا کر سکتا، جیسا کہ آگ ٹھنڈک نہیں پیدا کر سکتی، محض اعتراض فاسد ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کی یہ صفت نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی ضد ہے، ضد تو وہ ہے جو حمل تضاد کا محمول ہو، اور تضاد یہ ہے کہ دو چیزیں ایک ہی جنس کے تحت میں بُعد کے دو طرفوں میں تقسیم ہوں، جب ایک ضد واقع ہوتی ہے تو دوسری ضد مرتفع ہو جاتی ہے، اور یہ وصف باری تعالیٰ سے

بعید ہے، کیونکہ ضدین کے لیے یہ ضروری ہے کہ جمع تو نہ ہوں مگر ایک کے ہٹنے کے بعد دوسری اُس کی جگہ لے سکے، خالق ومخلوق میں یہ محال ہے، نہ خالق مخلوق کی جگہ لے سکتا ہے نہ مخلوق خالق کی، اور نہ مخلوق وخالق ایک جنس کے تحت ہیں،

تضاد مثلاً سبزی وسفیدی ان دونوں کا جامع لون (رنگ) ہے، یا فضیلت و رذیلت کہ ان دونوں کی جامع کیفیت وخلق ہے، ضدین ہمیشہ عرض ہوتی ہیں جو ایک جنس کے تحت میں ہوں۔

(فلسفے میں قایم بالغیر کو عرض اور قایم بالذات کو جوہر کہتے ہیں، عرض کو علم نحو میں صفت اور جوہر کو ذات کہتے ہیں، یعنی جو چیز اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کے وجود کی محتاج ہے وہ عرض ہے یا صفت ہے، مثلاً علم، سردی، سرخی، نیکی، بدی، وغیرہ، جو بغیر اپنے موصوف کے پائی نہیں جاتی، اور جوہر وذات مثلاً درخت، پہاڑ، انسان وغیرہ، یہ اور بات ہے کہ ہماری نظر ہمیشہ عرض ہی کو دیکھتی ہے اور جوہر کو نہیں دیکھ سکتی، مثلاً پہاڑ یا درخت کو جو ہم دیکھتے ہیں تو درحقیقت ہم اُن کے خاکی وسبز رنگ کو دیکھتے ہیں، ان کی ذات کو نہیں دیکھتے)۔

ایسے تمام امور خالق عزوجل سے منفی ہیں، لہذا بالبداہت خالق عزوجل کا اپنی مخلوق کی ضد ہونا باطل ہوگیا،

یہ قول کہ "اگر خالق من جمیع الوجوہ اپنی خلق کے خلاف ہے تو وہ خلق کی ضد ہوگا" ایک قول فاسد ہے، کیونکہ ہر مغایر ومخالف ضد نہیں ہوتا، جوہر سوائے حدوث کے ہر طرح عرض کے خلاف ہے، مگر اس کی ضد نہیں ہے،

جس کا یہ قول ہے اُس سے یہ بھی کہا جائے کہ تم فاعل و فعل کو کسی طور پر بھی ثابت مانتے ہو یا فاعل وفعل کے پائے جانے کی قطعاً نفی کرتے ہو، اگر وہ فاعل وفعل کی نفی کرے تو بلاشبہہ اس نے مشاہدے کی نفی کردی، اس لیے کہ وہ ماشی (چلنے والا) قائم (کھڑا ہونے والا) قاعد (بیٹھنے والا) اور متحرک وساکن سب کا انکار کر رہا ہے، (جس میں فاعل وفعل جمع ہیں) اور

مشاہدے میں ہیں)؛ اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ایسے درجے میں ہے جس سے کلام ہی نہ کرنا چاہیے،

اور اگر وہ گفتگو میں فعل و فاعل کو ثابت مانے تو اُس سے کہا جائے کہ آیا جسم سے فعل حرکت وسکون ہو سکتا ہے یا نہیں، اُسے لامحالہ "ہاں" کہنا پڑے گا، حالانکہ حرکت وسکون جسم کے مغایر و مخالف ہیں، مگر یہ اس کی ضد نہیں ہیں، کیونکہ حرکت وسکون کو جسم قطعاً ایک جسم کے تحت نہیں ہیں، البتہ حرکت وسکون اور جسم صرف حدوث کے تحت جمع ہو سکتے ہیں، لہذا اگر ہر مغایر ضد ہوا کرتا تو جسم بھی اپنی ضد یعنی حرکت وسکون کا فاعل ہوتا، یہ وہی بات ہے جسے یہ لوگ خود باطل کر چکے ہیں، اب بالبداہت یہ ثابت ہو گیا کہ ہر مغایر ضد نہیں ہوتا، اور یہ بھی کہ فاعل اپنے مغایر کر سکتا ہے بلکہ یہ ضروری ہے لہذا ان لوگوں کا یہ اعتراض بھی باطل ہو گیا، والحمد للہ رب العالمین،

فسادِ اعتراض رابع

جلبِ منفعت و دفعِ مضرّت

جو یہ کہتا ہے کہ اس سے خالی نہیں کہ "خالق اجسام نے یا تو اجسام کو منفعت حاصل کرنے کے لیے بنایا، یا مضرت دفع کرنے کے لیے، یا طبعی طور پر، یا ان میں سے بغیر کسی وجہ کے" اُس سے کہنا چاہیے کہ حصول منفعت یا دفع مضرت کے لیے جو فعل ہوتا ہے اُس کی فاعل و موصوف صرف مخلوق مختار ہی ہوتی ہے، فعل طبعی کی موصوف بھی مخلوق غیر مختار ہوتی ہے، اور مخلوقات کی تمام صفات کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے جو اپنے ماسوا کا خالق ہے، لیکن دوسری قسم کہ "اُس نے اجسام کو اُن میں سے بغیر کسی وجہ کے پیدا کردیا" یہی ہمارا قول ہے۔

جو یہ کہتا ہے کہ "ان میں سے بغیر کسی وجہ کے فعل (یعنی اجسام کا پیدا کرنا) خلافِ عقل ہے" ہم اُس سے کہتے ہیں کہ خلافِ عقل کہنے سے کیا مطلب ہے، کیا تمھاری مراد یہ ہے کہ از روے حس و مشاہدہ خلافِ عقل ہے، یا تم یہ کہتے ہو کہ یہ از روے استدلال خلافِ عقل ہے؟

اگر تم کہو کہ ازروئے حس ومشاہدہ خلاف عقل ہے، تو ہم کہیں گے کہ تم سچے ہو، یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اشیا کی ازلیت وقدامت جوازروئے حس ومشاہدہ خلاف عقل ہے، اور اگر تم کہو کہ یہ ازروئے استدلال خلاف عقل ہے تو یہ محض تمھارا دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے، اور دعویٰ جب اس طرح کا ہو تو وہ خود ساقط وغیر معتبر ہے، اس سے استدلال بھی ساقط وغیر معتبر ہوا، اور یہ کیسے معتبر ہو سکتا ہے، حالانکہ فعل ان میں سے بغیر کسی وجہ کے ممکن بھی ہے اور خیال میں بھی آسکتا ہے، اور ممتنع ومحال میں داخل نہیں ہے، جب ایسا ہے تو جو اس کا منکر ہے وہ غلطی پر ہے، اور اس کا قائل ہونا موافق عقل ہے، لہٰذا یہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا۔

ازروئے دلایل بدیہیہ جب باری تعالیٰ من کل الوجوہ اپنی تمام مخلوق کے مغایر ہے تو اس کا فعل بھی من کل الوجوہ اپنی مخلوق کے افعال کے مغایر ہو گا، اور تمام مخلوق جو فعل کرتی ہے وہ یا تو طبعی طور پر کرتی ہے یا منفعت کے حصول کے لیے یا مضرت دفع کرنے کے لیے، لہٰذا ضروری ہے کہ باری تعالیٰ کا فعل ان سب کے مغایر ہو، وباللہ التوفیق،
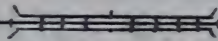
فسادِ اعتراض خامس

ترکِ فعل

جو یہ کہتے ہیں کہ "فاعل کا اجسام کے پیدا کرنے کو ترک کرنا (ترک فعل اجسام) بھی اس سے خالی نہیں کہ وہ (ترکِ فعل) یا جسم ہوگا یا عرض ہوگا" اُن سے کہنا چاہیے کہ یہ تقسیم فاسد اور کھلم کھلا باطل ہے، اس لیے کہ جسم تو طویل عریض اور عمیق ہوتا ہے، اور ترک فعل نہ طویل ہے نہ عریض اور نہ عمیق، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ترکِ فعلِ جسم و عرض (جسم و عرض کو نہ بنانا) جسم نہیں ہے، عرض بھی وہی ہے کہ جسم کے اندر ہے اور محمول جسم ہے، اللہ تعالیٰ کا ترک فعل جسم و عرض (جسم و عرض کا نہ بنانا) محمول نہیں، یعنی یہ عرض کے اندر ہے نہ جسم کے اندر، لہٰذا یہ عرض بھی نہ ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا ترک فعل جسم و عراض نہ تو جسم ہے نہ عرض، بلکہ وہ عدم ہے، اور عدم نہ تو کوئی معنی ہیں اور نہ کوئی شئے، اور اللہ تعالیٰ کا ترک فعل قطعاً فعل نہیں، بخلاف اُس کی مخلوق کی صفت کے، اس لیے کہ مخلوق کا ترک فعل بھی فعل ہے،

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ بالکل بدیہی ہے کہ مخلوق کا ایک فعل کو

ترک کرنا اُس کے دوسرے فعل کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً جب کوئی فعل حرکت ترک کرے گا تو وہ فعل سکون کی وجہ سے کرے گا۔

یا مثلاً تارک اکل جب ہی ہوگا کہ آلات اکل کو بعض کو بعض کے نزدیک کرنے یا دور کرنے میں استعمال کرے اور کھانے کی جگہ ہوا کو داخل کرے۔

یا مثلاً تارک قیام جب ہی ہوگا کہ جب وہ کسی دوسرے فعل "قعود" وغیرہ میں مشغول ہو، لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ باری تعالیٰ کا فعل اپنی مخلوق کے فعل کے مغائر ہے، اور اس کا ترک فعل قطعاً فعل نہیں، اس لیے ان لوگوں کا استدلال باطل ہوگیا، و باللہ التوفیق۔

وہ تمام امور جب باطل ہوگئے جن سے معترضین وابستہ تھے، اور اللہ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کا کوئی فریب باقی نہیں رہا جس کا جواب نہ دیا گیا ہو، تو اب ہم اللہ عزوجل کی تائید سے حدوث عالم پر کہ عالم پہلے نہ تھا بعد کو پیدا ہوا کھلے ہوئے دلایل لانا شروع کرتے ہیں، اور اس کو ثابت کرتے ہیں کہ عالم کا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو ازلی و قدیم ہے، لا الٰہ الا ھو۔

برہان اول

مخلوق کی تخلیق

اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ ہر شخص جو عالم میں ہے اور ہر عرض (قائم بالغیر) جو شخص میں ہے، اور ہر زمانہ یہ سب متناہی ہیں (یعنی ان سب کی مقدار ہے) اور ذو اول (اول والے) ہیں (یعنی اس سے پہلے کچھ اور تھا بعد کو یہ ہوئے) یہ ایسی باتیں ہیں کہ حس و مشاہدہ سے ہم ان کو جانتے ہیں۔

شخص کا متناہی ہونا اُس کے بدن کے اول و آخر حصے کی پیمایش سے ظاہر ہے، کیونکہ عرض محمول ہے اور شخص اُس کا حامل، (جب عرض اپنے وجود میں شخص کی محتاج ہے تو اس کا متناہی ہونا شخص سے بھی واضح ہے)

زمانے کا متناہی ہونا بھی موجود ہے، اس طرح کہ ماضی کے بعد اُس کا مستقبل شروع ہوتا ہے، اور ہر وقت اپنے وجود کے بعد فنا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد دوسرا نیا وقت شروع ہوتا ہے، کیونکہ ہر زمانے کی انتہا آن پر ہوتی ہے اور آن دو زمانوں کے درمیانی حد کو کہتے ہیں (جس کی نہ

مقدار ہوتی ہے اور نہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے) اس آن پر ماضی کی انتہا ہوتی ہے اور جو وقت اس کے بعد ہوتا ہے وہ مستقبل کی ابتدا ہے اسی طرح ہمیشہ ایک زمانہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا شروع ہوتا ہے۔

تمام زمانوں کا مجموعہ ایسے متناہی زمانوں سے مرکب ہوتا ہے جو ذو اول ہوتے ہیں،

اشخاص کا ہر مجموعہ بھی اجزائے متناہیہ سے مرکب ہے اور یہ بھی ذو اول ہے،

ہر وہ شے جو اجزائے متناہیہ ذات اوایل (اول والے) سے مرکب ہو تو سوائے اُس کے اجزا کے وہ خود کوئی شے نہیں ہے، کیونکہ کُل خود کوئی چیز نہیں، سوائے اُن اجزا کے جن کی طرف اُس کا انحلال ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا اُس (کل) کے اجزائے متناہیہ ذات اوایل ہیں، لہذا تمام مجموعے بھی متناہی وذات اوایل ہوں گے۔

عالم کل کا کل، اُس کے اشخاص اور اُس کا مکان وزمان اور اُس کے محمولات (یعنی اعراض وصفات)، کے سوا کچھ بھی نہیں، اور عالم سوائے ان اشیائے مذکورہ کے کوئی چیز نہیں، اُس کے اشخاص وزمان ومکان اور اُس کے محمولات سب کے سب ذو اول ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا، لہذا لامحالہ عالم بھی ذو اول ومتناہی ہوا، کیونکہ اگر اُس کے تمام اجزا بذریعہ حس ومشاہدہ ذو اول ہیں اور عالم خود غیر ذی اول ہے تو ہم بدیہیات اور عقل وحس سے ثابت کر چکے ہیں کہ عالم سوائے اپنے اجزا کے اور کوئی شے نہیں ہے،

نتیجہ یہ نکلا کہ عالم ذو اول بھی ہے اور غیر ذی اول بھی، اور یہ بالکل محال ہے۔

اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اجزائے عالم کے لیے اوایل محسوسہ ہیں، اور اجزائے عالم بھی وہی عالم ہے اور عالم غیر ذی اول ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اجزائے عالم کے لیے اول ہوگا، اول نہ ہوگا، اور

یہ محال بلکہ بدحواسی ہے،

لہذا بالبداہت یہ ثابت ہوگیا کہ عالم کے لیے کوئی اول ہے، اس لیے کہ عالم کے تمام اجزا کے لیے اول ہے، اور عالم نام ہی اجزا کا ہے، اور اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے، وباللہ التوفیق،

برہان ثانی

موجودات

ہر وہ شے جو بالفعل موجود ہے وہ عدد میں بھی محصور ہے اور اُس کی طبیعت بھی اُس کا احاطہ و احصا کیے ہوئے ہے، طبیعت وہ قوت ہے جو شے میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُس شے کی وہ کیفیات جاری ہوتی ہیں جو کیفیات اُس شے کی ہیں،

اگر تم اس تعریف کو مختصر کرنا چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ طبیعت شے کے اندر وہ قوت ہے جس کی وجہ سے وہ شے اپنی حالت پر پائی جاتی ہے،

عدد میں محصور ہونا یا طبیعت کے احصا و احاطے میں ہونا یہ کسی شے کے متناہی ہونے کی صحیح دلیل ہے، کیونکہ جس شے کی نہایت و حد نہ ہو نہ اُس کا احصا ہو سکتا ہے نہ حصر، حصر و احصا کے معنی مُحصٰی و محصور کی دونوں طرفوں کو ملا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہیں،

عالم بالفعل موجود ہے، اور ہر محصور یالعدد و محصٰی بالطبیعۃ ذو نہایت (متناہی) ہوتا ہے لہذا کل عالم ذو نہایت (متناہی و محدود) ہوا، اُس میں جو

ایک مدت میں پایا جائے وہ بھی اور جو بہت سی مدتوں میں پایا جائے وہ بھی سب برابر ہیں کیونکہ یہ بہت سی مدتیں بھی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایک مدت محدودہ ہے، دوسری مدت محدودہ کے متصل ہے، یہ چند محدود مدتوں سے مرکب ہوئیں، اور ہر وہ شے جو چند اشیا سے مرکب ہے درحقیقت وہی اشیا ہیں جن سے اسے ترکیب دیا گیا ہے، لہٰذا یہ سب محدود مدتیں ہوئیں، جیسا کہ ہم نے دلیل اول میں پہلے بیان کیا ہے،

ان سب سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ شے جس کی نہایت نہ ہو وہ موجود بالفعل نہیں ہو سکتی، اور جو چیز صرف موجود غیر متناہی کے بعد ہی پائی جا سکے اس کے وجود کا ابدی و دائمی ہونا بھی ناممکن ہے، اس لیے کہ اس میں بعدیت کا واقع ہونا ہی اس کا متناہی ہونا ہے، اور جو چیز غیر متناہی ہوتی ہے وہ "بعد" سے بری ہوتی ہے، لہٰذا کوئی شے جس کا وجود کسی شے کے بعد ہو وہ کبھی ابدی و دائم نہیں ہو سکتی، تمام اشیا اسی طرح موجود ہیں کہ ان میں بعض اشیا بعض کے بعد ہیں، اس لیے تمام اشیا ذو نہایت و متناہی ہوئیں،

ان دونوں دلیلوں پر اللہ ہی نے تنبہ فرمایا ہے، اور اسی نے اپنی حجت بالغہ سے ان دونوں کا حصر کر دیا ہے کہ "كُلَّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ"

برہان ثالث

تحقیق تناہی

جو چیز غیر متناہی ہوتی ہے اس میں زیادتی کی گنجایش نہیں ہوتی، کیونکہ زیادتی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تم متناہی چیز میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کردو جو اسی کی جنس سے ہو، جو یا تو اس کی تعداد کو بڑھا دے گا یا پیمایش کو، اگر زمانے کا اول نہ ہو تو اس سے اب وہ اپنے عدد میں متناہی ہو جائے گا، اس وقت ہر وہ چیز جس نے اس میں اضافہ کیا اور جو آنے والا زمانہ اس میں اضافہ کرے گا تو یہ سب عدد زمانہ میں کچھ اضافہ نہ کرے گا، اور یہ مشاہدہ ہے کہ وہ تمام سال جو ہمارے اس زمانے تک کہ ہشام المعتمد باللہ کی سلطنت کا زمانہ ہے (یہ اندلس کا بادشاہ تھا، ۳۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۴۰۳ھ میں وفات پائی) مسلسل پائے گئے، یہ ان تمام سالوں سے زیادہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تک پائے گئے، اگر یہ صحیح نہ ہو تو یہ لازم آئے گا کہ جب زحل کا ایک دورہ ہر تین سال میں ہوتا ہے، اور زحل برابر دورہ کرتا رہتا ہے تو فلک اکبر

انھیں تین سالوں میں پچاس کم گیارہ ہزار دور ے کرتا ہے، فلک بھی ہمیشہ دورہ کرتا رہتا ہے، بلاشک پچاس کم گیارہ ہزار دورے ایک دورے سے زائد ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر متناہی چیز غیر متناہی چیز سے تقریباً گیارہ ہزار بار زائد ہے، اور یہ محال ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں،

جو چیز غیر متناہی ہے تو یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی عدد کسی وجہ سے بھی اس سے زائد ہو سکے، لہٰذا زمانے میں اس کی ابتدائی جانب ایک ضرورت واجب ہوگئی جس سے رہائی نہیں،

اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ حس بداہتہً یہ لازم کرتی ہے کہ تشخصات انسانی اور گھوڑے مجموعی طور پر زیادہ ہوتے ہیں اُن تشخصات انسانی سے جن میں گھوڑے نہ شامل ہوں، اگر اشخاص غیر متناہی ہوں تو لازم آئے گا کہ غیر متناہی غیر متناہی سے زیادہ ہے، اور یہ محال و ممتنع ہے جو عقل میں نہیں آسکتا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جو ہجرت کے وقت تک تھا وہ اُس زمانے کا ایک جزو ہے جو ہمارے وقت تک ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ زمانہ جو اس وقت تک ہے وہ کل ہے اُس زمانے کا جو ہجرت کے وقت تک تھا، اور جو ہجرت کے بعد سے ہمارے وقت تک گزرا، اس قضیے میں تین وجوہ میں سے کوئی ایک ہی وجہ حکم ہوگی اور چوتھی نہ ہوگی،

یا تو یہ زمانہ جو اس وقت تک موجود ہے زیادہ ہے اس زمانے سے جو ہجرت کے وقت تک تھا،

یا اُس سے کم ہے،

یا اس کے مساوی ہے

اگر یہ زمانہ جو اس وقت تک ہے اُس زمانے سے کم ہے جو ہجرت کے وقت تک تھا، تو نتیجہ یہ ہوا کہ کل جزو سے کم ہو گیا، اور جزو کل سے بڑھ گیا، یہ محض بدحواسی اور قطعی محال ہے، کیونکہ اس کا سمجھنا کسی کے لیے بھی دشوار نہیں ہے کہ کل زیادہ ہوتا ہے جزو سے، اس میں کوئی شک نہیں، عقل و حس کے نزدیک یہ بدیہی و ضروری ہے۔

اور اگر وہ زمانہ جو ہجرت تک گزرا ہمارے اس زمانے کے مساوی ہے تو لازم آیا کہ کل مساوی ہے جزو کے جو محال اور بدیہی ہے۔
اور اگر وہ زمانہ جو ہمارے وقت میں ہے ہجرت کے زمانے سے زیادہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہی ہے، تو لازم آیا کہ وہ زمانہ جو ہجرت کے وقت تک تھا ذونہایت و تنناہی تھا، اور کسی شے کے اجزا اور افراد ہی کو جزو کہا جاتا ہے، اور کل کے معنی ان افراد کا مجموعہ ہیں کل اور جزو ہر ذی الابعاض یعنی ذی حصص و ذی افراد میں موجود ہوتے ہیں عالم بھی اسی طرح ذو ابعاض (یعنی بہت سے بعض والا، یا افراد و حصص والا) ہے، اس کے حاملات (اجسام) اور محمولات (اعراض وصفات) اور ان کے زمانے پائے جاتے ہیں، عالم اپنے ابعاض (جسم، عرض، زمان) کا کل ہوا، اور اس کے ابعاض اس کے اجزا ہوئے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہر ذی کل اور ذی اجزا کا تنناہی ہونا لازم ہے، زمانہ جسم کے ساکن یا متحرک رہنے کی مدت کا نام ہے، اگر جسم زمانے سے جدا ہو جائے تو نہ تو جسم موجود رہے گا اور نہ زمانہ، اور جسم و زمانہ دونوں موجود ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، زمانہ بھی ذی اول ہے، اور جسم بھی ذی اول ہے، اور یہ وہ چیز ہے جو کبھی جدا نہیں ہوتی۔
جو عرض یا شخص یا زمانہ اب تک نہیں آیا تو یہ کوئی "شے" نہیں ہے، اسی لیے اس پر نہ عدد کا اطلاق ہوتا ہے نہ نہایت (حد) کا، اور نہ وہ کسی صفت کا موصوف ہوتا ہے، اس لیے کہ اب تک اس کا وجود ہی نہیں، جب اس کا وجود پایا جائے گا تو اس وقت اسے بھی وہی سب چیزیں یعنی نہایت (حد) عدد اور دوسری صفات لازم ہوں گی جو اس کے باقی اجناس و انواع موجودہ کے لیے لازم ہیں۔
اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو زمانہ گزرا اور آج کے دن تک پایا گیا وہ مساوی ہے ہمارے آج کے اس زمانے سے جو پہلے گزر گیا، (یعنی ا سے ب تک کا زمانہ مساوی ہے ب سے ا تک کے زمانے کے) زمانہ آئندہ کے

شامل ہونے سے اُس میں اضافہ ہو جانا بھی یقینی و ضروری ہے، مساوی اسی چیز میں سے ہوتا ہے جو ذی نہایت و محدود ہو، لہذا بالبداہت زمانہ بھی تناہی ہوا'

میں نے ایک ملحد کو جس کا نام ثابت بن محمد الجرجانی تھا اسی برہان سے الزام دیا تھا، اس نے یہ چاہا تھا کہ بقائے باری عز وجل اور ہمارے وجود میں اس برہان کا عکس کر دے، میں نے اُسے آگاہ کیا کہ یہ فریب ضعیف و مضمحل اور ساقط ہے، اس لیے کہ باری تعالیٰ نہ زمانے میں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی مدت ہے، کیونکہ ہر زمانی چیز کی حرکت کو یا اُس کے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کو یا مکان واحد میں اس کے ساکن رہنے کی مدت کو زمانہ کہتے ہیں، باری تعالیٰ نہ متحرک ہے نہ ساکن، نہ وہ کسی زمانے میں ہے، نہ اس کے لیے کوئی مدت ہے، نہ کسی مکان میں ہے، نہ جرم (جسم) ہے نہ جوہر، نہ عرض ہے نہ عدد، نہ جنس ہے نہ نوع، نہ فصل ہے نہ شخص، نہ متحرک ہے نہ ساکن، سوائے اس کے کہ وہ اپنی ذات میں حق ہے، موجود مطلق ہے، اس معنی میں کہ وہ معلوم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، واحد ہے کہ اس کے سوا عالم میں کوئی واحد نہیں، وہ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، وہ اپنی مخلوق کے کسی وجہ سے بھی مشابہ نہیں ہے، وباللہ تعالیٰ التوفیق، اللہ تعالیٰ نے اس دلیل اور اس کے حصر پر خود اپنے ہی کلام پاک میں خبر دی ہے "یزید فی الخلق ما یشاء" (یعنی وہ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں اضافہ کرتا ہے)

برہان رابع

اوّلیّت

اگر عالم کے لیے اول نہ ہوگا اور اس کی نہایت (حد) نہ ہوگی تو ہمارا اسے طبیعت وعدد کے ساتھ احصاء و احاطہ کرنا جس کی کوئی حد و نہایت اوائل عالم ماضیہ سے نہ ہو محال ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ اگر ان سب کا احصاء کیا گیا تو پھر لامحالہ اس کے لیے حدو نہایت ہوجائے گی اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ طبیعت وعدد ایسی چیز کا احصاء کریں جو اوائل عالم ماضیہ سے غیر تمناہی ہے یہاں تک کہ وہ دونوں ہم تک پہنچ جائیں جب یہ محال ہوا تو طبیعت و عدد بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ حالانکہ ہیں عالم کے سوا ہر شے میں عدد و طبیعت کے وجود کا یقین ہے یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں ہم تک پہنچیں۔

لہذا ثابت ہوگیا کہ طبیعت وعدد نے اوائل عالم کے سوا ہر شے کا احصاء کیا ہے یہاں تک کہ یہ دونوں چیزیں ہم تک پہنچیں۔ لہذا ہمارا اولیت عالم کی طرف احصا کرنا بھی غیر مشکوک، موجود بدیہی اور صحیح ہے۔ اور جب ایسا ہے تو عالم کے لیے اول ہونا بھی ضروری ہے۔ و باللہ التوفیق۔

برہان خامس

اِحصاء و اِحصار

ثانی کا وجود بغیر اول کے اور ثالث کا وجود بغیر ثانی کے ناممکن ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ۔ اگر اجزائے عالم کے لیے اول نہ ہوگا تو پھر ثانی نہ ہوگا۔ اور جب ثانی نہ ہوگا تو ثالث بھی نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں نہ کوئی عدد ہوگا نہ معدود ہوگا۔ حالانکہ ہمارے وجود میں وہ تمام اشیا جو عالم میں ہیں معدود ہیں (یعنی ان پر عدد کا اطلاق ہوتا ہے اور انھیں عدد سے شمار کیا جاتا ہے)۔ یہ اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ ثالث بعد ثانی کے ہوتا ہے اور ثانی بعد اول کے اور اس کی صحت میں اول کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دلیل پر اور اس کے قبل والی دلیل پر ہمیں آگاہ کیا ہے اور اس نے اپنے کلام میں دونوں کا حصر کر دیا ہے "و اَحصٰی کل شئی عددا" اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے۔

اول و آخر تو امور اضافی میں سے ہیں کیونکہ جو آخر ہے وہ اول کے لیے آخر ہے۔ اور جو اول ہے وہ آخر کے لیے اول ہے۔ اگر اول نہ ہوگا تو آخر

بھی نہ ہوگا، ہمارا آج کا دن اپنے ماقبل کے ہر موجود کے لیے آخر ہے۔ جس کا اب تک وجود نہیں ہوا وہ "شے" ہی نہیں۔ اور نہ اس پر اوصاف واقع ہوئے جو بعد "شے" ہونے کے ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے لیے اول ہے۔

مجھے میرے ایک دوست محمد بن عبدالرحمٰن بن عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انھوں نے اسی دلیل سے ایک ملحد سے جس کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن شنیف تھا معارضہ کیا تو اس ملحد نے اپنے کلام میں ان سے خلود جنت و دوزخ و اہل جنت و دوزخ میں معارضہ کیا۔ ابن عقبہ نے اس کو یہ جواب دیا کہ ہم نے جو دونوں دار الجزا (جنت و دوزخ) اور ان کے اہل کا خلود غیر متناہی مانا ہے وہ اس طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے لیے بقائے محدود و حرکات جدیدہ اور لذات جو پے در پے جاری رہیں گی وقتاً فوقتاً برابر پیدا کرتا رہے گا۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے ہر موجود اول و آخر بھی جاری اور پیدا ہوتا رہے گا۔ جب اول ثابت ہوگیا تو زمانے کا غیر متناہی طور پر اس طرح باقی رہنا کہ ایک وقت کے بعد ہی دوسرا وقت ہو محال نہ رہا۔

یہ مثل عدد کے ہے۔ کیونکہ اگر اس کے لیے اول نہ ہوگا تو کوئی شخص کسی شے کے عدد و شمار پر کبھی قادر نہ ہوگا۔ عدد کے لیے بھی اول کا ہونا ضروری ہوا جو حس و مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی کو ہم "واحد" کہتے ہیں۔ کیونکہ عدد کا ایک یہی وہ مبدا ہے جس کے قبل کوئی عدد نہیں ہے۔ پھر اعداد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسی زیادتی ممکن ہے۔ جس کی کوئی حد و غایت نہیں۔ لیکن جب اس کا کوئی جزء حد وجود حد فعل میں آگیا تو اب اس کے لیے حد و نہایت ہوگئی اور ایسا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ وباللہ التوفیق۔

یہ جواب سن کر وہ شنیفی (ملحد) اکھڑ گیا اور اس کے پاس سوائے شر و فریب کے کچھ نہ رہا۔

ان دلایل و براہین کے بارے میں جن سے ہم نے ایسے موجودات کے وجود کا محال ہونا ثابت کیا ہے، جن کے لیے اول نہ ہو، بعض ملحدین نے

کلام کیا ہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنّت سے جو ایسی نعمت کا وعدہ کیا ہے جس کا نہ انجام ہے اور نہ حد و نہایت، تو وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا یا نہیں۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا تو تم پر بھی وہی اعتراض وارد ہو گا جو اُن براہین میں تم نے ہم پر وارد کیا ہے' دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ اس وعدے کو پورا نہ کرے گا تو تم نے اسے وعدہ خلافی کا الزام دیا۔ اور وہ تمھارے نزدیک بھی کفر ہے۔

یہ وہ فریب ہے کہ بکثرت ہم نے اس قسم کے فریبوں سے اپنی اُن کتابوں میں پناہ مانگی ہے جو ہم نے حد و منطق میں تالیف کی ہیں۔ یہ اعتراض دو وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

اول یہ کہ جو کچھ حریف کہتا ہے۔ اس سے آدمی کا تعلق ضعیف ہے۔ آدمی کی ذمہ داری صرف اس کی ہے کہ وہ اپنے قول کو خالص رکھے۔ اس کے لیے اپنے حریف مقابل کی شکست کے لیے کوئی نمونہ نہیں بلکہ شاید اس کا مقابل بھی اس کا قائل نہ ہو۔

دوم یہ کہ اگر کسی جہمی فرقے والے سے یہ سوال ہو تو اس سے یہ سوال خود ہی ساقط ہے (کیونکہ وہ جنّت وغیرہ کو متناہی مانتا ہے)

لیکن خدا کے فضل سے ہمارے ذمے اس اعتراض کا توڑنا اور اس کی فریب کاری کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اہلِ سفسطہ و ارباب مغالطہ جس کو مقدمہ بناتے ہیں وہ کذب ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے وہ جاہلوں کو دھوکا دیتے ہیں اور جو کچھ اس پر مبنی کرتے ہیں (وہ بھی کذب و فریب ہوتا ہے) یہ اعتراض بھی اسی طرح کا ہے۔

وہ ہمیں اس سے الزام دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنّت سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ایسی نعمت دے گا جس کی انتہا نہ ہو گی۔ حالانکہ یہ غلط و دروغ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہرگز یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ انھیں ایسی

نعمت دے گا۔ اگر وہ اُن سے اس کا وعدہ کرتا تو جب وہ اسے پورا کرتا تو یہ نعمت باطل اور فنا اور ختم ہو جاتی۔ حالانکہ اللہ نے ان سے ایسی نعمت کا وعدہ کیا ہے جو ختم نہ ہو گی۔ اس نعمت کا جو حصہ ظاہر ہو گیا اور وجود میں آ گیا تو وہ محصور کو محدود ہو گیا۔ اور جو حصہ ہنوز حدِ فعل میں نہیں آیا وہ اب تک عدم ہے اس پر نہ کوئی عدد واقع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی صفت۔ لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ یہ لفظ کہ "انھیں پوری نعمت دیدے گا" یہی وہ فریب فاسد ہے جس پر انھوں نے ملمع کاری کی ہے۔ جب معترض نے اسے اپنے کلام سے نکال دیا تو اس کا اعتراض بھی ساقط ہو گیا اور قضیہ صحیح ہو گیا۔ وباللہ التوفیق۔

اگر کوئی معترض کہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وانا لموفوھم نصیبھم غیر منقوص" (اور بیشک ہم اہلِ جنت کے حصے کو پورا کرنے والے ہیں جس میں کوئی کمی نہ ہو گی) تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی دو وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

یا تو اس سے اس کی مراد ان کی جزاء کا حِصّہ ہے یا پیمائش جنّت سے ان کا حِصّہ ہے۔

اگر اللہ عزوجل کی مراد ان کا حِصّہ جزا عذاب و ثواب ہے تو صحیح ہے۔ کیونکہ جو چیز حدِ وجود میں آ گئی تو وہ یقیناً پوری دیدی گئی۔

اگر اس سے اللہ تعالیٰ نے اُن کا حِصّہ جنّت و دوزخ مراد لیا ہے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ جنت و دوزخ کا ہر مکان از روے پیمائش محدود ہے۔ ہم نے جس جزاء کے پورے کیے جانے کی نفی کی ہے وہ ہے جو ایسے اختتام کا موجب ہو جس میں بعد اختتام اضافہ نہ ہو۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ فاما الذین آمنوا وعملوا الصلحت فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ" (لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اللہ ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دے گا) اور فرمایا ہے "انما یوفی الصابرون اجرھم

بغیر حساب" (صابرین کو ان کا اجر بے حساب ہی دیا جائے گا) یہ دونوں آیتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اجر جو اُن کو دیا جائے گا وہی ہے جو اُن کی جنت کی پیمائش سے ملے گا اور وہی نعمت ملے گی جو وجود میں آچکی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے برابر انھیں زیادہ دیتا رہے گا۔ جیسا کہ خود اس نے "بغیر حساب" فرمایا ہے۔ کیونکہ "بغیر حساب" تو کبھی ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ جو بغیر حساب ہوگا اس کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی اور جو وجود میں آگیا وہ محدود و متناہی ہو گیا۔ اگر پورا دیدیا گیا تو اس میں اضافہ و زیادت ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جو پورا دیدیا گیا اس میں کوئی زیادتی نہیں ہوسکتی اور جس میں زیادتی ممکن ہو تو وہ ابھی تک پورا نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمادی ہے کہ پورا ادا کرنے کے بعد زیادت و اضافہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ شے محدود و متناہی ادا ہوگی اور جو چیز غیر متناہی ہو وہ کبھی ادا نہیں کی جاسکتی۔

مذکورۂ بالا کلام سے یہ ثابت ہوگیا عالم ذو اول ہے، اور جب وہ ذو اول ہے تو لامحالہ تین میں سے ایک وجہ کا ہونا ضروری ہے، کوئی چوتھی وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو عالم کو خود اس کی ذات نے پیدا کیا۔

یا بغیر اس کے کہ اپنے آپ کو پیدا کرے یا کوئی اور اسے پیدا کرے وہ خود بخود پیدا ہوگیا۔

یا اسے کسی اور نے پیدا کیا ہوگا۔

اگر خود اس نے اپنی ذات کو پیدا کیا تو چار میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی پانچویں وجہ نہیں ہوسکتی۔

یا تو اس نے اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ عالم معدوم تھا اور ذات موجود تھی۔

یا اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ خود موجود تھا اور ذات معدوم تھی۔

یا اس نے اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ اور ذات دونوں موجود تھے۔

یا اپنی ذات کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ اور ذات دونوں معدوم تھے۔

یہ چاروں وجوہ محال اور ممتنع ہیں، ان میں سے کسی کی بھی گنجایش نہیں۔ کیونکہ شے اور ذات شے کوئی دو جدا گانہ چیزیں نہیں ہیں جو شے ہے وہی ذات ہے اور جو ذات ہے وہی شے ہے۔ وجوہ مذکورۂ بالا میں یہ لازم آتا ہے کہ شے اپنی ذات کے مغایر ہو۔ اور یہ از روئے حس ومشاہدہ محال و باطل ہے لہٰذا یہ وجہ تو باطل ہو گئی۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عالم اگر عدم سے وجود میں بغیر اس کے کہ اس کی ذات اسے لائے یا کوئی اور لائے وہ از خود آگیا تو یہ بھی محال ہے، اس لیے کہ کوئی حال ایسا نہیں جو اس کے عدم سے وجود میں آنے کے لیے بہ نسبت دوسرے حال کے بہتر ہو۔ جب وہ خود سے پیدا ہو گیا تو اس حالت پیدایش کا محرک و مرجح کون ہوا اور اس نے پیدایش کو عدم پیدایش پر کیوں ترجیح دی اس وقت جب تک عالم وجود میں نہیں آیا اس کا قطعاً کوئی حال نہیں تو پھر اس کے وجود میں آنے کا امکان ہی نہیں۔ حالانکہ اس کا خروج و وجود بالکل یقینی اور مشاہدے میں ہے۔ حال خروج و وجود مغایر و مخالف ہے حال لاخروج (عدم خروج) کے اور حال خروج ہی اس کے وجود کی علت ہے۔ اور حال خروج کے حدوث میں بھی وہی وجوہ لازم آئیں گی جو حدوث عالم میں لازم آئیں۔ کہ یا تو حال خروج ہی اپنے آپ کو عدم سے وجود میں لایا۔ یا کوئی اور لایا یا بغیر ان دونوں صورتوں کے خود ہی وجود میں آگیا۔ اسی طرح "ہر حال" کے متعلق یہی کلام ہو گا۔ اگر کلام ختم ہو جائے گا تو بہ سبب اس کے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں "لانہایۃ" (یعنی غیر محدودیت) لازم آئے گی۔ اور "لانہایۃ" (غیر محدودیت) عالم میں اس کے مبداء (موقع ابتدا) ہیں باطل ممتنع اور محال ہے۔ اب یہ باطل ہو گیا کہ

عالم کو خود اس کی ذات وجود میں لائے یا وہ بغیر کسی کے لائے خود سے آجائے۔ لہذا بدیہی طور پر تیسری وجہ ثابت ہوگئی کیونکہ اس کے سوا اب کوئی وجہ قطعاً نہیں رہی اس لیے اس کا صحیح ہونا ضروری ہے اور وہ یہ کہ عالم کو عدم سے وجود میں کوئی اور لایا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فلک اپنے اندر کی چیزوں کے ساتھ صاحبِ آثار ہے جس میں انتقال زمانی و حرکت دوریہ بھی ہے۔ جس کے اجزا کا ہر جزو ایک ایسے مکان میں ہے جو اس کے متصل ہے۔

اثر موثر کے ساتھ ہوتا ہے جو امور اضافی میں سے ہوتا ہے۔ اگر اثر نہ ہوگا تو موثر بھی نہ ہوگا۔ اور اگر موثر نہ ہوگا تو اثر بھی نہ ہوگا۔ اس سے لازم آگیا کہ ان تمام آثار ظاہرہ کے لیے کوئی موثر ضرور ہے۔ جن کا اثر ان میں ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ فلک یا جو کچھ اس میں ہے وہی موثر یعنی اثر پیدا کرنے والا ہو، اس لیے کہ اس وقت وہی (فلک) مؤثر بھی ہوگا اور مؤثر فیہ (جس میں اثر پیدا کیا گیا ہے) بھی ہوگا۔ باوجود اس کے موثر و اثر امور اضافی میں سے ہیں۔

اس قول کا مطلب کہ "موثر و اثر و موثر فیہ امور اضافی میں سے ہیں" یہ ہے کہ اثر و مؤثر فیہ لامحالہ مؤثر کو چاہتے ہیں۔ یہ نہیں وارد ہوا کہ باری تعالیٰ اضافت کے تحت ہے۔ کسی ایسے مؤثر کی ضرورت پڑی جو نہ تو مؤثر فیہ ہو اور نہ وہ شے ہو جو عالم میں ہے۔ لامحالہ وہ خالق اول واحد تبارک و تعالیٰ ہے۔ لہذا یہ ثابت ہوگیا کہ تمام عالم حادث ہے اور اس کا کوئی مُحدِث ہے جو عالم کے علاوہ ہے۔

یہ تو ان علامات صنعت میں سے ہے جنھیں ہم خود دیکھتے ہیں اور بذریعۂ حواس مشاہدہ کیا جاتا ہے جس میں کسی صاحب عقل کو شک نہیں۔ منجملہ اس کے افلاک کی ترکیب اور ایک فلک کا دوسرے میں تداخل اور اپنے مختلف مرکزوں پر ان سب کا ہمیشہ دورہ کرتے رہنا ہے۔ پھر ان کے افلاک تدا ویر ہیں، افلاک تداویر کی حرکت کے اور ان افلاک کے درمیان جو ان (افلاک تداویر)

کے حامل ہیں بعد کا ہونا ہے۔ تمام افلاک کا غرب سے شرق کی طرف گھومنا اور فلک نہم کا جو کلی ہے ان سب کے برخلاف شرق سے غرب کی طرف گھومنا ہے۔ اور باوجود فلک نہم کی شرقی حرکت کے اس کا دوسرے افلاک کو غربی جانب حرکت دینا ہے اس سے ایک حرکت میں دو متعارض حرکتیں پیدا ہوئیں۔ لہذا بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ان سب کو مختلف طریقوں پر حرکت دینے والا کوئی اور ہے۔

اعضائے انسان وحیوان کی ترکیب میں دیکھو کہ گولائی کے ساتھ ابھری ہوئی ہڈیاں گہرائی والی ہڈیوں میں داخل ہیں، ان جوڑوں میں (جن میں یہ دو قسم کی ہڈیاں ملی ہیں) بچھلی کی ترکیب کو دیکھو، اور پھر ان پر پٹھوں اور رگوں کی بندش کو دیکھو تو یہ بھی کسی صانع کی کھلی ہوئی صنعت ہے۔

منجملہ ان آثار کے وہ مختلف رنگ ہیں جو جانوروں کی بہت ہی کھالوں میں اور اس کے بالوں میں اور اون میں اور بالوں میں اور ناخن میں اور پوست میں ایک ہی طریقے پر اور ایک ہی وضع پر ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثل ان رنگوں کے جو چکور جنگلی کبوتر اور بٹیر اور باز اور بہت سے پرندوں میں ہیں، اور جو بچھوؤں اور زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور مچھلیوں میں ہیں، جس کی رنگینی میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، اور اس کے رنگ ایک ہی وضع پر رہتے ہیں، جیسے کہ موروں کی دمیں۔

منجملہ ان آثار کے وہ ہیں جو مچھلی اور ٹڈی (ملخ) اور ایک نوع کے حشرات میں ظاہر ہیں، گویا اس کی تصویر ایک مصور نے ہمارے درمیان کھینچ دی ہے، ان میں سے وہ رنگ ہیں جو (ایک ہی نوع میں) مختلف ہوتے ہیں، جیسے مرغیوں کے رنگ، کبوتروں، بطوں اور بہت سے حیوانوں کے رنگ ہیں کہ بداہت اور حس سے ہم جانتے ہیں کہ ان سب کا کوئی با اختیار صانع ہے، جو ان سب کو جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے، ان کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ اس میں کبھی اس کی مشیت سے اضطراب و فرق نہیں پیدا ہوتا، عقل محسوس کرتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ یہ تمام مختلف چیزیں جو ایک نظام اور ضابطے کے

ماتحت ہیں اور ان میں کبھی فرق نہیں پڑتا یہ طبیعت اور قوت مادہ سے ہوتے ہوں، ان کے لیے ایک صانع کی ضرورت ہے جو ان سب کا قصد و ارادہ کرے، اور جو جانتا ہے کہ طبیعت کیا چیز ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ ایک قوت ہے جو کسی شے کے اندر ہے، جس کی وجہ سے اس شے کے وہ صفات و کیفیات جاری ہیں جن پر وہ شے بنائی گئی ہے، وہ لامحالہ جانتا ہے کہ اس طبیعت کا بھی کوئی صانع اور بنانے والا اور ترتیب دینے والا ہے، اس لیے کہ وہ خود سے نہیں قائم ہو سکتی، کیونکہ وہ تو صاحب طبیعت کے ساتھ قائم ہوتی ہے،

منجملہ ان کے ہم کھجور اور تاڑ کے درخت کی چھال کی بُنائی کو دیکھتے ہیں جو یقیناً تانے بانے سے اس طرح بنی ہے جس طرح بُننے والا اسے بنائے، اور یہ سب اس ترتیب کے ساتھ قطعاً نہ تو طبیعت کا کام ہے، نہ کسی بُننے والے کی بناوٹ ہے، نہ بنانے والے کی، اور نہ کسی رنگ دینے والے کی، وہ ایک ایسے صانع کی صنعت ہے جو باختیار و با ارادہ ہے جو صاحب طبیعت نہیں ہے مگر جو چاہے اس پر قادر ہے، یہ وہ امر ہے جو یقیناً بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ تین زیادہ ہیں دو سے، لہٰذا یہ صحیح ہو گیا کہ خالق اول واحد حق ہے جو قطعاً اپنی کسی مخلوق کے مشابہ نہیں، لا الہ الا ھو الواحد الاول الخالق عزوجل۔

کیا عالم و فاعل عالم دونوں ازلی ہیں؟

خدا کے فضل وکرم سے ہم اس مقالے کو ان براہین سے باطل کر چکے ہیں جو اس کے قبل بیان کیے ہیں، لیکن ان لوگوں کا ایک اعتراض باقی ہے جس کا لانا اُن کی تمام فریب کاریوں کے جمع کرنے کے لیے ضروری ہے،

اس مقالے والوں نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے فعل کی علت اُس کا وجود وقدرت وحکمت ہی ہے، اور وہ ازلی، سخی، حکیم، اور قادر بھی ہے، لہٰذا عالم بھی ازلی ہوا، کیونکہ اس کی علت ازلی ہے،

مگر یہ قطعاً فاسد ہے اُن دلائل سے جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں جن سے بالاضطرار حدوث عالم کا یقین وعلم حاصل ہوتا ہے،

یہ تو اُسے لازم آئے گا جو اس مقدمے کو تسلیم کرے کہ عالم کے لیے کوئی علت ہے، ہم تو کہتے ہیں کہ ہر وہ شے جس کا وجود ہے اللہ کے اس کو وجود میں لانے کے لیے کوئی علت نہیں، وہ سوائے خالق اور اس کی مخلوق کے کوئی چیز نہیں۔

ہم ان لوگوں کے علم کے مطابق ایک ایسی بات کہتے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگی،

وہ بات یہ ہے کہ مفعول (مخلوق) وہی ہے جو عدم سے وجود کیطرف منتقل ہوا، اس معنی میں کہ جو کسی کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا، یہی محدَث (مخلوق) ہے، اور محدَث کے معنی ہیں، جو نہ تھا پھر ہو گیا، حالانکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ازلی ہے، اور یہ خلاف عقل ہے، کیونکہ جو نہ تھا پھر ہو گیا، وہ بالکل اس کے مغائر و مخالف ہے جو ازلی ہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ عالم خود اپنی ذات کے مغائر ہوگا، اور یہ بالکل محال ہے، وباللہ التوفیق،

اگر کوئی کہے کہ "تمھارے قول کی بنا پر جب باری تعالیٰ غیر فاعل تھا پھر فاعل ہو گیا تو اسے استحالہ و تغیر لاحق ہو گیا، حالانکہ وہ اس سے بری و برتر ہے"، ہم اسے جواب دیں گے کہ یہ سوال تو تمھاری ہی طرف پلٹتا ہے، اس لیے کہ تم نے اس کو صحیح سمجھا، ہم نے اس کی تصحیح نہیں کی، تمھارے نزدیک اگر اس سے فعل اس وقت صادر ہوا جب کہ وہ غیر فاعل تھا تو یہ فاعل پر استحالہ لازم کر دے گا، کیونکہ تمھارے نزدیک اس کا فعل جب کہ اس نے اعراض کو پیدا کیا بعد اس کے کہ وہ اس کا پیدا کرنے والا نہ تھا، اور اس کا معدوم کرنا اس شئے کو جسے اس نے معدوم کیا بعد اس کے ہوا کہ وہ اس کا معدوم کرنے والا نہ تھا، یہ اس پر استحالہ واجب کرتا ہے، اب تم اپنے اس سوال کا جواب دو جس کی تم نے تصحیح کی ہے، سوائے سوال کو فاسد کرنے کے تمھارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں،

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو تم نے بیان کیا یہ استحالہ ہی نہیں، استحالے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسی شئے کا مستحیل میں پیدا ہونا جو اس کے قبل اس میں نہ تھی، جس کی وجہ سے وہ اپنی ایک صفت سے جو اس پر صادق و محمول تھی دوسری صفت کی طرف مستحیل و منتقل ہو جائے، یہ معنی اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں یعنی وہ اس سے بری ہے کہ وہ کسی صفت کا اپنے اوپر حامل ہو، بلکہ اس نے بذاتہ نہیں کیا جب وہ غیر فاعل تھا، اور بذاتہ کیا اگر وہ فاعل تھا نہ اس کے

کرنے کی کوئی علت تھی اور نہ اس کے نہ کرنے کی کوئی علت تھی۔

جو ذات ازلی ہے وہ وہی ہے جس کا نہ کوئی فاعل ہے اور نہ عدم سے وجود میں لانے والا، اگر عالم بھی ازلی ہو تو لامحالہ اس کا بھی نہ کوئی فاعل ہوگا اور نہ کوئی عدم سے وجود میں لانے والا حالانکہ خود اس مقالے والوں کا اقرار ہے کہ عالم بھی ازلی ہے اور اس کا فاعل بھی ازلی ہے جو بناتا ہے، یہ بالکل محال بدحواسی اور فساد ہے، وباللہ التوفیق

ازلیت میں اشتراک!!

خالق عالم کے ساتھ کیا زمان و مکان مطلق بھی ازلی ہیں؟

ان لوگوں کے نزدیک نفس کی تعریف یہ ہے کہ وہ جوہر ہے، جو قابل بالذات ہے، اپنے اعراض وصفات کا حامل ہے، غیر متحرک و غیر منقسم ہے، غیر متمکن ہے یعنی کسی مکان میں نہیں ہے،

مجھ سے اس خیال والوں کی ایک جماعت نے مناظرہ بھی کیا ہے، میں نے انھیں قریب قریب اپنے زمانے کے ملحدین پر غالب پایا، میں نے انھیں ایسے الزام دیے جن سے وہ بچ نہ سکے، اللہ کی مدد سے اُن کے قول کا بطلان ظاہر کر دیا، قدمائے متکلمین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ انھوں نے اس فرقے کا ذکر کیا ہو، میں پہلا متکلم ہوں کہ اُن کے تمام عقاید جمع کر دیے، اور اُن قابل اضافہ امور کا اس میں اضافہ کر دیا جس میں ان لوگوں کے قول کی تخفیر ہے، وما توفیقنا الا باللہ،

اُن کے نزدیک مکان و زمان اور ہے — وہ نہیں ہے جو ہم لوگوں کے نزدیک ہے، ہمارے نزدیک مکان معہود وہ ہے جو اپنے مکین کا اس کے تمام یا بعض اطراف سے احاطہ کیے ہو، اس کی دو قسمیں ہیں،
یا تو وہ مکان ایسا ہوگا کہ مکین کی شکل اس میں مکان کی شکل کے مطابق ہو جائے گی، مثلاً فضا و جو (جو زمین و آسمان کے درمیان خلا ہے) یا مٹکے یا گھڑے کے اندر پانی، اور جو اس کے مشابہ ہو۔
اور یا وہ مکان ایسا ہے جو خود مکین کی شکل کے مطابق ہو جاتا ہے، جیسے پانی اُن اجسام کے لیے جو اس میں داخل ہوں۔
زمان معہود ہمارے نزدیک کسی جسم کے متحرک یا ساکن رہنے کی مدت ہے، یا عرض کے جسم میں رہنے کی مدت ہے، اس کو یہ بھی شامل ہے کہ ہم کہیں کہ وہ وجود فلک اور فلک کے اندر جتنے حال و محمول (یعنی فلک در فلک ہیں) ان کی مدت ہے، مکان و زمان کی یہ تعریف ہمارے نزدیک ہے،
وہ لوگ کہتے ہیں کہ زمان مطلق و مکان مطلق اس زمان و مکان سے جداگانہ ہیں جن کی ہم نے ابھی تعریف کی ہے، یہ دونوں جدا جدا ہیں،
اُن کے قول کو باطل کرنے کے لیے خود اُن کا زمان غیر معہود و مکان غیر معہود کا اقرار کرنا ہی ایک دلیل سے کافی تھا، لیکن اُن کے دعوے کے بطلان پر اللہ کی مدد سے براہین کا لانا ضروری ہے۔
اُن سے کہا جائے کہ ہمیں اس خلا کے متعلق بتاؤ جس کو تم نے ثابت کیا ہے کہ وہ فلک اور اس کی اندرونی اشیا سے پہلے موجود تھا، "آیا اس خلا کا وہ حصہ فلک کے پیدا ہونے سے باطل ہو گیا جو فلک کے پیدا ہونے سے پہلے فلک کے مکان میں تھا" یا نہیں باطل ہوا، اگر وہ کہیں کہ نہیں باطل ہوا، اور اُن میں سے بعض نے مجھے یہی جواب دیا ہے، تو ان سے کہا جائے کہ اگر وہ خلا نہیں باطل ہوا تو آیا وہ اُس مکان میں فلک کے پیدا ہو جانے سے اس مکان سے منتقل بھی ہوا یا نہیں منتقل ہوا، اگر کہیں کہ "نہیں منتقل ہوا" اور یہی ان کا قول بھی ہے، تو اُن سے کہا جائے کہ جب

خلا نہ باطل ہوا نہ منتقل ہوا تو پھر فلک کس جگہ پیدا ہوا، حالانکہ وہ خلا تمھارے نزدیک حدوث فلک سے پہلے اپنے مقام پر موجود قایم بالذات ثابت ہے، آیا فلک اسی مکان مطلق میں پیدا ہوا جو خلا ہے یا کسی دوسری جگہ، اگر دوسری جگہ پیدا ہوا تو اس جگہ ایک دوسرا مکان ہوگیا جو اس کے علاوہ ہوا جس کا نام تم نے خلا رکھا ہے، وہ مکان بھی یا تو تمھارے مذکورہ مکان کے ساتھ ایک ہی حیز میں ہوگا یا دوسرے حیز میں ہوگا، اگر یہ دوسرا مکان تمھارے مذکورہ مکان کے ساتھ ایک ہی حیز میں ہے تو فلک بھی لامحالہ اسی میں پیدا ہوا، حالانکہ تم نے کہا ہے کہ فلک اس مکان میں نہیں پیدا ہوا، نتیجہ یہ نکلا کہ فلک اس مکان میں پیدا ہوا جس میں وہ نہیں پیدا ہوا، اور یہ تناقض ومحال ہے۔

اگر تم کہو کہ وہ دوسرا مکان دوسرے حیز میں ہے تو تم نے خلا کے لیے نہایت ثابت کردی، کیونکہ وہ دوسرا حیز جس میں فلک پیدا ہوا وہ حیز اس خلا میں نہیں ہے، اس طریقے میں لامحالہ اس خلا کی نہایت ختم ہو جاتی ہے جس کا تم نے ذکر کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ متناہی غیر متناہی ہے، اور یہ تناقض اور محض بدحواسی ہے،

جب اس کا غیر متناہی ہونا باطل اور متناہی ہونا ثابت ہوگیا تو بس وہ وہی مکان معہود ہے جس کا تعلق اپنے مکین سے ہے، یہی وہ مکان ہے کہ کوئی عاقل اس کے سوا کسی اور مکان کو نہیں جانتا،

اگر فلک اس خلا میں پیدا ہوا، فلک نے خلا کو بھر دیا، اور خلا تمھارے نزدیک نہ تو باطل ہوا اور نہ منتقل ہوا تو ساتھ ہی ساتھ ایک ہی مکان میں خلا بھی ہے اور ملا بھی ہے، اور یہ محال و بدحواسی ہے،

اگر وہ کہیں کہ جو خلا فلک کے حدوث سے پہلے فلک کی جگہ پر تھا وہ حدوث فلک سے باطل ہوگیا، یا یہ کہیں کہ وہ منتقل ہوگیا تو انھوں نے بداہتہً خلا کے لیے نہایت وحد ثابت کردی۔

یا تو اس طریقے سے کہ وہ حدوث فلک سے باطل ہوگیا کیونکہ

باطل و فاسد وہی شے ہو سکتی ہے جو حادث ہو نہ کہ ازلی، (اور جو حادث ہوگا وہ ضرور محدود و متناہی ہوگا)

باطریق مساحت (وپیمائش) سے بوجہ خلا کے منتقل ہونے کے، کیونکہ جب وہ منتقل ہونے کی جگہ نہ پائے گا تو اس کا انتقال نہ ہوگا، انتقال کے معنی ہیں جسم کا ایسے مکان میں چلا جانا جس میں وہ اس کے قبل نہ تھا، اس کا ایسے مکان کو پالینا جس میں وہ منتقل ہو سکے اس امر کو لازم کرتا ہے کہ جس مکان میں وہ منتقل ہوا ہے وہ اپنے انتقال سے پہلے اس مکان میں نہ تھا، لامحالہ یہی حد و نہایت کا اثبات ہے، حالانکہ اسی (حد ونہایت) کو ان لوگوں نے باطل کیا تھا،

اس میں ان لوگوں پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ وہ خلا متحیز (و مکین) ہو جائے، اس لیے کہ خلا کا جو حصہ باطل ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو باطل نہیں ہوا، وہ خلا جو منتقل ہو اوہ بھی اُس کے علاوہ ہے جو منتقل نہیں ہوا، جب اس کی یہ شان ہوگی تو وہ یا تو جسم ہوگا جس کے اجزا ہوں گے یا وہ جسم میں محمول ہوگا، اور جسم کے منقسم ہونے سے منقسم ہو جائے گا، اور ہم نے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ جسم کا متناہی ہونا ثابت کیا ہے جس میں ضروری بیان ہے، اس سے خلا کا قابل انقسام ہونا اور اس سے اس کا محدود ہونا اور اس سے اس کا غیر ازلی و حادث ہونا ثابت ہو گیا، والحمد للّٰہ رب العالمین،

حدوث فلک سے اگر خلا باطل نہیں ہوا تو خلا کا وہ حصہ جو فلک کی جگہ پر رہا وہ حدوث فلک کی وجہ سے نہ تو باطل ہوا اور نہ منتقل ہوا، تو لازم آئے گا کہ وہ خلا اور فلک دونوں ایک ہی حیز (مکان) میں ایک ہی ساتھ موجود رہیں، لہذا اب وہ فلک کا مکان نہ رہا، کیونکہ مکان مع مکین کے ایک مکان میں نہیں ہو سکتا، یہ ابتدائی عقل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، بالفرض اگر ایسا ہو سکے تو لازم آئے گا کہ مکان خود اپنا مکان ہو، اور دونوں میں سے ایک کو بھی فوقیت نہیں ہے کہ وہ دوسرے کا مکان بنے، نہ ان

دونوں میں سے کسی ایک کو یہ فوقیت ہے کہ وہ دوسرے کا تکین بنے، اور بالبداہت یہ سب فاسد و محال ہے،

نیز ان لوگوں کے نزدیک خلا اسے کہتے ہیں جس میں کوئی متمکن نہ ہو، حالانکہ فلک ان کے نزدیک خلا میں موجود ہے کیونکہ از روئے مساحت و پیمائش ان کے نزدیک خلا غیر متناہی ہے، پھر جب فلک ان کے نزدیک خلا میں متمکن ہے، اور خلا ان کے نزدیک وہ مکان ہے جس میں کوئی متمکن نہ ہو تو نتیجہ یہ ہوا کہ خلا وہ مکان ہے جس میں وہ شے متمکن ہے جو اس میں متمکن نہیں، اور یہ محال و بدحواسی ہے،

بعینہ یہی اُن کے اس کلام پر بھی لازم آئے گا کہ خلا کا یہ جزو فلک کے اس میں حادث ہونے سے منتقل نہیں ہوا، اگر وہ کہیں کہ منتقل ہو گیا تو لامحالہ وہ ایسے مکان میں منتقل ہو گا جس میں اس کے قبل نہ خلاء ہو نہ ملا ہو، لہٰذا لامحالہ بالائے فلک عدم خلا و عدم ملا ثابت ہو گیا، اور یہ اُن کے قول کے خلاف ہے۔

اگر کہیں کہ حدوث فلک کی وجہ سے خلا منتقل نہیں ہوا بلکہ باطل ہو گیا تو بھی یہ لازم آئے گا کہ لامحالہ اس پر مدتیں گزری ہوں، اور جب اس پر مدتیں گزریں تو وہ مبدء کی جانب اپنی ابتدا سے متناہی ہو گیا،

اگر کہیں کہ فلک اس مکان میں پیدا نہیں ہوا جو خلا ہے تو انھوں نے فلک کے لیے ایک دوسرا مکان و حیز ثابت کر دیا جو اُن کے نزدیک خلائے عام کے علاوہ ہے، جب ایسا ہو گا تو لامحالہ دونوں مکان آپس میں ملنے کی وجہ سے متناہی ہوں گے، جب دونوں کے باہم ملنے کی وجہ سے دونوں متناہی ہو گئے تو ان دونوں کو مساحت و پیمائش لازم آئے گی، اور دونوں کی پیمائش کے متناہی ہونے سے دونوں کا متناہی ہونا واجب ہو گا،

نیز ان سے اس خلاء کو بھی دریافت کیا جائے گا جو اُن کے نزدیک ایسا مکان ہے جس میں کوئی متمکن نہیں کہ آیا اس خلاء کا کوئی ایسا مبدء بھی ہے جو فلک اعلیٰ کے اطراف سے ملا ہوا ہو، یا کوئی

ایسا مبدء نہیں ہے؟

اُن کا قول بھی یہی ہے کہ کوئی ایسا مبدء نہیں۔

اس صورت میں اُن کو بتانا چاہیے کہ لفظ "مکان" کے کہنے سے زبان میں وہی مفہوم سمجھا جائے گا جو اس لفظ کا مقصود ہے اور ذہن نشین ہوتا ہے کہ مراد کو سمجھنے سمجھانے کے لیے ذریعۂ تعبیر ہو سکے۔

مفہوم مکان۔ باعتبار زبان۔ یہ ہے کہ وہ ایک ساحت ومیدان ہے۔

ساحت کے لیے مساحت ناگزیر ہے۔

مساحت ذروع (گزوں) سے ہوتی ہے۔

ذروع کے لیے ضروری ہے کہ کوئی مبدء ہو جہاں سے پیمایش آغاز کی جا سکے، اس لیے کہ یہ کمیّت ومقدار ہے، کمیت وہ اعداد ہیں جو آحاد یعنی اکائیوں اور واحدوں سے مرکب ہوں،

ذرع کے لیے اگر واحد، اثنین، ثلاث (ایک، دو، تین) مبدء نہ ہو تو وہ عدد ہی نہ ہوگا، جب عدد نہ ہوا تو ذرع کہاں، اور جب ذرع نہ ہوا تو نہ مساحت ہوگی، نہ وسعت وانفساح (کشادگی) کا دخل ہوگا، نہ مسافت پائی جائے گی۔

ان الفاظ کا محل وقوع یا تو کسی مذروع کے جو گز کے ذریعے ناپا جائے اُس کے ذرع یعنی گز سے ناپنے پر ہے یا کسی ذرع سے مذروع پر، یعنی جو چیز گز سے ناپی گئی ہو اس پر ہے۔

مبدء خلا

اگر وہ کہیں کہ اس (خلا) کا اسی مقام پر مبدء ہے تو لامحالہ اس کا متناہی ہونا بھی لازم آئے گا، کیونکہ جب اُس کا مبدء ہے تو اس کی مساحت بھی ہوگی اور وہ کسی عدد میں محصور بھی ہوگی۔

یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ آیا یہ (خلا) فلک کو مماس (مس کرنے والا) ہے یا مماس نہیں، فلک سے باین (جدا اور دور) ہے یا غیر باین ہے، اگر وہ کہیں کہ نہ تو مماس ہے اور نہ باین ہے، تو یہ امر نہ حس کے نزدیک معقول ہے، نہ نفس میں اِس کی کوئی شکل آ سکتی ہے، اور نہ اس کی

صحت پر کبھی کوئی دلیل قایم ہو سکتی ہے، سوائے اُن اعراض کے کہ جسم میں محمول ہیں اُن کی تو یہ شان ہو سکتی ہے، مگر وہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ خلا عرض ہے، جو کسی جسم میں محمول ہے، لہٰذا جو دعویٰ کہ اُس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو وہ باطل اور مردود ہے۔

اگر وہ مماست یا مباینت (خلا کا فلک کو مس کرنا یا دونوں کا آپس میں دور ہونا) ثابت کریں تو اُن پر اس کا متناہی ہونا ثابت کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ مبدء کے ثابت کرنے سے تناہی لازم آئی تھی، اس لیے کہ تناہی لامحالہ مبدء و مماست و مباینت کے ذکر میں بلاشک داخل ہے و باللہ التوفیق۔

خلا و زمان

نیز اُن سے اُس خلا کو دریافت کیا جائے گا جس کا وہ ذکر کرتے ہیں اور اُس زمان کو پوچھا جائے گا جس کو وہ ثابت کرتے ہیں، کہ آیا یہ دونوں (یعنی خلا و زمان) محمول ہیں (یعنی عرض و صفت ہیں) یا دونوں حامل (یعنی جسم و ذات) ہیں، یا ان میں سے ایک محمول اور دوسرا حامل ہے، یا دونوں نہ حامل ہیں نہ محمول، وہ خواہ کوئی جواب دیں مگر وہ حامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا محمول کوئی اور ہوگا، کیونکہ شے خود ہی اپنی حامل نہیں ہوتی، اس لیے اس کا کوئی محمول ہوگا جو ازلی ہوگا اور وہ غیر زمان ہوگا، اگر وہ اسی کے قائل ہو جائیں تو اُن سے اُن دلائل سے گفتگو کی جائے جو ہم نے اس کے قبل اُن اہل دہر (دہریوں) کے خلاف کی تھی کہ ازلیت عالم کے قائل ہیں۔

مکان

نیز اگر مکان حامل ہے تو لامحالہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں، یا تو وہ حامل ہوگا کسی ایسے جسم کا جو اس میں متمکن ہے، اور یہ اُس مکان کا متناہی ہونا واجب کرے گا، کیونکہ جو جسم اُس میں متمکن ہے اس کا متناہی ہونا بھی واجب ہے، اُن دلائل سے جو ہم نے اس کے قبل اجسام کے محدود و متناہی ہونے کے متعلق بیان کیے ہیں،

اور وہ مکان حامل ہوگا کیفیاتِ جسم کا، اگر وہ حاملِ کیفیاتِ جسم ہوگا تو وہ ہیولیٰ اور اس کے اعراض اور اس کی جنس اور اس کی فصول سے مرکب ہوگا، ہر صاحب حسِ سلیم بالبداہت جانتا ہے کہ مرکب بوجہ جسم و زمان متناہی ہے، اُن دلائل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں، حمل کی اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی،

ان دونوں میں جب وہ کہیں کہ وہ محمول ہے، تو وہ حامل کا مقتضی ہوگا اور برابر سرابر اسی دلیل کا جو ہم نے ابھی بیان کی ہے عکس کردیا جائے گا،

نہیں کہ وہ حامل محمول ہے، تو جب ہم نے ذکر کیا وہ بھی لازم آئے گا اور اس کا عکس بھی،

کہیں کہ وہ نہ حامل ہے نہ محمول، تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ باقی (صاحبِ بقا) ہے، یا خود بقا ہے، اگر وہ باقی ہے تو بقا کا محتاج ہے جو اس کی مدت ہے، کیونکہ بغیر بقا کے کوئی باقی نہیں ہوسکتا، اگر (باقی نہیں بلکہ بقا ہے تو اسے بھی اپنے ساتھ کسی باقی کی ضرورت ہے، اور یہ امور اضافی ونسبی میں سے ہے، مدت تو بقا ہی ہے، جو لامحالہ باقی کی محمول و صفت ہے، نہ اس کے سوا کوئی بات عقل میں آسکتی ہے اور نہ سوائے اس کے اور کسی امر پر کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے۔

مدت اور اضافہ

جس زمان کا وہ ذکر کرتے ہیں اُن سے دریافت کیا جائے کہ آیا جب سے فلک حادث ہوا اُس وقت سے ہمارے زمانے تک اس کی مدت اتصال میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں اگر وہ کہیں کہ اس سے اُس کی مدت میں کچھ اضافہ نہیں ہوا، تو یہ ہٹ دھرمی ہوگی کیونکہ وہ ایسی مدت ہے جو اس کے متصل ہے اور اس کی طرف مضاف ہے اور عدد کا عدد پر اضافہ ہے۔

طول مدت

اگر کہیں کہ اس سے اس کی مدت میں اضافہ ہوگیا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ جب یہ مدت زیادہ طویل ہے تو آیا یہ قبل اضافہ طویل ہے یا اضافہ شامل ہونے کے بعد

طویل ہوئی، اگر کہیں (کہ یہ مدت اُس وقت زیادہ طویل ہے جب کہ) یہ اور اس کے ہمراہ اضافہ وزیادت بھی ہے تو انھوں نے نہایت وعدکو ثابت کر دیا، کیونکہ جس شئے کی نہایت نہیں ہوتی تو اس میں نہ زیادت ہوتی ہے نہ کمی، نہ کوئی شئے اُس کے مساوی ہوتی ہے، نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم، اور نہ خود اس میں کبھی کوئی تفصیل ہوتی ہے، نہ وہ اپنی ذات کے مساوی ہے اور نہ اپنی ذات سے زیادہ اور نہ اپنی ذات سے کم،

اگر کہیں کہ وہ اور اُس کے ساتھ زیادت مل کر بھی اس سے زائد نہیں ہوا جتنا کہ وہ قبل زیادت تھا، تو انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ایک شئے اور اُس کے ساتھ ایک اور شئے مل کر بھی اس شئے سے زیادہ نہیں، جب کہ وہ شئے تنہا تھی، اور یہ باطل ہے،

جنس وفصل سے ترکیب

وہ کہتے ہیں کہ خلا اور زمان مطلق دو جدا گانہ چیزیں ہیں، اُن سے کہا جائے کہ جب اُن دونوں کی یہ حالت ہے تو پھر ان میں سے ایک دوسرے سے جدا کس چیز سے ہوا؟ اگر کہیں کہ کسی چیز سے جدا ہو گیا، تو خواہ وہ جس چیز کو چاہیں بیان کریں، مگر انھوں نے جنس وفصل سے ان دونوں کی ترکیب ثابت کر دی،

اطلاق عدد

ان دونوں (یعنی خلا و زمان مطلق) کے لیے فرق کرنے کے واسطے دو چیزوں کا ذکر کرنا ان لوگوں کا ان دونوں پر عدد کا اطلاق کرنا ہے، حالانکہ عدد جو ہے وہ متناہی محصور ہے، اور ہر محصور پر طبیعت کا حکم چلے گا اور جس پر طبیعت کا حکم چلے گا وہ متناہی ہوگا، لامحالہ

تعالیٰ شانہ

باری تعالیٰ کی شان میں اگر ہمیں وہی الزام دینا چاہیں جیسا ہم نے انھیں اس سوال میں دیا ہے، اور کہیں کہ "کون اکثر ہے؟" آیا باری تعالیٰ تنہا یا باری تعالیٰ مع اپنی مخلوق کے؟ تو ہم کہیں گے کہ برہان ضروری سے یہ سوال ہی فاسد ہے،

اس لیے کہ یہ برہان محض زمان اور جو زمان سے جدا نہ ہو اُس کے اور اجسام نامیہ کے حدوث کے وجوب پر ہے، نہ باری تعالیٰ عدد ہے، نہ بعض عدد، نہ وہ معدود ہے اور نہ بعض معدود، اس لیے کہ "واحد" عدد نہیں ہوتا، جس کی دلیل انشاء اللہ ہم اسی کے متصل باب میں بیان کریں گے۔

واحد حقیقی

واقعہ یہ ہے کہ حقیقی واحد سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں، بس وہی ایک ذات ہے جو قطعاً بے پرواہ ہے اور جو ماسوا میں شامل نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی عدد اُسے ایسی شے کے ساتھ جمع نہیں کر سکتا جو اس کے سوا ہو، اور نہ کوئی صفت، اللہ کے سوا جس شے پر بھی "واحد" کا اطلاق ہوتا ہے وہ مجازی ہوتا ہے، حقیقی نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب اُسے تقسیم کیا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کثیر ہے واحد نہیں ہے

واحد کثیر نہیں

عالم میں عدد کا اطلاق اجسام اور اکائیوں پر ہوتا ہے، لیکن جو حقیقی واحد ہے وہ کبھی کثیر نہیں ہوتا، اور نہ اُس میں کسی وجہ سے بھی کثرت پیدا ہو سکتی ہے، اُس پر کسی وجہ سے بھی عدد کا اطلاق نہیں ہوتا، ورنہ وہ اُس وقت واحد غیر واحد کثیر غیر کثیر ہو جائے گا، جو محال ہے، بے عقلی ہے، ممتنع ہے، اور اس کا کوئی امکان نہیں، یہ قطعاً ناممکن ہے کہ واحد اول اپنے ماسوا کسی شے کی طرف مضاف ہو، نہ عدد میں، نہ کمیت میں، نہ جنس میں، نہ صفت میں، نہ اور کسی معنی میں، و باللہ تعالیٰ التوفیق،

معیت جناب باری

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کرے "مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا" (تین آدمی کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی کہ اللہ اُن میں کا چوتھا نہ ہوتا ہو اور نہ پانچ

آدمی کی کہ وہ اُن میں کا چھٹا نہ ہوتا ہو، اور نہ اس سے کم کی اور نہ اس سے زیادہ کی کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہوتا ہو، وہ جہاں کہیں بھی ہوں)

"رابعھم و سادسھم" کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس نے اُن میں اپنا فعل کیا، اور وہ یہ کہ اُس نے انھیں چار اور چھ اُن کا احاطہ کر کے بنایا نہ کہ اپنی ذات کو اُن میں شامل کر کے، یا یہ معنی ہیں کہ وہ انھیں چار یا چھ ایسی قدرت سے بناتا ہے جس سے اُن کی نگرانی کرتا ہے۔

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت سے مطلب بغیر کسی اختلاف بلکہ بداہت عقل سے ہر سننے والے کے نزدیک یہ ہے کہ "لوگوں کی سرگوشی تک اللہ سے پوشیدہ نہیں"، اور یہی تصریح آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشی کے ذکر سے شروع کیا ہے، مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگوں کی سرگوشی کو جانتا ہے، نہ یہ کہ اُس کی ذات بھی اُن لوگوں کی ذات کے ساتھ شمار میں ہے، اللہ اس سے بری ہے،

یہ محال و ممتنع ہے، اعداد و معدودین کے رتبے سے خارج ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے وقتِ واحد میں تین آدمیوں کے ساتھ ہند میں معدود (و شمار) ہو، تین آدمیوں کے ساتھ سندھ میں، تین آدمیوں کے ساتھ عراق میں، تین آدمیوں کے ساتھ چین میں، اگر ایسا ہوتا تو لامحالہ ہند کے وہ لوگ جن کا وہ چوتھا ہے، چین کے اُن تین آدمیوں کے ساتھ کہ وہ وہاں جن کا چوتھا ہے، یہ سب مل کر آٹھ ہوتے، اس صورت میں اللہ تعالیٰ دو یا زیادہ ہوتے، اور یہ محال ہے، اسی طرح جب وہ اپنی ذات سے اس جگہ پانچ کا چھٹا ہوتا تو یہ چھ ہو جاتے، اور اس جگہ تین کا چوتھا ہوتا تو وہ چار ہو جاتے، اور یہ سب مل کر دس ہوتے، اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ دو ہوتے،

اسی طرح اس آیت میں اُس کا یہ کہنا کہ "الا ھو معھم اینما کانوا"

(مگر وہ اُن کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں)، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے احاطے سے اُن کے ساتھ ہے، نہ کہ اپنی ذات سے، اُس نے اینیت (مقامیت) کو محض لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ اپنی طرف، اس لیے کہ یہ محال ہے کہ وہ بذاتہ دو مکانوں میں ہو، بس ان لوگوں کا اعتراض باطل ہوگیا، الحمد للہ رب العالمین کثیرا!

باری تعالیٰ معدود نہیں

کسی کہنے والے کا "اللہ ورسولہ" کہنا "یا اللہ وعمر" کہنا، ان امور سے نہیں ہے جن سے ہم پر اعتراض کیا جائے، اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے نام کو کسی دوسرے کے نام کے ساتھ ملانے کو منع نہیں کیا ہے، اسم (نام) تو ایک کلمہ ہے، جو حروف ہجاء سے مرکب ہے، ہم نے تو صرف اس کی ذات کو اس کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ شمار کرنے کو منع کیا ہے، اس لیے کہ عدد (و شمار) ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ کسی ایک ہی قضیے میں جمع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی ہرگز کوئی شے جامع نہیں، اللہ عزوجل سے عدد کی نفی کرنا صحیح ہے، اور جب اس سے عدد کی نفی صحیح ہوگئی تو یہ بھی صحیح ہوگیا کہ وہ ہرگز معدود بھی نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

موجودات تحت مقولات

اُن لوگوں سے یہ بھی دریافت کیا جائے گا کہ آیا یہ دونوں اجناس و انواع کے تحت واقع ہیں یا نہیں، وہ مقولات عشر کے تحت بھی واقع ہیں یا نہیں؟ (مقولات عشر میں ایک جوہر ہے اور نو عرض ہیں، کیف، کم، این، متی، اضافت، وضع، فعل، انفعال، ملک) اگر کہیں کہ "وہ نہیں" تو انھوں نے ان دونوں کی قطعاً نفی کردی، اور دونوں کو معدوم کردیا، اس لیے کہ موجودات میں سے کوئی شے ایسی نہیں جو ان مقولات عشر اور اجناس و انواع کے تحت نہ واقع ہو، سوائے حق تعالیٰ اول، واحد، خالق، عزوجل کے جس کا علم ضروری دلائل سے ہوا اور انھیں

دلائل سے اُس کا انواع و اجناس و مقولات عشر سے خارج ہونا واجب ہوا۔
بہر حال وہ چاہیں یا انکار کریں مگر خلا و زمان مطلق جن کا ذکر کیا جاتا ہے اگر وہ موجود ہیں تو لامحالہ وہ جنس کمیت و عدد کے تحت ہوں گے، جب یہ ایسا ہے تو وہ زمان جسے ہم اور وہ دونوں جانتے ہیں، اور وہ زمان جس کا وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، یہ دونوں زمان جنس "متیٰ" کے تحت واقع ہوں گے،
اسی طرح وہ مکان جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور وہ مکان جس کو ہم اور وہ دونوں جانتے ہیں، یہ دونوں جنس "این" کے تحت واقع ہوں گے۔
یہ بھی ضرور واجب ہے کہ ایک جنس کے تحت والی ایک چیز کو جو ایسی چیز لازم ہوگی جس کی وجہ سے وہ اُس جنس کے تحت ہے لامحالہ وہ چیز اُس جنس کے ہر ماتحت کو لازم ہوگی، جب اس میں کوئی شک نہیں ہے تو یہ دونوں مرکب ہوئے اور نہایت و حد بھی ان میں ضرور موجود ہے، اس لیے کہ تمام مقولات ایسے ہی ہیں (یعنی سب متناہی ہیں)

مکان محتاج زمان

جب مکان کے لیے بدیہی طور پر ایسی مدت ضروری ہے جس میں وہ پایا جائے، تو اب ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ آیا یہ مدت وہی زمان ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو، یا وہ مرکب اور ہے؟ اگر یہ مدت وہی زمان ہے تو وہ مکان کا زمان ہوگا، اور وہ مکان میں محمول ہوگا، اور جس طرح زمان والی چیزوں کے لیے زمان ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی ہوگا، کوئی فرق نہ ہوگا،
اگر یہ مدت (وہ زمان نہیں جس کا تم دعویٰ کرتے ہو) کوئی اور ہے تو یہاں ایک تیسرا زمان ہوا جو اُس مکان کی مدت کے علاوہ ہوگا، نیز اُس زمان کے بھی علاوہ ہوگا جس کو ہم اور وہ جانتے ہیں، یہ سب ایسے وسوسے ہیں جن کے دعویٰ کرنے سے ہر وہ شخص نہیں عاجز ہوتا جو

اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیا کہتا ہے، اور نہ وہ رسوائی سے شرماتا ہے،
ان سے کہا جائے گا کہ جب وہ مکان وزمان جن کا تم دعویٰ کرتے ہو، وہ مکان وزمان معہود کے ساتھ ایک جنس اور ایک حد کے تحت واقع نہیں ہیں، تو تم نے ان کا نام مکان وزمان کیوں رکھا، ان دونوں کا کوئی مخصوص و جداگانہ نام کیوں نہ رکھا کہ دور رہتے اور اسمائے مشترکہ کے ساتھ ملانے سے جو تلبیس اور سفسطہ (مغالطہ) پیدا ہو گیا یہ بھی نہ ہوتا۔

اگر یہ دونوں مکان وزمان بھی جن کا تم دعویٰ کرتے ہو مکان وزمان معہود کے ساتھ ایک ہی حد کے تحت ہیں تو پھر کھلم کھلا تمھارا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ یہ زمان ومکان، زمان ومکان معہود کے علاوہ ہیں، وباللہ التوفیق۔

نیز ان سے ان غیر معہود مکان وزمان کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ آیا وہ دونوں فلک کے اندر ہیں یا باہر اگر کہیں کہ اندر ہیں تو پھر خلا ہی ملا بن گیا، اور مکان متمکن (یعنی مکین) کے اندر ہو گیا، اور یہ محال ہے، اور زمان بھی وہ ہو گا کہ اس کے سوا کوئی نہ معلوم ہو گا،

اگر وہ کہیں کہ یہ غیر معہود زمان ومکان فلک کے باہر ہیں، تو انھوں نے فلک کے بیرونی حصے کی طرف سے ان مکان وزمان کی ابتدائی حد ثابت کر دی (حالانکہ وہ انھیں غیر محدود وغیر متناہی مانتے تھے)

اگر وہ کہیں یہ دونوں نہ باہر ہیں نہ اندر ہیں، تو یہ ایسا دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے، اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہذا یہ باطل ہے،

دعوئے بے دلیل

اگر وہ کہیں کہ تم لوگ بھی تو باری تعالیٰ کے بارے میں یہی کہتے ہو (کہ نہ وہ فلک کے اندر ہے نہ فلک کے باہر) تو ہم کہیں گے کہ ہاں، کیونکہ اس کے وجود پر تو برہان قائم ہے، جب اس کا وجود ثابت ہو گیا کہ نہ وہ اندر ہے نہ باہر نہ داخل ہے نہ خارج، تو یہی اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ عالم کی ہر شے کا اس کے خلاف ہونا ضروری ہے، تم لوگ جس خلا و زمان کا دعویٰ کرتے ہو

اُس کی صحت پر تمھارے پاس کوئی برہان ہی نہیں، اس لیے تمھارا کلام محض دعویٰ ہی دعویٰ رہ گیا، وباللہ التوفیق۔

ملحدوں کی بے علمی

ہم نے ان لوگوں کا نہ تو کوئی سوال پایا، نہ کبھی دلیل لائے کہ ہم اسے اُن کی جانب سے پیش کرتے، نہ ہم نے اُن کی کوئی اور ایسی بات پائی جس سے ازلیت خلا ومدت میں فریب دینا ممکن ہو اور جس کو ہم اُن کی جانب سے وارد کرتے، اگرچہ وہ لوگ بیدار نہ ہوتے، یہ محض ایک رائے ہے جس میں انھوں نے قدمائے ملحدین کی پیروی کی ہے اور بس، وباللہ التوفیق،

استدلال بالمحال

وہ خلا جس کا نام انھوں نے مکان مطلق رکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ غیر متناہی ہے، اور ایسا مکان ہے جس میں تمکن (امکین) ہوسکتا ہے، اس میں ایک برہان ضروری ہے جس سے مفر نہیں، اس سے یہ سب باطل ہوجاتا ہے، اُن لوگوں کی دلیل جس سے انھوں نے ملمع کاری کی اور فریب دے کے خلا ثابت کرنا چاہا، یہ ہے کہ "ہم دیکھتے ہیں کہ زمین، پانی، اجسام خاکی، پتھر کی چٹانیں، پارہ اور ان کے مثل چیزوں کا طبعی میلان ہمیشہ اسفل کی طرف ہے، اور انھیں وسط ومرکز کی تلاش ہے، یہ اپنی اس طبیعت کو کبھی ترک نہیں کرتیں، بلند تو ہوتی ہیں مگر ایسی زبردستی سے جو ان پر غالب آجائے، اور ان پر اثر کرے، جیسے ہمارا پانی یا پتھر کو اُٹھانا، جب ہم ان دونوں کو اٹھاتے ہیں تو اٹھ جاتے ہیں، اور جب ہم چھوڑ دیتے ہیں تو یہ دونوں اپنی طبیعت کی طرف اسفل میں پلٹ جاتے ہیں، بلندی کی طرف جانا، مرکز اور وسط سے دور رہنا، یہ ہم آگ اور ہوا کی طبیعت میں پاتے ہیں، یہ دونوں اپنی اس طبیعت کو بغیر کسی جبری حرکت کے جو ان پر غالب آجائے، ترک نہیں کرتے، یہ امر شاہدے سے علانیہ نظر آتا ہے، جیسے ہوا بھری ہوئی مشک اور خول والا برتن پانی میں قائم رہتا ہے، ڈوبتا نہیں، اس لیے کہ ہوا اُسے

روک رہی ہے، جب یہ جبری حرکت زائل ہو جاتی ہے تو یہ دونوں اپنی طبیعی حالت پر لوٹ آتے ہیں،

ہم ایک ایسا برتن پاتے ہیں جس کا نام سارقۃ الماء (نچوڑہ) ہے کہ اس میں پانی اوپر چڑھتا رہتا ہے اور ٹپکتا نہیں، زراقہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی اور پارے اور پانی کو اٹھا لیتا ہے،

جب کنواں کھودتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ ہوا سے بھرا ہے ہوا اس وقت نیچے ہوتی ہے، پچھنے (یا سینگی) کو دیکھتے ہیں کہ جسم خاکی کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

یہ سب دو میں سے ایک ہی وجہ سے ہوتا ہے جس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی، یا بالکل خلا کا نہ ہونا (جیسا کہ خود ہم لوگ کہتے ہیں)، یا اس لیے کہ طبیعتِ خلا ان اجسام کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں جو خلا کو مانتے ہیں،

مگر ہم نے اس کو دعویٰ بلا دلیل پایا، لہٰذا وہ ساقط ہو گیا،

دوبارہ غور کیا تو ہم نے اسے انھیں پر عائد پایا، اس لیے کہ جب اجسام جذب ہو گئے اور کھنچ گئے تو ملا ہو گیا (خلا کہاں رہا)، ملا تو حاضر و موجود ہے، اور خلا کا محض دعویٰ ہے، جس پر کوئی برہان نہیں، لہٰذا ساقط ہو گیا، اور عدم خلا ثابت ہو گیا،

یہ تو مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلا نہیں ہے، نہ ہمیں حس سے معلوم ہو سکتا ہے نہ عقل سے حتیٰ کہ تو ہم بھی اس کا امکان محسوس نہیں کرتا کہ کبھی کوئی ایسا مکان ہو جو متمکن سے خالی ہو، لہٰذا ابدیہی طور پر ملا ثابت ہو گیا اور خلا باطل ہو گیا، اس لیے کہ نہ تو خلا پر کوئی دلیل قائم ہوئی اور نہ وہ کبھی محسوس ہوا، و باللہ التوفیق۔

ہم اُن لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمھارے قول کے مطابق فلک سے باہر خلا ہے تو یا تو یہ اسی خلا کی جنس سے ہوگا جس کو تم بتاتے ہو کہ وہ اپنی طبیعت سے اجسام کو کھینچتا ہے یا کسی دوسری جنس سے ہوگا، ان

دو وجہوں میں سے ایک ضروری ہے، کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی،
اگر وہ کہیں کہ وہ خلا اسی خلا کی جنس سے ہے جو اجسام کو جذب کرتا ہے، (اور یہی ان کا قول ہے) تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ اس خلا کی طبیعت، جو تمام طبائع پر غالب ہے، یہ ہے کہ وہ متمکنات سے اپنی طرف جذب کرتا ہے، ان سے بھر جاتا ہے، یہاں تک کہ قوائے عناصر کو اپنی طبائع سے پھیر دیتا ہے (کہ وہ پستی سے بلندی کی طرف چلی جاتی ہیں) لہٰذا واجب ہو گیا کہ وہ خلا جو بیرون فلک ہے وہ بھی ایسا ہی ہو، کیونکہ اس کی طبیعت اور جنس کی یہی صفت ہے، اس سے بالبداہت یہ لازم آیا کہ اس میں بھی کوئی متمکن ہو، اور یہ ضروری ہے (کیونکہ اس میں بھی جذب اجسام کی قوت ہے) جب یہ ہو گیا، اور اس خلا کی ان کے نزدیک نہایت نہیں ہے، تو اس جسم کی جو اسے بھر رہا ہے کوئی نہایت نہ ہو گی،
ہم پہلے ہی دلائل بدیہیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ ایسے جسم کا وجود ناممکن ہے جس کی نہایت نہ ہو، لہٰذا خلا باطل ہے، نیز اگر ایسا ہو گا تو ملا ہو گا نہ کہ خلا، اور یہ ان کے قول کے خلاف ہے،
اگر وہ کہیں کہ یہ خلا اس خلا کی جنس سے نہیں ہے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اسے کیسے پہچانا اور اس پر استدلال کیا؟ یہ کیسے لازم آیا کہ تم اسے خلا کہو حالانکہ وہ خلا نہیں ہے؟ یہ وہ اعتراض ہے جس سے کوئی مفر نہیں، وباللہ التوفیق،
اس مسئلے میں یہ لوگ اور وہ برابر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "اس عالم سے باہر کے مکان میں کچھ لوگ ہیں جن کی وہ حد (تعریف) نہیں ہے جو حد اس عالم کے لوگوں کی ہے، اور نہ وہ ان لوگوں کے سے ہیں" یا جو یہ کہتے ہیں کہ "بیرون فلک ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو اس آگ کی جنس سے نہیں ہے" حالانکہ یہ سب حماقت و بیہودگی ہے،

کیا مدبر و فاعلِ عالم ایک سے زائد ہیں؟

فلسفۂ مجوس

فاعل و خالق عالم کے ایک سے زائد ماننے والوں کے چند فرقے ہیں، یہ سب فرقے دو فرقوں کی طرف رجوع کرتے ہیں،

ایک فرقے کا مذہب یہ ہے کہ عالم کا مدبر سوائے اللہ کے کوئی اور ہے، سیارات سبعہ کو مدبر اور ازلی مانتے ہیں، اور یہ لوگ مجوس (پارسی) ہیں، متکلمین نے ان سے نقل کیا ہے کہ "جب باری تعالیٰ کی تنہائی دراز ہوگئی تو وہ گھبرانے لگا، گھبرانے میں کوئی بری فکر کی جو مجسم ہوگئی اور ظلمت میں بدل گئی، اس سے اہرمن پیدا ہوا، اور یہی ابلیس ہے، باری تعالیٰ نے اُسے اپنی ذات سے دور رکھنا چاہا مگر قادر نہ ہو سکا تو اس نے نیکیاں پیدا کر کے اُس سے کنارہ کشی اختیار کی، اور اہرمن نے بدی و شر پیدا کرنا شروع کر دیا" اس امر میں بہت سی بدحواسی کی باتیں ہیں،

یہ وہ امر ہے جسے مجوس نہیں جانتے، اُن کا ظاہری قول یہ ہے کہ

باری تعالیٰ تو اورمزد ہے اور ابلیس اہرمن ہے، اور کام مکان ہے، اور جام مکان ہے، اور یہی خلا بھی ہے، اور نوم جوہر ہے، اور یہی ہیولیٰ ہے، اور نیز یہی طینت وخمیر ہے، اور یہ پانچوں ازلی ہیں، اور اہرمن فاعل شر ور ہے اور اورمن فاعل خیرات، اور نوم مفعول ہے جس میں یہ سب (خیر و شر) ہے،

اور ہم نے اس مقالے کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہم نے محمد بن زکریا الرازی طبیب کے کلام کا رد جمع کیا ہے، اس کی کتاب کا نام "العلم الالٰہی" ہے،

مجوس کی روشنی، آگ اور پانی کی تعظیم کرتے ہیں، سوائے اس کے کہ وہ زردشت کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں، اور اپنی شریعت کو زردشت کی طرف منسوب کرتے ہیں،

مزدک کی تعلیم

ان میں ایک فرقہ مزدکیہ ہے، یہ لوگ مزدک کے تبع ہیں جو مجوسیوں میں ایک مذہبی پیشوا گزرا ہے، ایسے پیشواؤں کو ان کی اصطلاح میں "موبد" کہتے ہیں،

اشتراکیت

پیروان فرقہ مزدکیہ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ کمائے، اکتساب کرے، اس میں سب کا حق برابر برابر ہے، یہ لوگ عورتوں میں بھی مساوات کے قائل ہیں، کہ ہوا اور پانی کی طرح عورتیں بھی "ملک مشاع" ہیں، ہر ایک مرد ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،

خرمیہ

بابک خرمی (جو خلیفہ معتصم باللہ العباسی کے ہاتھوں قتل ہوا) مزدک ہی کا ہم عقیدہ تھا، اس کے پیرو (جو اسلام کو مٹا کے ایرانی مجوسی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے) اسی مساوات و اشتراکیت کا عقیدہ رکھتے تھے، خرمیہ بھی فرقہ مزدکیہ کی ایک شاخ ہیں،

اسماعیلیہ فرقۂ اسماعیلیہ جو اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت کا قائل ہے اُن کے مذہب کا راز بھی فرقۂ خرمیۃ ہی کی تعلیم ہے، اور وہیں سے اُنھوں نے اپنے اصول اخذ کیے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو قرامطہ اور بنی عبید اور ان کے عنصر کے قول پر ہیں۔

صابیہ جو کہتے ہیں کہ مدبرِ عالم ایک سے زائد ہیں، انھیں میں "صابی" بھی ہیں، یہ لوگ قدامت اصلین کے قائل ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے مجوس کا قول بیان کیا ہے، کواکب سبعہ کی تعظیم کرتے ہیں، بارہ بروج کے قائل ہیں، اپنے بت خانوں میں ان کی تصویر بناتے ہیں، قربانیاں چڑھاتے ہیں، عود کی دھونی دیتے ہیں، رات دن میں ان کی بھی پانچ نمازیں ہیں جو مسلمانوں کی نمازوں سے ملتی جلتی ہیں، رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں، اپنی نمازیں کعبے اور بیت الحرام کی طرف رخ کرتے ہیں، مکے و کعبے کی تعظیم کرتے ہیں، مُردار اور خون اور سور کے گوشت کو حرام سمجھتے ہیں، اُن رشتہ دار عورتوں کو بھی حرام سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں،

اسی طریقے پر ہندو بھی بت خانوں میں عمل کرتے ہیں، ستاروں کے نام کی تصویریں بناتے ہیں، اور اُن کی تعظیم کرتے ہیں،

عرب میں بتوں کی بنیاد یہی ہوئی اور سودان بھی یہی کرتے ہیں، پہلے تعظیم کی گئی، پھر امتدادِ زمانہ سے نوبت اس کی آئی کہ ان تصاویر کی عبادت کرنے لگے،

صابیوں کا مذہب روئے زمین میں قدیم ترین، اور تمام دنیا پر غالب تھا، یہاں تک کہ اُس میں نئی نئی باتیں ایجاد کرلیں اور اس کے طریقے بدل دیے، اللہ عز وجل نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دین اسلام کے ساتھ جس پر آج ہم لوگ ہیں، اور اس مبارک ملت حنیفہ کی تصحیح کے لیے مبعوث کیا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی ہے، حسبِ تصریح قرآن ان لوگوں نے کہ

تعظیم کواکب و عبادت اصنام ایجاد کر لی تھی اُس کے بطلان کو حضرت ابراہیمؑ نے صاف صاف بیان کیا، اس تبلیغ حق کے سلسلے میں اُن لوگوں کی جانب سے وہ مصائب پیش آئے جن کی تصریح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمائی ہے، وہ لوگ اُس زمانے میں اور اُس کے بعد حنفا کہلاتے تھے، اب بھی اُن میں سے کچھ لوگ حرّان میں باقی ہیں، اگرچہ بہت کم ہیں، بایں ہمہ یہ بھی ایک فرقہ ہے۔

نصاریٰ بھی ایک وجہ سے اس فرقے میں داخل ہیں اور دوسری وجہ سے اس سے خارج ہیں، جس وجہ سے وہ لوگ داخل ہیں وہ اُن کا تثلیث کا قائل ہونا اور یہ کہنا ہے کہ مخلوق کے خالق تین ہیں،

اور جس وجہ سے وہ اُس فرقے سے خارج ہیں وہ یہ ہے کہ صابی اپنی شریعت کو ہرمس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہی ادریس تھے، اور ایک اور جماعت کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں جن کو وہ انبیا بتاتے ہیں، جیسے ایلون (اور کہتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام تھے) اور جیسے اسفلانیوس صاحب الہیکل الموصوف اور عاظیمون اور لوواسف وغیرہم، اور نصاریٰ ان لوگوں کو نہیں پہچانتے، وہ اُس نبی کی نبوت کو مانتے ہیں جو بنی اسرائیل میں سے ہو، ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کا بھی اقرار کرتے ہیں، اسماعیل و صالح و ہود و شعیب کی نبوت کو نہیں مانتے، اور نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کرتے ہیں، صابئین ان میں سے کسی کی بھی نبوت کو قطعاً نہیں مانتے، اسی طرح مجوس بھی سوائے زردشت کے کسی کو نبی نہیں جانتے،

فرقۂ ثانیہ کا مذہب یہ ہے کہ عالم کے مدبرین تو ہیں اور ان کے سوا کوئی (خالق) نہیں ہے، یہ دیصانیہ، مرقونیہ اور مانیہ ہیں، جو اس کے قائل ہیں کہ طبائع اربعہ (عناصر اربعہ) جب کہ وہ بسیط یعنی غیر مرکب تھے ازلی ہیں، پھر امتزاج پیدا ہوا، پھر ان (طبائع) کے امتزاج سے عالم نکلا۔

مانی کا فلسفہ

مانیہ کہتے ہیں کہ اَصلین (دو اصل) ازلی ہیں، اور یہ دونوں نور اور ظلمت (تاریکی و روشنی) ہیں، اور نور و ظلمت زندہ ہیں، یہ دونوں ہر سمت سے غیر متناہی ہیں سوائے اُس سمت کے جس میں دونوں باہم ملتے ہیں، اپنی پانچ سمتوں میں غیر متناہی ہیں، نور و ظلمت دو جسم ہیں،

ان لوگوں نے امتزاج و ترکیب کے جو طریقے بیان کیے ہیں وہ بھی مثل خرافات کے ہیں، اس فلسفے کے قائل پیروان مانی ہیں،

دیصان کا بیان

متکلمین کہتے ہیں کہ دیصان مانی کا شاگرد تھا، یہ غلط ہے، بلکہ دیصان مانی سے پہلے گزرا ہے، اس لیے کہ مانی نے اپنی کتابوں میں دیصان کا ذکر کر کے اُس کو رد کیا ہے، یہ دونوں امور مذکورۂ بالا میں متفق ہیں، سوائے اُس کے کہ مانی کے نزدیک ظلمت زندہ ہے اور دیصان کہتا ہے کہ وہ مردہ ہے۔

مانی کے واقعات

مانی حران کا راہب تھا، اُسی نے یہ دین ایجاد کیا، جس شخص نے اُسے قتل کیا وہ پادشاہ بہرام بن بہرام تھا، واقعہ یہ ہوا کہ پادشاہ کے سامنے قطع نسل اور تعجیلِ فراغ عالم کے مسئلے میں آذر باذ بن مارکسفند موبذ موبذان نے مانی سے مناظرہ کیا کہ "تمھیں تو کہتے ہو کہ نکاح حرام ہے تاکہ عالم جلد فنا ہو جائے، اور ہر شکل اپنی شکل کی طرف لوٹ جائے، اور یہ حق و واجب ہے"

مانی نے اُسے جواب دیا کہ "نسل کو جس میں (نور و ظلمت کا) امتزاج ہے قطع کر کے نور کی اُس کی رہائی میں مدد کرنا واجب ہے"

آذر باذ نے جواب دیا کہ "تب تو یہ حق و واجب ہے کہ سب سے پہلے تمھیں کو وہ رہائی دی جائے جس کی تم دعوت دیتے ہو، اور اس امتزاج مذموم کے باطل کرنے میں تمھاری ہی مدد کی جائے"

مانی لاجواب ہو گیا۔

بہرام نے مانی کے قتل کا حکم دے دیا، وہ اور اس کے ساتھ کی ایک جماعت قتل کر دی گئی،

یہ لوگ قربانی اور ایذائے حیوان کو نامناسب سمجھتے ہیں اور انبیا علیہم السلام میں سے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کسی کو نہیں جانتے، زردشت کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں اور مانی کی نبوت کے بھی قائل ہیں،

فرقۂ مزقونیہ

مزقونیہ بھی یہی کہتے ہیں، اس پر مستزاد یہ قرار دیتے ہیں کہ نور و ظلمت بھی ازلی ہیں، اور ان کے درمیان ایک تیسری چیز بھی ازلی ہے، مگر یہ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ ان اصول (یعنی نور و ظلمت) نے کوئی چیز پیدا نہیں کی جو ان کے علاوہ ہو، البتہ ان کے امتزاج اور ان کے اجزا سے بذریعۂ تغیر و تبدل عالم کی تمام صورتیں پیدا ہو گئیں،

یہ تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ فاعل و خالق ایک سے زائد ہیں، اگرچہ عدد و صفت و کیفیت عقل و احکام شرائع میں ان میں اختلافات ہیں،

ہمارا یہ کلام مختصر ہے جس میں قواعد استدلال و براہین ضروریہ اور ان نتائج کے استیعاب و احاطہ کا قصد ہے جو مقدمات اولیۂ صحیحہ سے پیدا ہوتے ہیں، فضول و لایعنی امور اور ایسی تطویل سے بچنے کا قصد ہے جس کے بغیر بھی کفایت ہو سکتی ہے، اللہ کی مدد سے ہماری کوشش یہی ہو گی کہ براہین ضروریہ سے یہ ثابت کر دیں کہ فاعل قطعاً ایک ہے، نہ کہ ایک سے زائد، ایک سے زائد ہونے کے بطلان کو اچھی طرح واضح کر دیں گے، جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے کر چکے ہیں، اور دلائل بدیہیہ سے واضح کر چکے ہیں کہ عالم حادث ہے جو پہلے نہ تھا، پھر ہوا، اس کا ایجاد کرنے والا مدبر ازلی ہے،

ان لوگوں کی وہ خرافات جو انھوں نے فاعلین کے وصف اور ان کے افعال کی کیفیت کے بارے میں بیان کی ہیں جو مقدمات فاسدہ کی طرف

منسوب ہیں وہ سب ساقط ہوگئیں، کیونکہ صفت تو موصوف ہی کے لیے ہوتی ہے، جب موصوف باطل ہوگیا تو وہ صفت بھی باطل ہوگئی جس سے انھوں نے اس کو موصوف کیا تھا،

رہا ان کے احکام شرعیہ کے جواب میں مشغول ہونا تو ہم اس کے درپے نہ ہوں گے، اس لیے کہ شرائع علمیہ میں کوئی شے ایسی نہیں جس کو عقل ضروری بتائے اور نہ کوئی شے ایسی ہے جس کا عقل انکار کرے، بلکہ یہ سب "باب ممکن" سے ہیں، جب ان شرائع کے حکم دینے والے کے قول پر اور اس کی اطاعت کے وجوب پر دلائل ضرورتیہ قائم ہوجائیں تو حکم دینے والے کے ہر ایک حکم کا قبول کرنا واجب ہے خواہ وہ کیسے ہی اعمال ہوں، ہم کو، ہماری اولاد کو، آباؤ اُمہات کو، چاہے قتل ہی کیوں نہ کرے پھر بھی ہمیں مجال اعتراض نہیں۔

جب ان شرائع کے حکم دینے والے کے قول کی صحت ہی ثابت نہ ہو اور نہ اس کی اطاعت کا وجوب ثابت ہو تو اس کے احکام کی کوئی پروانہ کی جائے گی، خواہ وہ کیسے ہی اعمال ہوں، جو شریعت اس قاعدے کے خلاف ہو وہ باطل ہے، لہذا ہمارا کلام باوجود اس فرق کے جو ہم نے بیان کردیا اس امر کے ثابت کرنے میں کہ فاعل اول واحد ہے نہ کہ زائد، اور ایک سے زائد کے باطل کرنے میں، ہوگیا اور ہر فریب کو جیسے اس کے بعد لائیں گے پارہ پارہ کردے گا، اور اس شخص کو جس کو تھوڑا سا بیان کافی ہو تکلیف سے بچادے گا، اور ہماری توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے،

اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے سب سے پہلے ہم اُن کے ان معتمد دلائل کو لاتے ہیں جن سے انھوں نے فاعل کے ایک سے زائد ثابت کرنے میں فریب کاری کی ہے، پھر ہم اللہ کی مدد و قوت سے دلائل واضحہ سے اس کو توڑیں گے، اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا انشاءاللہ ایسے دلائل سے ثابت کرنا شروع کریں گے جن کا رد کرنا ممکن نہ ہوگا، اور نہ

اُن میں کوئی اعتراض ہو سکے گا، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب کے گزشتہ مضامین میں کیا ہے، والحمد للہ رب العالمین۔

برہان فاسد

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ سب سے معتبر بات جس پر فاعل کے ایک سے زائد ماننے والوں نے اعتماد کیا ہے دو استدلالِ فاسد ہیں، ایک تو وہ ہے جو مانیہ، دیصانیہ، مجوس، صابیہ، مزدقیہ اور ان کے مذہب پر چلنے والوں کا استدلال ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ "ہم سمجھتے ہیں کہ حکیم شر نہیں کرتا اور نہ وہ مخلوق کو پیدا کر کے کسی غیر کو اس پر مسلط کرتا ہے، یہ عیب ہے کہ اپنی چیز پر دوسرے کو مسلط کر دے، ہم تمام عالم کو دو قسموں پر تقسیم پاتے ہیں کہ ان میں سے ہر قسم دوسرے کی ضد ہے، مثلاً خیر و شر، فضیلت و رذیلت، حیات و موت، صدق و کذب، لہٰذا ہمیں معلوم ہوا کہ حکیم تو خیر ہی کرے گا اور وہی کرے گا جس کا کرنا اُس کے لائق ہو گا اور ہمیں معلوم ہوا کہ شرور کا فاعل کوئی دوسرا ہے اور وہ بھی شرور ہی کی طرح شر ہے"۔

استدلال ثانی

یہ اُن لوگوں کا استدلال ہے جو سیارات سبعہ اور بارہ برج کے قائل ہیں، قائلین طبایع اربعہ بھی اسی کے معتقد ہیں، وہ استدلال یہ ہے کہ "ایک فاعل مختلف افعال جب ہی کرے گا جب ان چار میں سے کوئی ایک وجہ ہو،
یا تو وہ مختلف قوی رکھتا ہو،
یا مختلف آلات سے کام لیتا ہو،
یا وہ مستحیل ہو کر (یعنی اپنی ایک حالت کو دوسری حالت سے بدل کر) کرے،
یا وہ مختلف اشیا کے ساتھ شامل ہو کر کرے،
جب یہ تمام وجوہ باطل ہیں، کیونکہ اگر ہم اس کے قائل ہوں گے کہ وہ قوائے مختلفہ سے کام لیتا ہے تو ہم اس پر یہ حکم کریں گے کہ وہ مرکب ہے۔

مرکب ہونے کی صورت میں وہ بھی مفعولات، کا ایک فرد بن جائے گا،

اگر یہ کہیں کہ وہ متخیل ہو کے کرتا ہے تو لازم آئے گا کہ وہ اُس شے سے منفعل اور اثر پذیر ہو جس نے اُسے متخیل کیا، اس سے بھی وہ مفعولات میں داخل ہو جائے گا،

اگر یہ کہیں کہ وہ اشیائے مختلفہ کے ساتھ کرتا ہے تو لازم آئے گا کہ وہ اشیا بھی اُس کے ساتھ ہوں، حالانکہ وہ ازلی ہے، پھر یہ اشیا بھی ازلی ہوں گی، اس طرح نہ وہ عالم کا موجد ہو سکے گا اور نہ اُس کا فاعل، یہ لوگ کہتے ہیں کہ "اسی سے ہم نے یہ جانا کہ بہت سے فاعل ہیں، اگرچہ ایک وہ کرتا ہے جو اس کے موافق ہو"

بنیاد فساد سب سے معتبر بات یہی ہے جس پر منکرین توحید نے اعتماد کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں استدلال محض غلط ہیں، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کرتے ہیں،

یہ استدلال فرقہ ثانیہ کا ہے کہ حکیم سے شر اور عبث (لغو) سرزد نہیں ہوتا، ایسے استدلال کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ علم کہ "یہ شے شر یا عبث ہے" دو وجہ کے سوا اس کی کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی، یا تو تم نے اس بات کو بذریعہ خبر سن کر جانا ہو گا، یا عقل سے پہچانا ہو گا،

اگر تم کہو کہ اسے بطور سماعت جانا، تو کہا جائے گا کہ "آیا سننے کے معنی سوائے اس کے کچھ اور ہیں کہ مخلوق کے پیدا کرنے والے اور اس کے مرتب کرنے والے نے اس شے کا نام شر رکھا اور اس سے بچنے کا حکم دیا، اور اُس شے کا نام خیر رکھا اور اس کے کرنے کا حکم دیا، اس کے جواب میں" ہاں ہی کہنا پڑے گا، جب ایسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ ذات جس کا کوئی موجد نہ ہو، نہ اس کا کوئی مدبر ہو، نہ اس پر کوئی حاکم ہو، اس کا کوئی فعل شر نہیں ہوتا، کیونکہ شر کے شر ہونے کا سبب تو یہی خبر دینا ہے کہ وہ شر ہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ایسا مخبر نہیں ہے جس کی طاعت واجب ہو،

اگر کوئی کہے کہ وہ ایسا کام کیوں کرے گا جس کے شر ہونے کی اس نے خود خبر دی، تو اس سے کہا جائے گا کہ جیسا کہ مشاہدے میں ہے جسم سوائے حرکت و سکون کے کچھ نہیں کرتا۔ اس بارے میں کہ حرکت انتقال مکانی ہوتی ہے سب حرکت ایک ہی جنس کی ہے، اسی طرح تمام سکون بھی جنس واحد ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف یہی کیا کہ اس نے ہمیں بعض اشیا کے کرنے کا حکم دیا اور بعض کے کرنے سے منع کیا، اس نے خود کوئی حرکت اس طور پر کبھی نہیں کی کہ وہ اس کے ساتھ متحرک ہوتا، اور نہ کوئی سکون اس طور پر کیا کہ وہ اس کے ساتھ ساکن ہوتا، اس نے تو حرکت و سکون کو بطور ایجاد کے کیا،

ہم ایسی حرکت کے ساتھ متحرک ہوئے جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا، یا ایسے سکون کے ساتھ سکون کیا جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا، یہی شر ہے (یعنی ایجادِ حرکت و سکون شر نہیں، بلکہ ارتکابِ حرکت و سکونِ ممنوع شر ہے)، اسی طرح نفس کا وہ اعتقاد بھی شر ہے جس سے منع کیا گیا ہے، یہ تمام وہ امور ہیں جن کا موصوف باری تعالیٰ نہیں ہے۔

اگر کہیں کہ ہمیں خیر و شر کا علم سننے سے نہیں بلکہ عقل کے ادراک سے ہوا، تو بتوفیقِ الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ کیا عقل قوائے نفس میں سے ایک قوت نہیں ہے جو درحقیقت یا تو کیفیت کے تحت داخل ہے یا ایسے شخص کے قول کی بنا جس کو عقل نہیں ہے، جوہر کے تحت ہے، بہر حال "ہاں" کے سوا چارہ نہیں، پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ عقل تو محض اپنی ہی جیسی چیز کی کیفیات میں موثر ہوتی ہے، وہ ان (کیفیات) کے خطا و صواب میں تمیز کرتی ہے، ان کے احوال و مراتب کو پہچانتی ہے لیکن اس چیز میں جو عقل سے بالاتر ہے، یا اس چیز میں جس میں عقل برابر معدوم رہی، یا عقل کے بنانے والے یا اس کے ترتیب دینے والے میں جیسا کہ وہ ہے، ان سب میں تو عقل کی کوئی تاثیر نہیں، کیونکہ اگر عقل اس میں بھی موثر ہوگی تو وہ حادث ہو جائے گا، جیسا کہ ہم پہلے

بیان کر چکے ہیں، اثر باب اضافت سے ہے جو موثر کو چاہتا ہے، اب یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ عقل کا منفعل ہو جائے گا، اور عقل اس میں فاعل اور اُس پر حاکم ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

اسی کتاب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی شے کسی وجہ سے بھی باری تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے، اور نہ وہی کسی معنی یا حکم میں اپنی مخلوق کا قائم مقام ہے، ہم نے اس شخص کے قول کا ابطال بھی ذکر کیا ہے جو بطور استدلال کے باری تعالیٰ کے نام پر حی، یا حکیم، یا قادر، یا اس کی صفات میں سے اور کسی صفت پر نام رکھنے کوشش کرتا ہے، (کہ یہ صفات خالق کے حق میں حقیقی ہیں اور مخلوق کے حق میں مجازی، یعنی جب مخلوق کو مثلاً حی کہا جائے تو اس کے اور معنی ہیں، اور خالق کو حی کہا جائے تو اس کے اور معنی ہیں، یہاں محض اشتراک لفظی ہے، نہ کہ معنوی، اس لیے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آئی)۔

البتہ چار اسماء مخصوص ہیں، یعنی اوّل، واحد، حق، اور خالق، فقط یہی ایسے نام ہیں کہ عالم میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی ان کا مستحق نہیں، کیونکہ علی الاطلاق سوائے اُس کے ہرگز کوئی اول نہیں، نہ سوائے اس کے ہرگز کوئی واحد ہے، نہ سوائے اُس کے ہرگز کوئی خالق ہے، اور نہ سوائے اُس کے علی الاطلاق ہرگز کوئی حق ہے،

ہر وہ شے جو اللہ کے سوا ہے وہ باری تعالیٰ کی وجہ سے حق ہے، کیونکہ اگر باری تعالیٰ نہ ہوتا تو کوئی شے عالم میں حق نہ ہوتی، اور ہر وہ شے جو باری تعالیٰ کے ماسوا ہے وہ محض اضافی طور پر حق ہے، اگر سچی خبر کے طور پر اللہ کے نام کانوں میں نہ پڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی نام رکھنا جائز نہ ہوتا، لیکن ہم نے اسی کتاب میں اُسی کے مقام پر بیان کیا ہے کہ کس چیز پر اس کا نام خبر و سماع کے مطابق ہے، اُن اسمائے حسنیٰ سے سوائے اللہ کے کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا، اور نہ

اُن سے بجز اُس کے کسی اور کی طرف ذہن رجوع ہوتا ہے،
وہ دلیل جس میں اُنھوں نے باری تعالیٰ کا نام رکھا اور اُس دلیل کو اُس پر جاری کیا یہ اقناعی ہے (یعنی نفس کو قناعت ہوجاتی ہے اور دوسری جانب کا احتمال منقطع نہیں ہوتا) اور شبغبی و فریبی ہے، اس میں خالق کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ ہے، ان لوگوں کا اُسے مخلوق سے تشبیہ دینا، اُس پر حدوث کا حکم لگانا، اور فاعل کو مفعول بنانا ہے، حالانکہ ہم اس کے قبل اس کا ابطال بیان کر چکے ہیں،
ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اگر تم نے یہ مان لیا ہے کہ فاعل جو ہمارے نزدیک ہے وہ عابث (بے فائدہ کام کرنے والا) ہوگا اس سے تم نے یہ ثابت کر دیا کہ فاعل عالم واحد ہے، ہمیں معلوم ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کہ کسی شے کا تارک (جو اُس میں تغیر نہ کرے، حالانکہ وہ اُس کے تغیر کرنے پر قادر ہے) وہ عابث و ظالم ہے تمھارے نزدیک جو فاعل خیرات ہے اس سے خالی نہیں کہ وہ اس (شر) کی تغییر پر اور اُس سے روکنے پر قادر ہے، اس نے تغییر نہیں کیا تو وہ لامحالہ تمھارے نزدیک عابث ہوگیا، تم اسی میں جا پڑے جس سے بھاگتے تھے،
اگر تم کہو کہ نہ وہ اُس (شر) کی تغییر پر قادر ہے اور نہ اس سے روکنے پر، تو بلاشک وہ عاجز و ضعیف ہے، اور یہ تمھارے نزدیک بری صفت ہے، اس استدلال کی وجہ سے تم نے یہ قول کیوں نہ ترک کر دیا کہ وہ ایک سے زائد ہے، کیونکہ تمھارے اصول و مقدمات کی بنا پر یہ زیادہ صحیح ہے، اور ہمارے نزدیک تو تمھارا مقدمہ اُسی دلیل سے فاسد ہے، جو ہم نے بیان کی،

نور و ظلمت

مانیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نور علو میں غیر متناہی مقام تک ہے، اور ظلمت سفل میں غیر متناہی مقام تک ہے، ان میں سے ہر ایک اس جہت سے متناہی المساحۃ (محدود) ہے

جس جہت سے ایک دوسرے سے ملتا ہے، بقیہ پانچ جہات میں غیر تمناہی ہے، لذت نور کے لیے مخصوص ہے ظلمت کے لیے نہیں ہے، اذیت ظلمت کے لیے مخصوص ہے نور کے لیے نہیں ہے،

بلندی و پستی

پانچ جہات میں غیر تمناہی ہونے کا قول تو انھیں دلائل سے فاسد ہے جن سے ہم نے جسم عالم کا تمناہی ہونا ثابت کیا ہے، علو و سفل کے متعلق جو قول ہے اس کا فساد بھی ظاہر ہے، اس لیے کہ سفل بھی اضافت و نسبت سے ہوتا ہے اور علو بھی،

ہر علو اپنے سے بلند کے اعتبار سے سفل ہے، یہاں تک کہ وہ اس سطح بالا تک پہنچ جائے، جس کے اوپر کوئی سطح نہیں حالانکہ وہ اس کا اقرار نہیں کرتے،

ہر سفل اپنے سے پست کے اعتبار سے علو ہے، یہاں تک کہ وہ مرکز تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ اس کا اقرار نہیں کرتے، لہذا ان کے قول کی بنا پر یہ ثابت ہو گیا کہ ظلمت میں علو ہے اور نور میں سفل،

لذت و اذیت

اُن کا قول لذت و اذیت کے بارے میں بھی بالکل فاسد ہے، کیونکہ لذت بھی اضافی ہے اور اذیت بھی، انسان کو اس چیز میں لذت نہیں آتی جس میں گدھے کو لذت آتی ہے، اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے، انسان کو اس چیز سے اذیت ہوتی ہے جس سے سانپ کو نہیں ہوتی، لہذا یقیناً ان لوگوں کی ہوس باطل ہو گئی، والحمد للہ رب العالمین،

مانیوں کا مانیا

مانیہ پر ایک سوال ہے جو ان کے قول کو بفضلہ تعالیٰ مٹا دینے والا ہے، اور وہ یہ کہ ان سے کہا جائے کہ آیا ان اجساد کے نفس (روحیں) ہیں یا نہیں، اگر کہیں کہ نہیں ہیں تو ان سے کہا جائے کہ تمہارے اصول کی بنا پر یہ اجساد (اجسام) اس سے خالی نہیں کہ (۱) یا تو ان میں سے ہر جسد میں نور بھی ہے اور

ظلمت بھی ہے، یا یہ کہ (۲) بعض اجساد میں محض نور ہے، اور (۳) بعض میں محض ظلمت، اگر وہ کہیں کہ ہر جسد میں نور بھی ہے اور ظلمت بھی ہے، تو ان سے کہا جائے کہ جو جسد ظلمت سے ہے آیا اس سے فعل خیر ممکن ہے؟ لامحالہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، کیونکہ اگر جسد ظلمانی فعل خیر کرے گا تو وہ نور کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور اسی طرح جو نور سے ہے اس سے فعل شر ناممکن ہے، اس لیے کہ وہ ظلمت ہو جائے گا، اس حالت میں تمھاری دعوت خیر اور نکاح وقتل سے منع کرنے کا کیا فائدہ۔

ذرا ہمیں بتاؤ تو کہ تم ان سب کی طرف کس کو دعوت دیتے ہو، اگر تم نور کو دعوت دیتے ہو تو وہ (خیر) تو اس کی طبیعت ہی ہے، اور وہ تمھاری دعوت کے پہلے ہی سے اپنی طبیعت سے فاعل خیر ہے، اس کو اس سے بدلنا ممکن نہیں، اسے ایسی چیز کی طرف بلانا جس کو وہ خود کرتا ہے، اور ایسی چیز کو منع کرنا جس کو وہ خود نہیں کرتا، نور کے لیے عبث ہے، اور امر محال کی دعوت دینا ہے، اور یہ تمھارے اصول کے خلاف ہے،

اگر تم ظلمت کو دعوت دیتے ہو تو یہ بھی عبث ہے کیونکہ اسے اپنی طبیعت کا ترک کرنا ممکن نہیں،

اگر وہ کہیں کہ بعض اجساد نور محض ہیں اور بعض ظلمت محض، تو اسی طرح ان کے قول کو فاسد کیا جائے، اور اگر وہ ارواح کا اقرار کریں تو ان سے اسی طرح ارواح کے بارے میں بھی سوال کیا جائے،

ان لوگوں سے متعلق سوال کیا جائے جن کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نکاح کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، پھر ان سب باتوں سے توبہ کر لیتے ہیں، کہ یہ قاتل و ظالم کون ہیں، آیا نور ہیں یا ظلمت ہیں، اور توبہ کرنے والے کون ہیں، آیا نور یا ظلمت، وہ جو بھی کہیں، ان کا مذہب منہدم ہو جائے گا، وہ استحالہ بھی جائز کر رہے ہیں،

(یعنی ایک حالت کا دوسری حالت سے بدل جانا)۔

اگر وہ کہیں کہ ہم ان میں سے جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں ہماری دعوت کے محض یہ معنی ہیں کہ نور کو اس پر برانگیختہ کریں کہ وہ ظلمت کو ان امور سے منع کرے۔

ان سے کہا جائے کہ آیا تمھاری دعوت سے پہلے بھی نور ظلمت کے روکنے پر قادر تھا یا نہیں،

اگر وہ کہیں کہ قادر تھا، تو نور نے ظلمت کو منع کرنا ترک کر کے بڑا ظلم کیا، حالانکہ وہ تمھاری دعوت سے پہلے بھی اس کے روکنے پر قادر تھا،

اگر تم کہو کہ نور کو یاد ہی نہیں آیا جب تک اسے تنبیہ نہیں کیا گیا تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ تو نور کا نقص اور جہل ہوا، اور تمھارے قول کے مطابق صفات شر نور کے لائق نہیں،

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے،

نیز ان سے کہا جائے کہ تم میں جو اپنے دین کی دعوت دیتا ہے وہ جس کو دعوت دیتا ہے اس سے یہ نہیں کہتا کہ تم دوسرے کو بھی ظلم سے روکو، صرف یہ کہتا ہے کہ تم اپنے ظلم سے باز رہو اور اپنی گمراہی سے واپس آجاؤ، تم نے بہت اچھا کیا کہ باطل سے حق کی طرف رجوع کر لیا، اگر تم یہ حکم دیتے ہو کہ وہ اس ظلمت کو خطاب کرے تو اس کا حکم دینے والا کاذب اور کذب کا حکم دینے والا ہے، اگر تم حکم دیتے ہو کہ وہ اس نور کو خطاب کرے، تو بھی اس کا حکم دینے والا کاذب اور کذب کا حکم دینے والا ہے۔

دعوت خیر

اگر وہ لوگ ہم سے سوال کریں کہ پھر تم لوگوں کی دعوت خیر کے کیا معنی ہیں، حالانکہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، وہ بھی جو اللہ کو جانتا ہے اور وہ بھی جو اللہ کو نہیں جانتا۔

اُن سے کہا جائے گا کہ ہمارے بعض متکلمین کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کو خیر کی دعوت دی جاتی ہے اُس سے خیر کا واقع ہونا بھی ممکن ہے، اور فعل شر بھی اُس سے ممکن ہے، ان میں سے ہر چیز کا اس سے گمان کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ہمارا اُسے خیر کی دعوت دینا معروف و مناسب ہے، اللہ تعالیٰ کا علم اجبار نہیں ہے (یعنی وہ کسی کو شر پر مجبور نہیں کرتا) صرف وہ یہ جانتا ہے کہ بندہ کیا اختیار کرے گا۔

بعض متکلمین کا جواب یہ ہے، عالم میں مخلوق کا جو فعل یا ایجاد ظاہر ہوتی ہے اُس کا فاعل اللہ عز و جل ہے، جس کی کوئی گرفت نہیں ہوسکتی، ہم جس کو دعوت دیتے ہیں ہماری دعوت کا خالق وہی ہوتا ہے، جب یہ ایسا ہے تو خالق سے اُس کی مشیت کے متعلق سوال جائز نہیں کہ "آپ نے یہ کیوں کیا؟" ہم اسی جواب کو اختیار کرتے ہیں،

ان لوگوں سے یہ بھی کہا جائے کہ ہمیں بتاؤ کہ مانی، مسیح، زردشت، اور جن کی تم لوگ تعظیم کرتے ہو، آیا ان میں ظلمت بھی تھی، یا یہ لوگ محض نور ہی نور تھے؟ اگر وہ کہیں کہ لامحالہ ان میں ظلمت بھی تھی، کیونکہ وہ لوگ قضائے حاجت کرتے تھے، پریشان ہوتے تھے، اور رنجیدہ ہوجاتے تھے، تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر وہ نور جو تمہارے اندر ہے وہ اس قسم کے کاموں سے کیوں عاجز رہا (جیسے کام یہ لوگ کرتے تھے) اگر وہ کہیں کہ اُس نور کی قلت کی وجہ سے، تو اُن سے کہا جائے گا کہ اُس پر واجب تھا کہ وہ بھی اپنی مقدار کے مطابق معجزات لائے اگرچہ وہ قلیل ہی ہوتے، یہ وہ اعتراض ہے جس سے انھیں قطعاً کوئی مفر نہیں،

یہ بھی کہا جائے گا کہ تمہارا ترک نکاح کو لازم کرنا کہ نسل منقطع ہوجائے عجائب میں سے ہے، شاید تم خود اس پر قادر بھی ہوجاؤ، تو وحش و طیر اور بقیہ بری جانور اور حشرات اور آبی اور دریائی جانوروں کو کیا کروگے جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں، اور اُن کا قتل انسان کے

قتل سے زیادہ شدید اور بہت زیادہ ہے، ان کے تناسل کے منقطع کرنے کی، اور اُن کے امتزاج سے فارغ کرنے کی کیا صورت ہے، یہ وہ صورت ہے جس کی تمھیں قطعی کوئی گنجایش نہیں،

اگر نور ظلمت کو منقطع کرنے سے عاجز ہے تو اس کے اجزا کو ابد تک کبھی رہائی نہیں ہوسکتی،

اگر وہ اس پر قادر ہے تو پھر اپنے اجزا کی رہائی میں عجلت کیوں نہیں کرتا، اور وہ انھیں ظلمات میں کیوں بھٹکنے دیتا ہے،

قتل سے منع کرنا بھی عجیب تر شئے ہے، یہ اُن کی طرف سے بقائے مزاج اور منع خلاص (یعنی نور کی ظلمت سے رہائی کو روکنے) پر اور نور کو رہائی دلانے اور قطع مزاج پر مدد ہے، یہ ان لوگوں کا کھلا ہوا تناقض ہے جس میں کوئی پردہ نہیں، اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے،

تمام دلایل جو ہم نے حدوث عالم اور اشخاص و اجسام عالم اور اس کے زمانوں کے متناہی ہونے کے وجوب پر پہلے بیان کیے ہیں وہ مانیہ کے اصول کی بنا پر ہر دو اصل یعنی نور و ظلمت پر بھی لازم ہیں، اور ہر اس شخص پر بھی لازم ہیں جو یہ کہے کہ فاعل ایک سے زاید ہیں، اور وہ اپنے دوسرے شریک کار کے ساتھ ازلی ہے، و باللہ تعالیٰ التوفیق،

استدلال ثانی جس میں انھوں نے فاعل کے افعال مختلفہ کے اقسام پر اعتبار کیا ہے، وہ بھی استدلال فاسد ہے، اس لیے کہ انھوں نے اس میں محض انھیں اقسام پر اعتماد کیا ہے جو عالم میں موجود ہیں، حدوث عالم پر عالم کا پیدا کرنے والا کسی شئے کے بھی مشابہ نہیں، ضروری دلایل کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ اسے اقسام عالم میں سے کسی کے تحت داخل کیا جائے، اشیائے مختلفہ و متفقہ کو وہی اپنے اختیار سے جب چاہتا ہے بناتا ہے، ان میں سے کسی کی کوئی علت نہیں ہوتی، کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو طبیعت میں

محصور ہو وہ متناہی ہے اور متناہی حادث ہے، جیسا کہ ہم اس کے صاحب قویٰ، یا فاعل بذریعۂ آلات، یا فاعل بذریعۂ استحالہ، یا فاعل مع اشیا ہونے میں پہلے بیان کر چکے ہیں، ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حادث ہو، اللہ اس سے برتر ہے، ازلی ہے، اور قدیم ہے، لہذا یہ ضروری ٹھیرا کہ باری تعالیٰ مختار ہے کہ وہ بغیر کسی علت کے جو اس پر کوئی فعل واجب کرے، اور اپنے سوا بغیر کسی اور قوت کے مختلف و متفق اشیا میں سے جو چاہے پیدا کرے، وباللہ التوفیق،

وہ تمام دلایل ضروریہ جو ہم نے عالم کے ازلی کہنے والوں پر لازم کیے ہیں، وہی دلایل مانیہ، دیصانیہ، مرقونیہ اور جو لوگ طبائع و ہیولیٰ کی ازلیت کے قایل ہیں، سب پر لازم ہیں، اس لیے کہ ان سب کے نزدیک عالم سوائے ان اصول کے کوئی چیز نہیں جو ان کے نزدیک ازلی ہیں، ان کے نزدیک صرف صورت حادث ہے، جو انھیں اصول میں پیدا ہو گئی ہے۔

ان پر ہر دو اصل (یعنی نور و ظلمت) کے متناہی ہونے کا قول بھی لازم ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں جسم ہیں اور جسم ان دو دلایل کی وجہ سے بدیہی طور پر حادث ہے، جو ہم بیان کرتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہر جرم (جسم) اس سے خالی نہیں کہ یا تو وہ متحرک ہوگا یا ساکن، اگر متحرک ہوگا تو ہم جانتے ہیں کہ وہ مسافت جو غیر متناہی ہے وہ اسے ہرگز قطع نہ کر سکے گا، نہ زمانۂ متناہی میں، نہ زمانۂ غیر متناہی میں،

اس سے خالی نہیں کہ اس کی حرکت یا تو گولائی میں ہوگی یا شش جہات میں سے کسی ایک جہت کی طرف، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں، اگر وہ گولائی میں متحرک ہے اور غیر متناہی ہے، تو یہ محال ہے، اس لیے کہ اس وقت وہ دونوں خط جو وسط سے نکل کر مشرق اور علو کی طرف جاتے ہیں غیر متناہی ہوں گے، واجب ہوگا کہ

اُس خط کا وہ جزو جو سمت مشرق میں ہے اُس خط کے اس جزو تک جو علو کی طرف ہے اور جو سمت الراس ہے کبھی نہ پہنچے،
اس بنا پر حرکت باطل ہو گئی، اور یہ متحرک غیر متحرک ہوا مشاہدے سے یہ محال بھی ہے، اس وجہ سے کہ فلک کلی کا ہر جزو چوبیس گھنٹے میں اپنی تمام مسافت قطع کر لیتا ہے، اور جہاں سے حرکت شروع کرتا ہے وہیں واپس آجاتا ہے،
اگر وہ (جسم بجائے گولائی کے) کسی جہت کی طرف متحرک ہے تو یہ بھی محال ہے، اس لیے کہ حرکت تو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں، جب یہ جسم ایسا مکان پا لے گا جس میں منتقل ہو جائے، اور اس سے پہلے اس مکان میں نہ تھا، تو بالبداہت اس جسم کا متناہی ہونا ثابت ہو گیا، اس لیے کہ اس کے وجود کا اس مکان میں نہ ہونا جس کی طرف وہ منتقل ہوا قبلِ انتقال اُس (وجود) کے وہاں سے منقطع ہونے کا موجب ہے، اگر وہ برابر اسی مکان میں رہا جس کی طرف منتقل ہوا اور اسی طرح اس کے بعد والے مکانات میں بھی برابر رہا تو وہ برابر غیر منتقل رہا، حالانکہ تم نے کہا تھا کہ وہ برابر منتقل رہا، اس وقت وہ متحرک غیر متحرک ہو گیا، اور یہ محال ہے۔
اگر تم کہو کہ وہ جسم ساکن ہے، تو ہم کہیں گے کہ وہمی طور پر اس جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹو، جب انھوں نے اس کا وہم کر لیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جسم کب بڑا تھا، آیا یہ ٹکڑا کاٹنے سے قبل یا کاٹنے کے بعد، وہ جو بھی کہیں، خواہ یہی کہیں کہ وہ قبل اس کے کہ اس کا کوئی ٹکڑا کاٹا جائے اپنی ذات کے مساوی تھا، تو انھوں نے نہایت ثابت کر دی، کیونکہ کثرت و قلت و مساوات کا اطلاق متناہی پر ہوتا ہے۔
مکان و جسم اُن اشیا میں سے ہیں جو عدد کے تحت واقع ہوتے ہیں، جیسا کہ زمان بھی عدد کے تحت واقع ہوتا ہے، وہ تمام دلایل جو از روئے عدد زمان کے متناہی ہونے کے متعلق ہم نے

۴۴

پہلے بیان کیے ہیں وہ مکان و جسم کے متناہی ہونے کے لیے بھی ازروئے عدد بطور مساحت کے لازم ہیں، وباللہ التوفیق،

وہ الزام جو ہم نے اُن لوگوں کو دیا ہے جو اجسام کو ازلی کہتے ہیں بعینہ وہی الزام اُن لوگوں کے لیے بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کواکب سبعہ اور دوازدہ بروج ازلی ہیں، اس لیے کہ وہ بھی اجسام ہیں، جو اقسام فلک و حرکت فلک کے تحت جاری ہیں،

وہیں غور کرو جہاں ہم نے حدوث اجسام و ازمان کو لازماً ثابت کیا ہے وہی ان سب کو بھی لازم ہے،

ہم نے ان لوگوں کے اقوال کے فروع میں مثلاً مزاج و خلاص و صفات نور و ظلمت کے بارے میں ان الزامات کو ترک کردیا ہے جو حدوث اجسام کے متعلق ہیں، کیونکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ فاعل کے ایک سے زائد ہونے کے بارے میں مذاہبِ فاسدہ کے اصول کا قلع قمع کردیں، (اس لیے ہم فروع کی طرف توجہ نہیں کرتے)

ہم نے اپنے بیان کی بنیاد اثبات واحد پر رکھی ہے، کیونکہ جب براہین ضروریہ سے یہ ثابت ہو جائے گا تو اُن کے فاسد اصول خود بخود باطل ہو جائیں گے، باوجود ان ضروری امور کے استیعاب (اور پورے پورے بیان کرنے) کے جن کی ضرورت پڑتی ہے، ہم نے اللہ کی مدد و قوت سے اختصار ہی کو ملحوظ رکھا ہے،

وہ لوگ جنھوں نے ایک سے زائد کو فاعل (خالق) بنایا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے ان فاعلین کو عالم کے سوا بتایا ہے جیسے مجوس، صابئین، مرقونیہ اور قائلین تثلیث نصاریٰ، ان سب پر وہ دلائل ضروریہ (بحول اللہ وقوتہ) قائم ہوتے ہیں، جو انشاء اللہ ہم لانے والے ہیں،

جو ایک سے زائد ہے وہ جنس عدد کے تحت واقع ہے، اور جو شے جنس عدد کے تحت واقع ہے وہ انواع عدد کی ایک

نوع ہے، نوع مرکب ہے اپنی جنس سے جو اس کو بھی شامل ہے اور اس کے غیر کو بھی، اور فصل سے جو اس کے لیے خالص ہے اور اس کے غیر میں نہیں ہے، اُس کے لیے ایک موضوع ہے اور وہ وہ جنس ہے جو اس نوع کی اور ان دوسرے انواع کی صورت قبول کرنے والی ہے، جو انواع اسی جنس کے ہیں، ایک محمول بھی ہے اور وہ وہ صورت ہے جس نے اُسے اس کے غیر سے ممتاز و مخصوص کر دیا ہے، بس وہ صاحب موضوع و صاحب محمول ہوا، اور اپنی جنس اور اپنی فصل سے مرکب ہوا، مُرَکَّبْ یعنی ترکیب دیا ہوا مُرَکِّبْ یعنی ترکیب دینے والے کے ساتھ ہے کیونکہ یہ امور اضافی میں ہے، اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے، مرکب (بالفتح) اپنے مرکب ہونے کے وقت مرکِّب (بالکسر) کے وجود کو چاہتا ہے، اور اسی وقت اس کا نام مرکب ہوتا ہے نہ اس کے قبل، اور واحد عدد ہی نہیں جیسا کہ ہم عنقریب اس کو بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بتوفیق جناب باری، اس باب میں جو باتیں کہنے کی تھیں سب ختم ہوگئیں۔

توحید جناب باری

فاعل عالم کے واحد نہ ہونے کے خلاف دلیل یہ ہے کہ عالم اگر دو یا زیادہ کا بنایا ہوا ہے تو وہ دونوں خالق یا تو مشابہ ہیں یا مختلف۔ وہ جو بھی کہیں انھوں نے دونوں میں یا ایک میں ایسے معنی ثابت کر دیے جن کی وجہ سے وہ دونوں مشابہ ہوئے یا مختلف۔ اگر وہ اس کی نفی کریں۔ تو ایک ہی ساتھ اختلاف و اشتباہ کی نفی کریں گے۔ حالانکہ

(اختلاف واشتباہ) دونوں کا بالکل مرتفع ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ محال وموجب عدم ہے ایسی دو چیزوں کا وجود محال ہے جو نہ تو کسی شے میں مشابہ ہوں اور نہ کسی وجہ سے مختلف ہوں۔ کیونکہ اس میں دونوں کا عدم لازم آئے گا۔ اس لیے کہ یہ صفت معدوم ہے تو جو اس کا حامل ہوگا وہ بھی معدوم ہوگا۔ حالانکہ انھوں نے اس کا وجود ثابت کیا تھا۔ اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ وقت واحد میں وجہ واحد سے موجود معدوم ہوئے اور یہ محال ہے۔ انھوں نے جب دونوں خالقوں کو موجود ازلی مان لیا تو ان دونوں کے لیے ایسے معانی بھی مان لیے جن میں یہ دونوں مشابہ ہوں۔ وہ معانی ان دونوں کا وجود میں مشابہ ہونا۔ فعل میں مشابہ ہونا۔ اور ازلی ہونے میں مشابہ ہونا ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ اشیا ان کی غیر ہوں۔ کیونکہ یہ تو وہ صفات ہیں جو ان دونوں کو شامل ہیں۔ یعنی ان دونوں کا اشتباہ معانی مذکورہ میں ہے۔ اگر ان دونوں کا اشتباہ وہ خود ہی ہوں تو وہ شے واحد ہوئے۔

اسی طرح دونوں کے مختلف ہونے میں بھی لازم آئے گا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دوسرے ساتھی کا غیر ہے۔ ان میں جو اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اگر خود ان کے علاوہ ہے تو یہ ایک تیسری چیز ہوئی۔ اور یہی طرح ہوتی جائے گی (یعنی چوتھی، پانچویں، وغیرہا) اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے عنقریب ہم انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

اگر تغایر ہی وہ دونوں ہوں۔ اور اشتباہ ہی وہ دونوں ہوں۔ تو تغایر ہی اشتباہ ہو جائے گا، اور یہ بالکل محال ہے۔ کیونکہ تغایر میں ایسے معنی موجود ہونا ضروری ہیں جو اشتباہ میں نہ ہوں۔ اس لیے کہ تغایر کے ساتھ دو چیزوں کا مشابہ ہونا ممکن نہیں۔ جیساکہ ہمارے مذکورۂ بالا دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور اختلاف یا اشتباہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جو ایسے معنی ہیں کہ ان دونوں خالقوں کے غیر ہیں

لہذا تیسرا ثابت ہوگیا۔ اور جب تیسرا ثابت ہوگیا تو تینوں میں وہی سوال لازم آئے گا جو دو میں لازم آیا۔ اسی طرح (چوتھے پانچویں وغیرہ میں) ہمیشہ یہی سوال جاری رہے گا۔ یہ بالبداہت اس امر کو واجب کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک یا صرف ایک اپنی ذات کے اعتبار سے اور ان معانی کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ دوسرے سے جدا ہو گیا یا جن معانی کی وجہ سے وہ دوسرے کے مشابہ ہو گیا، مرکب ہے۔

اگر وہ لوگ دونوں کے لیے یہی ثابت کریں، تو وہ دونوں مرکب ہوں گے۔ مرکب حادث ہوتا ہے۔ لہذا یہ دونوں بھی کسی غیر کے حادث کردہ اور مخلوق ہوں گے اور اس سے چارہ نہیں۔

اگر وہ اس کو دو میں سے صرف ایک شے کے لیے ثابت کریں تو تو وہ ایک مرکب ہوگا اور دوسرا اس کا فاعل ہوگا، اور معاملہ واحدِ غیر مرکب ہی کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

اگر وہ اس پر قائم رہے جو ہم نے انھیں الزام دیا ہے کہ ایسے معانی کا وجود ہے جن کی وجہ سے ایک خالق دوسرے سے جدا ہو گیا۔ تو یہ اتنے وجود قدمائے ازلی اور اتنے وجود فاعلین آلہہ کو واجب کر دے گا جن کی تعداد خدائی سے بھی زائد ہوگی، اور یہ محال ہے، ایسے اعداد کا وجود جو قائم و ظاہر ہوں، وقت واحد میں ہوں، اور غیر متناہی ہوں، ممکن نہیں! اس لیے کہ اگر ان کے لیے کوئی عدد ہوگا تو وہ عدد ان کا حصر کرے گا۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور جو چیز محصور ہو وہ متناہی ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم نے ان پر یہ قول واجب کیا تھا کہ وہ (آلہہ) غیر متناہی ہیں۔ انھیں اعداد کی وجہ سے یہ کہنا بھی لازم ہوگا کہ وہ متناہیہ غیر متناہیہ ہیں۔ اور یہ محال ہے۔

اگر ان (آلہہ) کے لیے کوئی عدد نہیں ہے تو وہ موجود ہی نہیں۔

کیونکہ ہر موجود کے لیے عدد ہوتا ہے، اور ہر ذی عدد متناہی ہوتا ہے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

۴۶ اگر کوئی کہے کہ کس شے سے خالق مخلوق سے جدا ہو گیا۔ اور کس شے سے بعض خلق بعض خلق سے جدا ہو گئی۔ اس سے وہ ہمیں اسی طرح الزام دینا چاہے جس طرح ہم نے اسے گزشتہ دلایل میں الزام دیا ہے۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ تمام مخلوق حامل و محمول ہے۔ ہر حامل اپنے خالق اور دوسرے حاملین سے اپنے فصول و انواع و اجناس و خواص اور اپنے ان اعراض کی وجہ سے جو اس کے مکان میں ہیں اور اپنی بقیہ کیفیات کی وجہ سے، منفصل وجدا ہے۔ ہر محمول بھی اپنے خالق اور دوسرے محمولات سے بہ سبب اپنے حامل کے اور ان اسباب کے جن کی وجہ سے وہ اپنی نوع وجنس و فصل میں دوسرے محمولات سے ممتاز ہو گیا، منفصل وجدا ہے۔ باری تعالیٰ ان تمام امور میں سے کسی کا بھی موصوف نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اس باب میں جس میں غیر متناہی زمانے تک جنت و دوزخ کے بقا اور ان اجسام کے بقا پر جو ان دونوں میں ہوں گے، کلام ہے، نیز ہماری کتاب الانفصال کے گزشتہ ابواب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے اس مقام پر ہمیں (جنت و دوزخ و اجسام جنت و دوزخ کے غیر متناہی بقا پر) وہی الزام دینا چاہا ہے جو ہم نے انھیں اسی مقام پر غیر متناہی اعداد کی وجہ سے دیا ہے۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ یہاں بھی ہم اس کا کچھ حصہ بیان کریں گے جو کافی ہوگا۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں مسائل مذکورہ میں فرق یہ ہے کہ ہم نے جنت و دوزخ میں غیر متناہی اعداد کے وجود کو واجب نہیں کیا ہے، بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ اعداد تو متناہی ہوں گے مگر ان میں کمی و بیشی نہ ہوگی۔ ان لوگوں کی ہر حرکت اور ہر مدت جو اس میں ظاہر ہوگی وہ

محصور و متناہی ہو گی۔ جنت و دوزخ کی مساحت (پیمائش) بھی اس طور پر محدود و متناہی ہو گی جس میں کمی و بیشی نہ ہو سکے گی۔ ہم نے ان سے تناہی بالقوہ کی نفی کی تھی جس کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ ہر دو مقام جنت و دوزخ میں بقا و مدت اور نعمت و عذاب ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جس کی کوئی حد نہ ہو گی۔ اس (بقاء نعمت وغیرہ) میں سے جو ظاہر ہو گا وہ اس کا جزو نہ ہو گا جو ظاہر نہیں ہوا (بلکہ ہر عذاب و نعمت مستقل و جداگانہ حیثیت میں ہو گی اور دونوں قدموں کی حرکت کی طرح ایک نعمت کے اختتام کے فوراً ہی بعد دوسری نعمت کا آغاز ہو جائے گا۔ جس سے ظاہری طور پر عذاب و نعمت کا استمرار محسوس ہو گا۔)

یہ لازم آتا ہے کہ اسم "کل" جو موجود پر واقع ہے وہ معدوم کا "بعض" نہیں ہے اور وہ اپنے ہی جیسے موجود کا "بعض" ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسما اپنے معانی پر واقع ہوتے ہیں۔ وجود کے معنی یہی ہیں کہ شے کسی وقت میں قائم ہو ماضی میں یا حال میں۔ جو شے اس شان کی نہ ہو گی وہ "موجود" ہی نہ ہو گی۔ موجودات کے تمام ابعاض (اجزا و افراد) موجود ہوتے ہیں، کل ابعاض موجود ہیں اور موجود تھے۔ لہٰذا "موجود" معدوم کا بعض نہ ہوا۔ اور نفی و ابطال وجود کا نام عدم ہے۔ اس کی کوئی گنجایش نہیں کہ ایسا ہو کہ وہ افراد و ابعاض شے جن کو اس شے کا وہی نام لازم ہو کہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی نام نہ ہو ان میں سے بعض کو بعض باطل کر دیں۔

ممکن ہے کہ کوئی فریب دینے والا اس مقام میں فریب دے اور یہ کہے کہ ہم تو ایسے ابعاض و اجزا بھی پاتے ہیں جن پر "کل" کا نام نہیں واقع ہوتا۔ مثلاً ہاتھ، پاؤں، سر، اور بقیہ اعضا کہ ان میں سے کسی کا نام بھی انسان نہیں۔ لیکن جب یہ سب اعضا مجتمع ہوتے ہیں تو ان پر انسان کا نام واقع ہوتا ہے۔

یہ فریب ہے اس لیے کہ ہم نے ان ابعاض کے متعلق کلام کیا ہے جو باہم مساوی ہوں، اور جن میں سے ہر بعض پر کل کا نام واقع ہوتا ہو، مثلاً پانی کہ اس کا بعض بھی پانی ہے اور کل بھی پانی ہے جز اس باب میں سے نہیں ہے۔ ہر بعض موجود کے ابعاض میں سے ہے اس لیے اس پر بھی موجود کا نام واقع ہوتا ہے۔

۴۷ ممکن ہے کہ کوئی اور فریبی ہمارے اس قول میں فریب دے کہ ابعاض آپس میں منافی نہیں ہوتے، اور کہے کہ سبزی تو سفیدی کے منافی ہے۔ حالانکہ دونوں ایک کلی کے جو لون (رنگ) ہے بعض (فرد) ہیں۔

یہ بھی ہماری مراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے کہ ہمارا قول "موجود" جنس نہیں ہے۔ وہ انواع متضادہ پر واقع ہوتا ہے۔ اور محض اس امر کی خبر دیتا ہے کہ ایسی اشیا موجود ہیں جو ہمارے نزدیک موجود ہونے میں مساوی ہیں۔ یہ کہنا جس طرح بعض کو شامل ہے اسی طرح کل کو شامل ہے۔ نیز سبزی رنگ ہونے میں سفیدی کے متضاد نہیں۔ بلکہ یہ دونوں ان معنی میں تو ایک ہی حیثیت سے مجتمع ہیں، اس میں مختلف نہیں ہیں ایک دوسرے معنی میں باہم مختلف ہیں۔ اسی طرح کوئی "موجود" موجود ہونے میں، دوسرے موجود کے خلاف نہیں۔ اس معنی میں موجود، معدوم کے مخالف ہے اور معدوم کا بعض نہیں ہے۔ معدوم کوئی شے نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کوئی معنی ہیں کہ وہ پایا جائے۔ جب وہ پایا جائے گا تو وہ "شئے موجود" ہوگا (معدوم نہ رہے گا) ہم نے باب التجزیہ میں بھی ان اعتراضات کو دفع کیا ہے۔

نصاریٰ سے کلام

نصاریٰ اگرچہ اہل کتاب ہیں۔ اور بعض انبیا علیہم السلام کی

نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں ۔ مگر جمہور نصاریٰ اور ان کے تمام فرقے توحید خالص کا اقرار نہیں کرتے ۔ بلکہ وہ تثلیث کے قائل ہیں ۔ لہذا مکان کلام کو ان پر منہدم کر دیا گیا ۔ (اور انھیں یا ان کے عقیدے کو اس میں دفن کر دیا گیا) ۔

مجوس بھی اگر چہ اہل کتاب ہیں اور بعض انبیا کا اقرار نہیں کرتے ۔ لیکن ہم نے انھیں اس مکان میں اس لیے داخل کیا کہ وہ دو ازلی فاعلین کے قائل ہیں ۔ (یعنی نور ۔ ظلمت) ۔ نصاریٰ تو ان سے زیادہ اس مکان میں داخل کرنے کے مستحق ہیں کیونکہ وہ تین ازلی و قدیم کے قائل ہیں ۔

نصاریٰ کے مختلف فرقے ہیں ۔

اریوسیہ — ایک فرقہ وہ ہے جو اریوس کے اصحاب ہیں ۔ یہ اسکندریہ میں قسیس (کاہن) تھا ۔ اور یہ توحید مجرد کا قائل تھا ۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بندہ و مخلوق کہتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ۔ یہ بانی قسطنطنیہ قسطنطین اول کے زمانے میں تھا جو شاہان روم میں سب سے پہلا نصرانی تھا ۔ وہ اسی اریوس کے مذہب پر تھا ۔

بولسیہ — بعض ان میں سے بولس الشمشاطی کے پیرو ہیں جو ظہور نصرانیت سے پہلے انطاکیہ میں بطریق تھا ۔ اور توحید مجرد و صحیح کا قائل تھا ۔ حضرت عیسیٰ کو اور انبیاء علیہ السلام کی طرح اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتا تھا اور اس کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرت مریم کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا کیا ۔ اس کا بھی قائل تھا کہ وہ انسان ہیں ، ان میں الہیت نہیں ہے ۔ کہا کرتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ کلمہ اور روح القدس کون ہیں ۔

مقدونیوسیہ — انھیں میں سے مقدونیوس کے متبع ہیں ۔ یہ بھی قسطنطین بن قسطنطین

قسطنطنیہ میں بطریق تھا۔

یعقوبیہ

ان کے علاوہ یعقوبیہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح خود ہی خدا ہیں۔ لوگوں کے کفر عظیم سے خدا مر گیا اور مصلوب ہوا اور قتل کیا گیا۔ عالم و ملک تین روز تک بغیر مدبر کے رہے۔ مرنے کے بعد وہی خدا اٹھ کھڑا ہو گیا اور ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ تھا۔ خدا احادث ہو گیا تھا۔ اور حادث قدیم ہو گیا تھا۔ وہی شکم مریم میں بشکل حمل تھا۔ یہ لوگ مصر کی عملداری میں اور تمام نوبہ اور تمام حبشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ان کے یہ اقوال نہ بیان کرتا کہ "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم" (یعنی وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہیں)۔ "ان اللہ ثالث ثلثۃ" (یعنی اللہ تین میں کا تیسرا ہے) اور "أانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ" (یعنی اے مسیح بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا خدا بنا لینا) ۔ تو ہرگز کسی مومن کی زبان اس قول شنیع و قبیح کو نقل نہ کر سکتی ۔ بخدا اگر ہم نے خود نصاریٰ کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ہرگز نہ مانتے کہ دنیا میں کوئی عقل ایسی بھی ہے جس میں یہ جنون سما سکے۔ ہم اللہ ہی سے پناہ مانگتے ہیں ترک اعانت سے۔

یعقوبیہ - یعقوب برذعانی کی طرف منسوب ہیں جو قسطنطنیہ میں راہب تھا۔ یہ وہ فرقہ ہے جنھوں نے عقل سے پوری پوری منافرت و وحشت اختیار کی ہے۔ کیونکہ استحالہ (تغیر حالت) انتقال ہے۔ اور انتقال و استحالہ کا موصوف وہ نہیں ہو سکتا جو ازلی اور اول ہے۔ (وہ اس سے بہت بلند و برتر ہے) اگر وہ ایسا ہوتا تو بلاشک مخلوق ہوتا۔ مخلوق اپنے پیدا کرنے والے خالق کا محتاج ہے۔ اس قول کے بطلان کے لیے اس کا باب محال و ممتنع میں داخل ہونا کافی ہے جس کے بطلان کو

بانی قسطنطنیہ کے عہد میں ظہور نصرانیت کے بعد بطریق تھا۔ اس بادشاہ کا کاتب (سکریٹری) اریوسی تھا۔

مقدونیوس اسی توحید مجرد کا قائل تھا کہ عیسیٰ بندے ہیں۔ مخلوق ہیں، انسان ہیں، اللہ کے نبی و رسول ہیں جیسا کہ اور انبیا علیہم السلام تھے۔ عیسیٰ ہی روح القدس اور کلمۃ اللہ ہیں۔ روح القدس و کلمہ دونوں مخلوق ہیں۔ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

بربرانیہ

انھیں میں سے بربرانیہ ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ اللہ عزّ وجل کے علاوہ دو خدا ہیں۔ یہی فرقہ (گمراہی میں) ہلاک ہوا۔

اس زمانے میں ان کے تین فرقے قابل شمار ہیں۔ ان میں سب سے بڑا فرقہ ملکانیہ ہے جہاں کہیں نصرانی بادشاہ ہیں ان کا یہی مذہب ہے۔ اور جہاں کہیں عیسائی سلطنتیں ہیں وہاں کے اکثر باشندوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ سوائے حبشہ و نوبہ کے۔ افریقیہ و صقلیہ و اندلس کے تمام نصاریٰ اور شام کے اکثر لوگوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کا قول ہے (نقل کفر کفر نباشد) کہ اللہ تعالیٰ تین اسباب ہیں۔ "باپ، بیٹا، اور روح القدس۔ یہ سب ازلی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام خدائے کامل اور انسان کامل ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے مغایر نہیں ہے۔ (یعنی خدا اور انسان ایک ہی ہے) انسان کو مصلوب اور قتل کیا گیا۔ خدا کو اس (قتل و صلب) میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ مریم نے خدا و انسان کو جنا۔ یہ دونوں ساتھ مل کر شئے واحد اور ابن اللہ ہیں" (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے برتر ہے)۔

نسطوریہ

یہی عقیدہ فرقۂ نسطوریہ کا بھی ہے۔ البتہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مریم نے خدا کو نہیں جنا۔ انسان ہی کو جنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہیں جنا۔ خدا ہی کو جنا تھا۔ (اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے برتر ہے)۔ موصل و عراق و فارس و خراسان میں اس فرقے کا غلبہ ہے یہ سب نسطور کی طرف منسوب ہیں جو

عقل وحس نے واجب کر دیا ہے۔ باب محال وممتنع ہیں اس سے زیادہ محال کوئی بات نہیں کہ ازلی وقدیم پھر حادث ہو جائے، جو نہ تھا پھر ہو گیا۔ اس قوم کو لازم ہے کہ وہ ہمیں بتائے کہ جن تین دن میں ان کا خدا (معاذ اللہ) مردہ رہا ان دنوں میں زمین و آسمان کی تدبیر کس نے کی اور کس نے فلک کو دورہ کرایا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بے انتہا بلند و برتر ہے۔

ان قائلین سے کہا جائے جو باری تعالیٰ کو تین اشیا بتاتے ہیں۔ باپ۔ بیٹا۔ روح القدس۔ کہ ہمیں بتاؤ تو کہ جب یہ اشیا سب کی سب ازلی ہیں اور یہ سب شئے واحد کے ساتھ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تو پھر وہ کون سے معنی ہیں جن کی وجہ [illegible]ن میں سے ہر ایک کو باپ کہا جائے اور دوسرے کو بیٹا۔ تم کہتے ہو کہ تینوں ایک ہیں۔ ان میں سے [illegible] ایک بعینہ دوسرا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپ بیٹا ہے اور بیٹا باپ ہے [illegible]ور یہ محض بدحواسی ہے۔

ان کی انجیل بھی اس کو باطل کرتی ہے۔ یہ اپنی انجیل میں کہتے ہیں کہ "میں اپنے باپ کے داہنی طرف بیٹھوں گا" نیز اسی انجیل میں کہتے ہیں کہ "قیامت کو صرف باپ ہی جانتا ہے اور بیٹا اس کو نہیں جانتا" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا "باپ" نہیں ہے (بلکہ یہ دونوں علاحدہ علاحدہ ہیں)۔

اگر یہ تینوں (یعنے باپ۔ بیٹا اور روح القدس) آپس میں متغایر ہیں (ایک نہیں ہیں) حالانکہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔ تو ان پر یہ الزام آئے گا کہ بیٹے میں ضعف یا حدوث یا نقص ہی تھے کچھ ہے جس کی وجہ سے وہ باپ کے درجے سے گر گیا۔ نقص ایسی صفت نہیں ہے جو ازلی ہو۔ اس کے علاوہ جو شخص اس کا قائل ہے اسے ان تینوں کو حادث بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ عدد میں محصور ہیں اور ان میں طبیعت نقص و زیادت بھی جاری ہے۔ جیسا کہ ہم نے

حدوث عالم کی بحث میں پہلے بیان کیا ہے۔

بعض نے چند پیوند لگائے ہیں اور وہ باتیں کہی ہیں جن کے کوئی معنی نہیں۔ ہم اس سے آگاہ کریں گے تاکہ اللہ کی مدد و قوت سے ان کے قول کی بیہودگی اور ضعف واضح ہو جائے۔

وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ جب یہ واجب ہے کہ باری تعالیٰ حی اور عالم ہو تو یہ بھی واجب ہے کہ اس کے لیے حیات اور علم ہو۔ بس اس کی حیات ہی کا نام روح القدس ہے اور اس کا علم وہی ہے جس کا نام بیٹا ہے۔

یہ ذلیل ترین اختراع ہے۔ اس لیے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استدلالی طور پر باری تعالیٰ کو ان میں سے کسی وصف سے بھی موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ سماعی طور پر موصوف کیا جا سکتا ہے (کہ حیات کا نام روح القدس اور علم کا نام بیٹا ہے) ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، نہ ان کی انجیل کی اور نہ کسی کتاب کی کہ علم کا نام ابن ہے۔ نہ ان کی کتابوں میں ہے کہ اللہ کا علم اس کا بیٹا ہے۔

ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا فیصلہ لاطینی زبان سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں کہا جاتا ہے کہ عالم کا علم ہی اس کا فرزند ہے۔

یہ باطل اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ وہ انجیل جس میں باپ بیٹے اور روح القدس کا ذکر ہے کسی شخص کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس انجیل کو عبرانی زبان سے سریانی وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ انھیں عبرانی الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس زبان میں باپ بیٹے اور روح القدس کا ذکر تھا۔ اور عبرانی زبان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انھوں نے ذکر کیا۔

اگر وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو جناب باری عز و جل کو استدلالی طور پر (باپ بیٹے سے) نامزد کرتے ہوں۔ تو انھوں نے ۵۰

صفت قدرت کو ساقط کر دیا کیونکہ جو استدلال اس کے عالم ہونے پر ہے وہ اس کے قادر ہونے کے استدلال سے زیادہ صحیح و اولی نہیں ہے۔ خاصکر بولس کے قول کی بنا پر جس کا مرتبہ ان لوگوں کے نزدیک انبیاء سے بھی زائد ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ مسیح اللہ کی قدرت اور اس کا علم ہیں۔ بولس نے کہا کہ یہ مسیح کی اپنے اہل قریہ میں سب سے پہلے رسول ہونے پر نص اور کھلی ہوئی دلیل ہے۔

بس ان تین صفات میں ایک چوتھی صفت بھی بڑھالیں، اور وہ قدرت ہے۔ ایک اور بڑھادیں جو سمع ہے۔ ایک اور جو بصر ہے۔ ایک اور جو کلام ہے۔ ایک اور جو عقل ہے۔ ایک اور جو حکمت ہے۔ ایک اور جو جود ہے۔ اگر کہیں کہ قدرت ہی حیات ہے تو کہیے کہ علم ہی حیات ہے۔ اگر کہیں کہ علم حیات نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی حیات ہوتی ہے اور علم نہیں ہوتا (مثلاً مجنون کہ ذی حیات ہے مگر عالم نہیں) تو کہیے کہ کبھی ذی حیات بھی قادر نہیں ہوتا، مثلاً جس پر غشی طاری ہو۔ لہٰذا قدرت حیات نہ ہوئی۔

علم وحیات الٰہی

اگر "ابن" ہی علم ہو اور روح القدس ہی حیات ہو تو پھر اُن لوگوں کے نزدیک مسیح علیہ السلام کو ابن و روح القدس بنانے کی کیا صورت ہو گی۔ کیا تم مناسب سمجھو گے کہ مسیح ہی اللہ کا علم اور حیات ہوں۔

پھر ان میں سے بعض کے اس قول کی کیا صورت ہو گی کہ مریم نے اللہ کے بیٹے کو جنا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ مریم نے اللہ کا علم جنا۔ کیا اس سے زیادہ لغویت بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ کے علم و حیات میں مسیح علیہ السلام کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا غیر مسیح کا۔ اور کوئی فرق نہیں۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے اُن لوگوں کو چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ وباللہ التوفیق

زندہ اور ناطق

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب ہم اشیاء کی دو قسمیں پاتے ہیں۔

حی اور غیر حی۔ تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ حی ہے اور جب حی کی بھی یہ دو قسمیں پائی جاتی ہیں ناطق و غیر ناطق تو ضرور ہے کہ باری تعالےٰ ناطق ہو۔

یہ کلام بے انتہا پھسپھسا ہے۔ دو وجہ سے۔

ایک تو اس لیے کہ یہ تقسیم تو تقسیم طبیعی ہے جو ایک جنس کے تحت واقع ہو۔ اس لیے کہ جب باری تعالیٰ کا حی نام رکھنا اسی وجہ سے ہوگا تو اُس وقت تمام احیاء کی طرح جنس حی کے تحت میں واقع ہوگا۔ اور اس کی تعریف حی و ناطق سے کی جائے گی اس صورت میں وہ اپنی جنس و فصل سے مرکب ہوگا، اور جو چیز (جنس و فصل میں) محدود ہوگی وہ متناہی ہوگی، اور جو چیز مرکب ہوگی وہ حادث ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم جو ان لوگوں نے کی ہے وہ ایک طرح کی ملمع کاری ہے۔ اس لیے کہ ان کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اُس چیز کی تقسیم کریں جو طبیعت کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ اور کہیں کہ ہم نے اشیاء کو جوہر و غیر جوہر پایا پھر باری تعالیٰ کو جس قسم میں چاہیں داخل کریں۔ وہ تو جوہر ہی کے تحت میں داخل کریں گے۔ جب اُسے جوہر کے تحت میں داخل کرنے سے لازم ہوگا کہ وہ اس کی وہی تعریف کریں جو جوہر کی تعریف ہے۔ جب ایسا ہوگا تو اس کا حادث ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے کہ ہر محدود (جس کی جنس و فصل سے تعریف کی جائے) حادث ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

خالق کو مخلوق بنا دیا

قبل اس کے کہ وہ (تقسیم کرتے کرتے) حی ناطق تک پہنچیں ہم ان کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں اگر باری تعالیٰ بعض (فرد) ہوگا یا ان صفات کا اس پر بھی اسی طرح صادق آنا ضروری ہوگا جس طرح ہم پر ہے تو وہ (ہماری ہی طرح) مخلوق ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے)۔

طاق و جفت

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تین طاق اور جفت کا

مجموعہ ہے اور یہ (یعنی تین) مکمل ترین عدد ہے (کہ اس میں طاق وجفت دونوں جمع ہیں یعنی ایک اور دو) تو ضرور ہے کہ باری تعالیٰ ایسا ہی ہو کیونکہ یہ نہتائے کمال ہے۔

۵۱ یہ بھی نہایت رکیک وپست کلام ہے۔ چند ضروری وجوہ سے۔

تمام وکمال کی حقیقت

وجہ اول یہ کہ باری تعالیٰ کو "تمام وکمال" سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ تمام وکمال امور اضافیہ میں سے ہیں ان کا اطلاق محض انہی پر ہوتا ہے جس میں نقص ہو ان لفظوں کے معنی یہی ہیں کہ ایک شے کا دوسری شے میں اضافہ ہوا جس کی وجہ سے وہ کامل ہو گئی۔ اگر یہ اضافہ نہ ہوتا تو وہ ناقص رہ جاتی بس تمام وکمال کے صرف یہی معنی ہوتے ہیں۔

مافوق تثلیث

وجہ ثانی یہ ہے کہ ہر وہ عدد جو "تین" کے بعد ہے وہ "تین" سے زیادہ تام واکمل ہے۔ اس لیے کہ وہ یا تو جفت اور جفت کا مجموعہ ہے یا جفت اور جفت اور طاق کا مجموعہ ہے۔ یا اس سے بھی زائد کا مجموعہ ہے۔ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ جو ایک جفت سے زائد کا مجموعہ ہے وہ اس سے زیادہ اتم واکمل ہے جو صرف ایک جفت اور ایک طاق کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا اُسے لازم آئے گا کہ وہ یہ کہے کہ اس کا رب غیر متناہی الاعداد ہے۔ یا یہ کہ وہ سب سے زائد عدد والا ہے۔ حالانکہ وہ اگر اس کو کہے تو یہ بھی ممتنع ومحال ہے۔ اس قول کے فاسد ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ محال تک پہنچا دے۔

تین ایک اور ایک تین

وجہ ثالث یہ ہے کہ اُن کا یہ استدلال ضد ہے اُن کے اس قول کی کہ "تین" ایک ہے۔ اور ایک "تین" ہے" اس لیے کہ وہ "تین" جو مجموعہ ہے جفت و طاق کا بلاشک وہ متغایر ہے اُس "تین" کے جو تمہارے نزدیک ایک ہے۔ وہ "تین" جو مجموعہ ہے جفت و طاق کا یہ وہ طاق نہیں ہے

جو اس "تین" میں ہے۔ وہ "تین" جامع ہے اُس طاق کا اور اُس کے غیر کا۔ بلکہ وہ "تین" بعض (یعنی جزء بھی) نہیں ہے۔ لہٰذا کل "جزء" نہ ہوا۔ اور "جزء" کل نہ ہوا۔ حالانکہ طاق "جزء" ہے "تین" کا اور "تین" کل ہے طاق کا اور اس کے ساتھ ہی جفت کا۔ لہٰذا طاق "تین" کا مغایر ہوا اور "تین" طاق کا مغایر ہوا۔ اور عدد مرکب ہے واحد سے جس سے مراد طاق ہے۔ اسی طرح واحد سے اور اسی طرح واحد سے اُس عدد کے آخر تک جس کو بولا جائے۔ لہٰذا عدد واحد نہیں اور واحد عدد نہیں۔ لیکن عدد اُن آحاد (اکائیوں) سے مرکب ہوتا ہے جو طاق ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شے جو اجزاء سے مرکب ہے۔ تو وہ مرکب اپنے اجزاء میں سے ایک جزء نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ کلام جو مرکب ہے حرف وحرف سے یہاں تک کہ اُس سے وہ معنی پورے ہو جائیں جن کو تعبیر کرنا ہے تو نہ وہ کلام حرف ہے اور نہ حرف کلام

تثلیث پر تثنیہ مُرجح ہے

وجہ رابع۔ یہ ہے کہ یہ رکیک معنی جن کا اس جاہل نے قصد کیا ہے (بجائے "تین" کے) ہم ان کو "دو" میں پاتے ہیں۔ اس لیے کہ "دو" وہ عدد ہے جو مجموعہ ہے طاق اور طاق (یعنی ایک اور ایک) کا اور اسی کے ساتھ وہ جفت (یعنی دو) بھی ہے۔ تو ہم "دو" میں طاق وجفت دونوں پاتے ہیں لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ "دو" کو اپنا رب بنائے۔

حدوث اعداد

وجہ خامس۔ یہ ہے کہ ہر عدد حادث ہے اور اسی طرح ہر محدود بھی جس کو عدد سے شمار کیا جائے وہ بھی حادث ہے جیسا کہ ہم اپنی اسی کتاب کے گذشتہ حصے میں بیان کر چکے ہیں۔ محدود کا بغیر کوئی عدد ہوئے۔ ہرگز وجود نہیں ہو سکتا۔ اور عدد کا وجود بھی سوائے محدود کے کہیں نہیں ہو سکتا۔ اور "واحد" عدد نہیں ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان کریں گے اور اسی سے مضمون توحید اللہ کی مدد و توت سے مکمل ہو جائے گا۔

اتحاد و حلول

نصاریٰ کہتے ہیں کہ الٰہ انسان کے ساتھ اس طرح

متحد ہو گیا کہ دونوں شے واحد بن گئے۔
یعقوبیہ کہتے ہیں کہ اس طرح مل گئے جس طرح پانی شراب میں ڈالنے کے بعد شراب میں مل جاتا ہے۔ اور دونوں شے واحد ہو جاتے ہیں۔
نسطوریہ کہتے ہیں کہ یہ اتحاد اس طرح کا ہوتا ہے جس طرح اُس پانی کا جو تیل میں ڈال دیا جائے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حیثیت میں باقی رہتا ہے۔
ملکیہ کہتے ہیں کہ جس طرح آگ کا اتحاد تپائے ہوئے خنجر سے ہوتا ہے۔ ۵۲

فساد حلول و اتحاد

یہ سب بالکل فاسد ہے۔ اول اس لیے کہ یہ اس قسم کے دعاوی سے احمق سے احمق بھی عاجز نہیں۔ اور نہ ان کی انجیل میں اس قسم کی کوئی چیز ہے۔
دوم اس لیے کہ یہ سب محال ہے اس لیے کہ ملکیہ نے اپنی تمثیل میں جس چیز کی تمثیل دی ہے وہ ایک عرض ہے جو جوہر میں ہے اس کے سوا اور کوئی بات (اس تمثیل میں) وہم و خیال میں نہیں آسکتی۔ لہذا اُن کے قول کی بناء پر الٰہ عرض ہوا اور انسان جوہر اور یہ انتہائی فساد ہے۔

مسیح کیا ٹھہرے؟

یعقوبیہ کا قول اس سے بھی زیادہ فاسد ہے۔ اس لیے کہ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ اگر الٰہ مستحیل ہو کر انسان ہو گیا تو مسیح انسان ہوئے نہ کہ الٰہ۔
اور اگر انسان مستحیل ہو کر الٰہ ہو گیا تو مسیح الٰہ ہوئے نہ کہ انسان۔
اور اگر ان دونوں میں سے ایک بھی دوسرے کی طرف مستحیل نہیں ہوا تو یہ قول نسطوریہ کا ہے یعقوبیہ کا نہیں ہے۔
اور اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف مستحیل ہو گیا تو الٰہ ایسا انسان ہو گیا جو الٰہ نہیں اور انسان ایسا الٰہ ہو گیا جو انسان نہیں۔

انھوں نے اس حماقت کے بعد نسطوریہ کے قول کی بنا پر یہ نتیجہ حاصل کیا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔
اور اگر یہ دونوں غیر آلہ اور غیر انسان کی طرف منتحیل ہو گئے تو مسیح نہ آلہ ہوئے اور نہ انسان۔ حالانکہ یہ سب ان کے قول کے خلاف ہے۔

دوسروں کے برابر؟

نسطوریہ نے اس سے زائد نہیں کہا کہ انسان انسان ہے اور آلہ۔ آلہ ہے۔ اور اسی طرح عالم میں ہر فاضل و فاسق انسان ہے اور آلہ آلہ ہے۔ بس مسیح اور دوسرے انسان برابر ہیں۔

محالات

جس حد تک وہ پہنچے ہیں وہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ جو ازلی ہے وہ طبیعت انسان کی طرف جو حادث ہے منتحیل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ انسان منتحیل ہو کر آلہ ازلی ہو سکتا ہے۔ اور یہ محال بالذات و ممتنع ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح انسان ہمراہی مکانی کے طور پر آلہ کے ہمراہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ بھی محال ہے۔
اسی طرح نہ خیال میں آسکتا ہے اور نہ ممکن ہے کہ آلہ عرض ہو اور اس کا حامل جوہر ہو جو انسان ہے۔ نہ یہی ممکن ہے کہ انسان عرض ہو اور اس کو آلہ اپنی ذات میں اٹھائے ہو۔ جیسا کہ ملکیہ اپنی تشبیہ میں دعویٰ کرتے ہیں اور اس اتحاد کو گھر کے اندر سورج کی روشنی سے یا اس آگ سے جو گرم لوہے میں ہوتی ہے تشبیہ دیتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ محال و باطل و رکیک ہے جس کو سوائے گمراہ کے کوئی نہ مانے گا۔ اور ان لوگوں کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کے کتب انبیاء ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔

کلمہ

یہ لوگ باپ بیٹے اور روح القدس کے ذکر میں ایک چوتھی چیز کلمے کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک کلمہ وہ ہے جو انسان کے ساتھ متحد ہے اور

رحم مریم علیہا السلام میں انسان کے ساتھ پیوست ہوگیا ہے۔ اور ان کی وہ امانت جس پر وہ سب متفق ہیں یہ ہے جو ہم تصریح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ انجیل میں ہے۔

ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر جو باپ ہے۔ مالک ہے ہر شے کا۔ خالق ہے ہر شے کا جو دکھائی دیتی ہے اور جو نہیں دکھائی دیتی۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں رب واحد یسوع مسیح پر جو تمام خلائق میں سب سے پہلا بیٹا ہے۔ اور وہ مخلوق آلہ نہیں ہے۔ وہ آلہ اسے ثابت وحق ہے۔ اور وہ اپنے اس باپ کے جوہر سے حق و ثابت ہے جس کے ہاتھ سے تمام عالموں کا استحکام ہوا اور اس نے ہر شے کو پیدا کیا جو ہم انسانوں اور ہماری نجات کے لیے آسمان سے اترا اور روح القدس سے مجسم ہوکر انسان ہوگیا۔ اور مریم بتول سے پیدا ہوا اور لاطش میں قیطوش کے عہد میں اسے ایذا دی گئی اور مصلوب کیا گیا اور دفن کر دیا گیا۔ اور جیسا کہ لکھا ہوا ہے وہ تیسرے روز اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کی داہنی جانب بیٹھ گیا۔ اور وہ مردوں اور زندوں کے درمیان میں فیصلہ کرنے کے واسطے دوبارہ آنے کے لیے تیار ہے۔ ۵۳

اور ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو واحد ہے۔ جو اس حق کی روح ہے جو اپنے باپ سے مشتق ہے جو روح محبت ہے۔ (اور ہم ایمان لاتے ہیں) معبودیت واحدہ پر گناہوں کی مغفرت کے لیے اور جماعت واحدۂ قدسیۂ رسولیۂ روحانیہ پر اور اپنے اجسام کی قیامت پر اور حیات دائمہ پر جو ابد تک رہے گی۔"

یوحنا شاگرد نے شروع انجیل میں کہا ہے کہ "ابتدا میں کلمہ تھا۔ اور کلمہ اللہ کے پاس تھا۔ اور اللہ ہی کلمہ تھا۔"

وسواس کے کرشمے یہ وہ اقوال ہیں کہ جب کوئی صاحب عقل ان میں غور کرے گا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ وہ وساوس یا

جنون ہے جو شیطان کی طرف سے القا کیا گیا ہے۔ اور جس میں سوائے اُس بدنصیب کے جس سے اللہ بری الذمہ ہو چکا ہو کسی کا امتحان نہیں لیا جاتا۔

کوئی پوچھے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

ان لوگوں سے کہا جائے کہ کلمہ تو باپ[1] یا بیٹا[2] یا روح القدس[3] ہے یا اور کوئی چوتھی چیز ہے۔ اگر کہیں کہ چوتھی چیز ہے تو وہ تثلیث سے نکل کر تربیع میں آگئے۔

اور اگر وہ کہیں کہ کلمہ انھیں تین میں سے کوئی ہے تو ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے گی۔ کیونکہ دعویٰ کرنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں۔

پھر اُن سے کہا جائے کہ بیٹا وہی باپ ہے یا کوئی اور ہے۔ اگر وہ کہیں کہ کوئی اور ہے تو اُن سے یہ پوچھا جائے کہ وہ جو رحم مریمؑ میں طبیعت مسیحؑ میں پیوست اور اس سے متحد ہو گیا ہے وہ کون ہے۔ باپ یا بیٹا۔ اگر وہ کہیں کہ بیٹا ہے تو اس کا باپ ہونا باطل ہو گیا۔ اور انھوں نے یوحنا کی مخالفت بھی کی کیونکہ وہ شروع انجیل میں کہتا ہے کہ کلمہ ہی اللہ ہے۔ پھر جب کلمہ ہی اللہ ہوا اور وہی رحم مریمؑ میں متحد و پیوست ہوا تو (معاذ اللہ) اللہ ہی رحم مریمؑ میں پیوست ہوا۔ حالانکہ ان کی امانت میں یہ ہے کہ وہ بیٹا ہی ہے جو رحم مریمؑ میں پیوست ہوا۔ اور یہ وہ وساوس (خیالات شیطانی) ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں۔

نیز ان سے کہا جائے کہ کیا ملتحم (پیوست) ہونے کے معنی گوشت بن جانے کے سوا کچھ اور ہیں۔ اور یہ انسطوریہ و ملکیہ کے قول کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ باپ ہے (جو رحم مریمؑ میں گوشت بنا) تو

اس کا بیٹا ہونا باطل ہوگیا۔ اور یوحنا اور امانت کی بھی انھوں نے مخالفت کی۔

اگر وہ کہیں کہ وہی باپ ہے اور وہی بیٹا ہے تو انھوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ "بیٹا اپنے باپ کی داہنی طرف بیٹھتا ہے"۔ اور "باپ کو وقت قیامت کا علم ہے اور بیٹا اسے نہیں جانتا" اور ان کا قول انجیل یوحنا میں ہے کہ "باپ نے کام بیٹے کے سپرد کر دیا" اور "باپ بڑا ہے بیٹے سے" اور یہ تصریحات ہیں اس پر کہ بیٹا اور ہے اور باپ اور۔ کیونکہ کوئی شخص خود اپنے داہنی طرف نہیں بیٹھ سکتا۔ اور نہ کام اپنے سپرد کر سکتا ہے۔ اور نہ جس کو جانتا ہے اس سے ناواقف ہو سکتا ہے۔ اور یہ سب ان کے اس قول کو بھی باطل کرتا ہے کہ بیٹا ہی علم وقدرت وغیرہ ہے۔ اس لیے کہ یہ صفات ہیں جو نہ تو موصوف کے داہنی طرف بیٹھ سکتی ہیں اور نہ کوئی چیز ان کے سپرد کی جا سکتی ہے۔

اگر وہ کہیں کہ نہ وہ باپ ہے اور نہ وہ غیر۔ تو ان پر اسی جنون کا الزام آئے گا جو اس شخص پر آئے گا جو یہ دعوی کرے کہ صفات نہ تو موصوف ہیں نہ غیر موصوف۔

اگر وہ کہیں کہ باپ ہی بیٹا ہے اور غیر ابن ہے۔ تو یہ اُن کے خرافات اور عقل سے باہر ہوتے ہیں کوئی نئی بات نہیں اس سے لازم آئے گا کہ بیٹا اپنا ہی بیٹا ہے اور اپنا ہی باپ اور باپ اپنا ہی باپ ہے اور اپنا ہی بیٹا اور اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہو گی۔

انھیں اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں جو زبور میں ہے یا کتاب اشعیاء وغیرہ میں ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں ہے کہ اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے مراد عیسیٰؑ بن مریم علیہما السلام ہیں۔ لوقا نے اپنی انجیل کے آخر میں کہا ہے کہ وہ (عیسیٰؑ) نبی منذر اور اللہ کے بندے تھے۔ اور یہ سب بالکل کھلا ہوا اُن لوگوں کا باہمی اختلاف وتناقض ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

اگر وہ اس کا سہارا لیں کہ انجیل میں مسیحؑ کا ذکر اس طرح ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ انجیل میں یہ بھی تو ہے کہ "میرا اور تمہارا باپ اللہ ہے جو میرا اور تمہارا الٰہ ہے" اور یہ بھی انجیل ہی میں ہے کہ "ان کی حالت یہ ہونا چاہیے کہ جب انہیں بلایا جائے تو وہ کہیں کہ اے ہمارے آسمانی باپ"۔ بس اس سے مسیح کو جو حق ہے وہی ان لوگوں کو ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔ (یعنی اگر وہ (معاذ اللہ) مسیح کا باپ ہوا تو اور لوگوں کا بھی باپ ہوا۔)

اگر وہ کہیں کہ مسیح تو عجائب و معجزات لائے (اس لیے اور لوگوں سے ان کا حق زیادہ ہے) تو ان سے کہا جائے کہ تمہارے نزدیک حواریین بھی تو ایسے ہی تھے۔ اور مسیح کے قبل موسیٰؑ و الیاسؑ و بقیہ انبیاء بھی تو مسیحؑ کے احیائے موتے وغیرہ کی طرح کے معجزات لائے۔ پھر مسیح اور اُن لوگوں میں کونسا فرق ہے (کہ مسیح تو بیٹے ہو جائیں۔ اور یہ سب غیر ہی رہیں)۔ علاوہ اس کے باپ بیٹا روح القدس اور بقیہ امور کی جو تصریح امانت میں ہے اور بغیر امانت کے ان کے نزدیک ایمان صحیح نہیں ہوتا اس میں سے ایک چیز بھی انجیل میں نہیں ہے۔ یہ محض اپنے گزشتہ پیشواؤں کی تقلید ہے۔ ایسی گمراہی سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

یہ جو آسمان سے اترا

اُن کی امانت جس پر وہ سب کا متفق ہونا بتاتے ہیں یہ بات ضروری ٹھیراتی ہے کہ بیٹا وہی ہے جو آسمان سے اترا، روح القدس سے مجسم ہو گیا اور انسان بن کر مقتول و مصلوب ہوا۔

اُن سے کہا جائے کہ یہ بیٹا جس کے متعلق تمہاری امانت میں ہے کہ وہ آسمان سے اترا اور روح القدس سے مجسم ہو گیا اور انسان بن کر مقتول و مصلوب ہوا۔ ہمیں بتاؤ تو کہ وہ آسمان سے نازل ہونے سے پہلے مخلوق تھا یا غیر مخلوق بلکہ ازلی تھا۔ اگر کہیں کہ مخلوق تھا تو

انھوں نے اپنا قول ترک کر دیا۔ اور خاصکر یہ جو انھوں نے کہا ہے کہ وہ غیر اب (باپ کے مغایر) نہیں ہے (کیونکہ باپ تو مخلوق نہیں) بلکہ باپ اور روح القدس بھی مخلوق ہو جائیں گے۔ (کیونکہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں)۔

اگر کہیں کہ نازل ہونے سے پہلے وہ غیر مخلوق تھا تو اُن سے کہا جائے کہ پھر وہ مخلوق و انسان ہو گیا۔ اور یہ محال و تناقض ہے۔ اسی سے یہ بھی لازم آ گیا کہ بیٹا بھی مخلوق ہے اور روح القدس بھی مخلوق ہے۔ کیونکہ وہ انسان ہو گیا۔

پھر اُن سے کہا جائے کہ ہمیں اس بیٹے کے متعلق بتاؤ جس کے متعلق تم نے وہ باتیں بتائی ہیں جو باپ کے متعلق نہیں بتائی ہیں اور جو باپ کی داہنی جانب بیٹھتا ہے پھر معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے اُترے گا۔ کہ آیا اس کے لیے علم وحیات ہے یا اس کے لیے علم و حیات نہیں ہے۔ اگر کہیں کہ نہ اس کے لیے علم ہے اور نہ حیات تو اپنے اجماع سے علٰحدہ ہو گئے۔ نیز اس الزام کے ساتھ انھیں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ وہ اس باپ کے مغایر ہے جس کے لیے حیات و علم ہے۔ کیونکہ جس کو علم نہ ہو بلاشک وہ اس کے مغایر ہے جس کو علم ہے۔ اور جس کے لیے حیات نہ ہو بلاشک وہ اس کے مغایر ہے جس کے لیے حیات ہے۔ اور یہ ان کا ترک نصرانیت ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اس کے لیے علم وحیات ہے تو انھیں لازم آئے گا کہ ازلی و قدیم (تین کے بجائے) پانچ ہیں۔ باپ اور اُس کا علم اور اس کی حیات۔ اور وہ بیٹا جو باپ کا علم ہے اور اس کا علم اور اس کی حیات۔ اور اسی طرح اُن سے روح القدس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا اور کوئی فرق نہ ہو گا۔

اللہ سے پیدا	یوحنا نے اپنی انجیل کے شروع میں کہا ہے کہ جو لوگ اس (مسیح) کو قبول کر لیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے

وہ اُنھیں ایسی قدرت دے گا کہ وہ اللہ کی اولاد ہو جائیں گے۔ یہی لوگ اس کے نام پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو خون اور گوشت کی شہوت یا مرد کی باہ سے نہیں پیدا ہوئے لیکن یہ اللہ سے پیدا ہوئے۔"

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر نصرانی کو اللہ کا بیٹا ہونے اور ازلی ہونے اور باپ کے جوہر ہونے میں وہی حق ہے جو مسیح کے لیے ہے۔ بالکل برابر سرابر۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ورنہ پھر یوحنا جھوٹا ہے جو اس کفر کا قائل ہوا اور وہی اہل کذب ہے۔ اور اس اعتراض سے نجات نہیں ہو سکتی۔ ۵۵

یہی اعتراض اُن اشعریہ پر بھی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت یہ دونوں اللہ کے مغایر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے بہت بلند و برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

اسلام پر اعتراض

یہود و نصاریٰ اور جو لوگ ملحدین کے ہم مذہب ہیں وہ ہم پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ تو یہ نقل کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو گئے۔ اور قرآن یہ خبر لایا ہے کہ مسیح علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے۔ لہٰذا تم لوگ بتاؤ کہ کیا ہوا۔ پھر اگر ان تمام بڑی جماعتوں کے لیے جن کی آرائیں۔ دین۔ زمانے۔ شہر۔ اور اجناس مختلف تھیں تم خبر باطل کا نقل کرنا تجویز کرتے ہو تو اس میں وہ تمھاری جماعت سے بڑھ کر نہیں ہیں جس نے تمھارے نبی کے معجزات اور آپ کی کتاب و شریعت نقل کی ہے۔ پھر اگر تم کہو کہ اُن لوگوں کو شبہہ ہو گیا اس لیے انھوں نے عمداً خبر باطل کو نقل نہیں کیا۔ تو تم نے تمام جماعتوں پر تلبیس (یعنی فریب میں آجانا) تجویز کر دیا۔ تو شاید تمھاری جماعت بھی فریب میں آگئی ہو۔ کیونکہ تمام فرقے تمھارے فرقے سے اس معاملے (فریب) میں بڑھ کر نہیں ہیں۔ (یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ فرقے تمھارے فرقے کے

بہ نسبت فریب کے زیادہ قریب ہیں) ہمیں بتاؤ کہ قبل اس کے کہ تمہارے پاس مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے کی تردید آئے تو کیا تم پر مسیح کے مصلوب ہونے کو ماننا فرض تھا۔ اگر تم کہو کہ لوگوں پر صلب مسیح کا ماننا فرض تھا تو تمہارے قول سے اس کا اقرار واجب ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر باطل کا اقرار فرض کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے باطل کی تصدیق اور باطل کو دین بنانا فرض کر دیا۔ اور اس میں جو خرابی ہے وہ ہے۔

اگر تم کہو کہ تم پر اُن کے صلب کا انکار فرض تھا۔ تو تم نے یہ واجب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر تمام گروہوں کی تکذیب فرض کر دی۔ اس میں تمہارے فرقے کے قول کا ابطال بھی ہے بلکہ تمام شرائع کا بلکہ ابطال ہر اُس خبر کا جو عالم میں ہر شہر اور ہر بادشاہ اور ہر نبی اور ہر فیلسوف اور ہر عالم کے متعلق ہو۔ اور تم گر پڑے۔ اور اس میں بھی جو خرابی ہے وہ ہے۔

اسلام اعتراض سے بالاتر ہے

بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمام الزامات نہایت کمزور اور ضعیف ہیں۔ اور ہم پر ایسے ضروریہ سے ایسا بیان کرنے والے ہیں کہ اللہ کی قدرت و قوت سے جسے کچھ بھی فہم ہے اس پر بھی پوشیدہ نہ رہے گا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کا مصلوب ہونا نہ تو کبھی کوئی گروہ اس کا قائل ہوا اور نہ یہ خبر کے طور پر کبھی ثابت ہوا۔ اس لیے کہ وہ گروہ جس کی خبر کو قبول کرنا لازم ہے وہ یا تو وہ جماعت ہے جس کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ یہ متفق نہیں ہو گئی ہے۔ اُن کی مسندوں کے اختلاف کی وجہ سے۔ اور اُن کے آپس میں نہ ملنے کی وجہ سے جس خبر کو انھوں نے مشاہدے یا کسی ایسے ذریعے سے جو مشاہدے کی طرف رجوع کرتا ہے نقل کیا ہے اس پر اُن سب کے دلوں کے متفق ہونے کے محال ہونے کی وجہ سے۔ اگرچہ وہ دو یا زیادہ ہوں۔ یا اتنی کثیر تعداد ہو کہ قصداً ان کا اس پر متفق ہونا ناممکن ہو کہ جس خبر پر

لوگ متفق ہو گئے ہیں اُن کے طریقوں پر باقی رہیں۔ پھر یہ لوگ ایسی خبر بیان کریں جس کا انھوں نے خود مشاہدہ کیا اور اس میں اختلاف نہیں کیا۔ ان دو صفت والوں میں سے کوئی بھی انھیں صفت والے شخص سے خبر کو نقل کرے اور اسی طرح یہاں تک کہ وہ مشاہدے تک پہنچ جائے۔ بس یہی صفت اُس جماعت کی ہے جس کی خبر کو قبول کرنا لازم ہے اور جس کی خبر سامع کو اپنی تصدیق پر مجبور کر دیتی ہے خواہ وہ عادل و معتبر ہوں یا فاسق یا کافر۔ اور بغیر دلیل کے اس کی صحت پر یقین نہ کیا جائے گا۔

قتل وصلب کی نقل

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم نے اُن لوگوں میں غور کیا جنھوں نے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی خبر نقل کی تو بلاشک نہیں یہ ایسی جماعتیں ملیں جو اس خبر کے نقل کرنے میں سچی تھیں اور جس کو ایک جماعت نے دوسری جماعت سے نقل کیا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ جنھوں نے حضرت مسیحؑ کے مصلوب ہونے کے مشاہدے کا دعویٰ کیا تھا۔ بس اس مقام پر صفت بدل گئی اور ایسے رذیل لوگوں کی طرف پلٹ گئی جو (غلط خبر دینے پر) مامور و متفق تھے اور وہ جھوٹ بولنے اور قول باطل پر رشوت قبول کرنے کے ذمہ دار بنائے گئے تھے۔

۵۶

نصاریٰ اقرار کرتے ہیں کہ مسیحؑ کی گرفتاری کے لیے یہ لوگ عوام کے خوف سے دن کو نہیں آئے۔ اور انھوں نے رات کو لوگوں کے فصح سے چلے جانے کے بعد مسیحؑ کو گرفتار کیا۔

یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ وہ دن کو صرف چھ گھنٹے تک سولی پر رہے اور پھر فوراً اتار لیے گئے۔ انھیں ایسے مقام پر سولی دی گئی جو شہر سے دور فخار کے باغ میں تھا اور فخار کی ملک میں تھا۔ جو سولی کا مشہور مقام نہ تھا نہ وہاں لوگوں کو سولی دی جاتی تھی اور نہ وہ اس کے لیے وقف تھا۔ اور اس سب کے بعد بدمعاشوں کو رشوت دی گئی کہ وہ یہ کہیں کہ

اصحاب مسیح انھیں چرا لے گئے۔ ان لوگوں نے یہی کیا۔ مریم مجدلانیہ جو عوام میں سے ایک عورت تھی حضور یہ میں جو سولی کا مقام تھا آمد و رفت کرتی رہی بلکہ وہ دور کھڑی دیکھتی رہی۔

یہ سب ان لوگوں کے نزدیک انجیل کی نص و تصریح میں ہے۔ لہٰذا یہ تو غلط ہو گیا کہ ان کی سولی کی خبر ایک بڑی جماعت نے نقل کی ہو۔ بلکہ یہ خبر اس طریقے کی ہے کہ اس کا ظاہر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ پوشیدہ رکھی گئی ہے اور اس پر اتفاق کر لیا گیا ہے۔

نص انجیل کے مطابق اس شب کو حواریین کی یہ حالت تھی کہ انھیں خود اپنی جانوں کا اندیشہ تھا۔ وہ اس مقام سے غیر حاضر تھے۔ اپنی جان بچا کے بھاگ رہے تھے۔ اور پوشیدہ تھے۔ دغاباز شمعون کو لالچ دیا گیا تھا وہ دن کی روشنی میں قیقان کاہن کے گھر میں گھس گیا اور اس سے کہا گیا تو بھی مسیح کے اصحاب میں ہے۔ تو اس نے انکار کیا اور گھر سے بھاگ گیا۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ مسیح کی سولی کی خبر کسی ایسے شخص نے نقل کی ہے جس کی سچائی کو دل خوشی سے مان لے۔ پھر کیا فائدہ اگر اس کو ایک بڑی جماعت نقل کرتی ہے۔

کلام اللہ کی تصدیق

کلام الٰہی کے یہی معنی ہیں "ولکن شُبِّہَ لھم" (لیکن انھیں دھوکا ہو گیا مسیح کو نہ قتل کیا گیا نہ سولی دی گئی) اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ ان فاسقوں نے جنھوں نے اس باطل کی تدبیر کی اور اس پر اتفاق کر لیا۔ انھوں نے اپنی پیروی کرنے والوں کو دھوکے میں ڈالا۔ اور انھیں یہ خبر دی کہ انھوں نے مسیح کو سولی دیدی اور قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ اس خبر میں مکاری کر رہے تھے اور جانتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ واقعہ کسی صحیح حواس والے پر مشتبہ ہو جاتا تو تمام نبوتیں باطل ہو جاتیں۔ کیونکہ (معجزات۔ کے متعلق احتمال ہوتا کہ) شاید صحیح حواس کو دھوکا ہو گیا۔ اگر

یہ ممکن ہوتا تو تمام حقایق ہی باطل ہو جاتے۔ اور یہ احتمال ہوتا کہ ہم میں سے ہر شخص کھاتے ہیں۔ لباس پہنتے ہیں اور کسی شخص کی ہمنشینی میں اور اس جگہ ہیں کہ جہاں وہ ہے دھوکے میں ہے۔ (یعنی جو کچھ اس کی سمجھ میں آرہا ہے درحقیقت واقعہ اس کے خلاف ہے اور نظر کا قصور ہے) اور شاید وہ سو رہا ہے یا اس کے حواس کو دھوکا ہو رہا ہے۔

آیت کا مطلب

قرآن کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے جو مسیح کو سولی دیتے دیکھا۔ ان دیکھنے والوں کو دھوکا ہوا۔ ورحقیقت وہ سولی نہ تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چند آدمیوں نے مسیح کے دشمنوں سے رشوت ٹھیرالی اور انھیں آبادی سے دور کسی طرح لے گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد جب مسیح غائب ہو گئے اور آسمان پر اٹھا لیے گئے تو ان لوگوں نے وہاں سے آکر مسیح کے دشمنوں سے یہ واقعہ چھپایا اور ان سے یہی کہا کہ ہم نے قتل کر دیا۔ اور یہ کہہ کر اپنی رشوت وصول کر لی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو قتل کے لیے جو معاوضہ طے ہوا تھا وہ انھیں کیسے ملتا۔ اور چونکہ مسیح آسمان پر اٹھا لیے گئے اس لیے ان جھوٹوں کو اپنے جھوٹ کے کھلنے کا بھی اندیشہ نہ تھا اور مسیح کے گم ہو جانے سے لوگوں کو ان کے بیان پر یقین بھی آگیا۔ بس واقعہ یہ ہے کہ یہ چند بدمعاش ہی قتل کے پہلے راوی ہیں اور بقیہ اشخاص ان پر اعتماد کر کے اس خبر کے دنیا بھر میں شہرت دینے والے ہیں اور خود ان میں سے کوئی شخص اس واقعے کا دیکھنے والا نہیں ہے اس لیے قرآن سچا ہے اور یہ لوگ جھوٹے تو نہیں مگر مغالطے میں ہیں۔

اشتباہ نظر

اس قول میں کہ دیکھنے والوں کو واقعۂ قتل میں شبہ ہو گیا۔ سوفسطائیہ کے قول اور حماقت و بیہودگی کی طرف جاتا ہے اور ہم نے خود اپنے زمانے میں اسی طرح کے ایک واقعے کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

ایک مشاہدہ

ہم لوگ المؤید ہشام بن الحکم المستنصر کے دفن کے وقت موجود تھے۔

میں نے اور دوسرے لوگوں نے ایک جنازہ دیکھا جس میں ایک شخص کفنایا ہوا تھا۔ اس کے غسل کے وقت دو جلیل القدر شیخ جو حکمائے مسلمین میں سے تھے موجود تھے۔ چند عادل قاضی گھر کے اندر تھے۔ گھر کے باہر میرے والد رحمۃ اللہ علیہ اور معززین شہر کی ایک جماعت تھی ہم نے ہزارہا آدمی کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ تقریباً سات مہینے سے زیادہ نہ گزرے ہوں گے کہ وہ زندہ ہو کے ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد اس سے بیعت خلافت کی گئی۔ میں اور دوسرے لوگ بھی اس کے پاس گئے اس کے سامنے بیٹھے اور اسے دیکھا۔ اور وہ تقریباً دو مہینے کم تین سال تک زندہ رہا۔ (مطلب یہ ہے کہ درحقیقت موید نہیں مرا تھا بلکہ یہ لوگوں کا فریب تھا۔)

جماعت نہ تھی

معترض کا یہ کہنا کہ تم نے جماعت پر فریب دہی کے الزام کو جائز رکھا (تو یہ غلط ہے) کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ ہرگز جماعت نہ تھی (بلکہ چند رشوت خوار بدمعاش تھے جنھوں نے دیدہ و دانستہ جھوٹی خبر مشہور کر دی تھی) یہاں تک کہ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ ایک بڑی جماعت تھی تو پھر ہر معجزے میں یہ کیونکر ناممکن ہو گا کہ وہ طبائع اور حواس کو بدل دیتا ہے۔ یہ بدیہی طور پر ممکنات پر محمول نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ بہت بڑی جماعت تھی تو اللہ تعالی کی یہ خبر "شبہ لھم" (انھیں فریب دیا گیا) ان کے حواس پر حاکم اور اور ان کی بدل دینے والی ہو گی جیسا کہ شب ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کے سو آدمیوں کے سامنے سے نکل جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی جانب سے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ لوگ آپ کو نہ دیکھ سکے۔

جب تک اللہ عزوجل کی جانب سے یہ خبر نہ آئے کہ بڑی جماعت پر مشتبہ ہو گیا اور انھیں دھوکا ہو گیا اس وقت تک یہ کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ محال کا یقین کرنا اور طبیعت کا بدلنا ہے۔ اور طبائع کا بدلنا ممکن میں داخل نہیں اس کے سوا کہ اس کے متعلق اللہ عزوجل کی جانب سے

یقین دلایا جائے تو پھر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔

نقل کلام نصاریٰ

دھوکا ہو جانا ایک دو یا اسی کے قریب لوگوں کو تو ممکن ہے۔ اور اسی طرح عقل نہ ہونا اور بیوقوف ہونا ایک دو یا اسی کے قریب لوگوں کے لیے ممکن ہے لیکن پوری جماعت کے لیے ممکن نہیں۔

کلام الہٰی وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم (یعنی نہ انھوں نے مسیح کو قتل کیا نہ سولی دی۔ لیکن لوگوں کو دھوکا دیا گیا) یہ محض اُن یہود و نصاریٰ کی خبر دیتا ہے جو اپنے اسلاف کی تقلید میں کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام قتل کر دیے گئے اور انھیں سولی دیدی گئی۔ ان لوگوں کو شبہے میں ڈالا گیا یعنی مسیح کے متعلق یہ لوگ شبہے میں ڈالے گئے اس وقت انھیں دھوکا دینے والے چند بدکار بوڑھے اور کچھ بدمعاش لوگ تھے جن کے متعلق یہ یقین کر لیا گیا کہ انھوں نے مسیح کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا حالانکہ یہ بدمعاش جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہوا اور انھوں نے جس کو پایا پکڑ لیا اور خفیہ طور پر لوگوں کی آڑ میں اُسے قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ پھر اُسے اتار کر اُن عام لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے جن پر اس واقعے کی خبر مشتبہ تھی دفن کر دیا۔

اسے کیا کہتے ہیں؟

جب ہم اللہ کی قوت و قدرت سے اس مسئلے میں ایسا بیان دے چکے جس میں لوگوں نے کوئی حرف گیری نہیں کی تو اس کے بعد ہم یہود و نصاریٰ سے کہتے ہیں کہ تمھارے بڑے بڑے گروہوں نے اپنے بعض انبیاء کی بدکاری اور کنیزوں کے ساتھ مجامعت نقل کی ہے حالانکہ وہ تمھارے نزدیک حرام ہے۔ اور ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ انھیں بنی اسرائیل کے لیے گوسالہ بنایا اور انھیں اس کی عبادت کا اور اس کے آگے ناچنے کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انبیا علیہم السلام کو غیر اللہ کی عبادت سے اور اس کے حکم دینے سے اور ہر معصیت اور

رذیل کام سے پاک و بری بتایا ہے۔ پھر جب ان سب نے اس کو انبیاء پر جائز رکھا جن میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بقیہ انبیاء ہیں۔ تو یہ ہو گا کہ جو کچھ ان انبیاء نے انھیں حکم دیا وہ گؤسالہ رقص گؤسالہ کی عبادت کی قسم سے اور کنیزوں سے مجامعت اور اُن تمام باتوں کی قسم سے ہو گا جو انھوں نے حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ گؤسالہ اپنی طبیعت سے بولتا تھا (حالانکہ یہ خلاف عقل ہے)۔

ہمارا جواب ان تمام امور میں یہ ہے کہ ان میں سے ایک بات بھی کسی بڑی جماعت نے (خود دیکھ کر) نقل نہیں کی۔ چند افراد نے نقل کی جو اس میں جھوٹ بولے۔ گؤسالے کی آواز جیسا کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں یہ تھی کہ وہ ہوا کی آواز تھی جو اس کے منہ سے داخل ہو کر اس کی دم سے نکلتی تھی۔ نہ یہ کہ وہ کبھی اپنی طبیعت سے بولتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہو کہ وہ اپنی طبیعت سے بولتا تھا تو یہ بھی اس قوت کی وجہ سے ہو گا جو اس مشتِ خاک میں تھی جس کو سامری نے جبریل علیہ السلام کے نقش قدم میں سے اٹھا لیا تھا۔ جو معتبر بات ہے وہ وہی ہے جو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اور توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

مفروضات کی بحث

معترض کا یہ کہنا کہ سولی کے غلط ہونے کی آیت نازل ہونے سے پہلے کیا فرض تھا آیا سولی کا اقرار یا انکار۔ یہ بھی تقسیم فاسدہ و فریب ہے اور متقدمین متکلمین نے اس سے کڑا ایلا ہے۔ اور اہل معرفت نے حدود کلام میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ان لوگوں نے پہلے ایک فرض کو ضروری ٹھیرایا پھر اس کی دو قسمیں کر دیں۔ انکار کا فرض ہونا یا اقرار کا فرض ہونا۔ اور ایک صحیح قسم سے منہ پھیر لیا اور اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اس بات کو سوائے جاہل یا بیہودہ یا فریبی یا خود اپنے آپ کو

نقصان میں ڈالنے والے یا کسی کو دھوکا دینے والے کے کوئی اپنے لیے پسند نہ کرے گا۔

اس مقام پر سچائی یہ تھی کہ وہ یوں کہتا کہ قبل نزول قرآن لوگوں پر مسیح کی سولی کا اقرار فرض تھا یا انکار فرض تھا یا ان میں سے کچھ بھی فرض نہ تھا بس یہی تقسیم صحیح و سوال صحیح ہے۔

حق جواب یہ ہے کہ قبل نزول قرآن لوگوں پر اس کے متعلق کچھ بھی فرض نہ تھا نہ سولی کا اقرار نہ انکار۔ یہ محض ایک خبر تھی جو نہ عذر کو قطع کرتی ہے اور نہ علم کو ضروری ٹھیراتی ہے۔ جس کے قائل کا سچا ہونا بھی ممکن تھا۔ کیونکہ بہت سے انبیاء قتل کیے گئے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کا ناقل اس میں جھوٹا ہو۔

۵۸ اس کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کسی گھر کے اندر کی پوشیدہ چیز۔ اس سوال فاسد کے پیش کرنے والے سے کہا جائے کہ اس گھر کے اندر جو چیز پوشیدہ ہے اس کے متعلق لوگوں پر کیا فرض ہے آیا اس کا اقرار کہ اس میں مرد ہے یا اس کا انکار۔ ان سب باتوں سے کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ قرآن سے پہلے بھی اللہ تعالے نے کوئی کتاب نازل نہیں کی جس میں مسیح علیہ السلام کی سولی کا اقرار یا انکار فرض ہو۔ یہ تو قرآن کے نازل ہونے کے بعد فرض ہوا کہ مسیح کی سولی کی خبر کی تکذیب کی جائے۔

اگر وہ کہیں کہ خود حوارین نے سولی کی خبر نقل کی ہے اور وہ نبی و عادل تھے۔ تو بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے کہ جو لوگ حوارین کی نبوت و معجزات کے اور اس کے کہ وہ "مسیح علیہ السلام کی سولی کے قائل تھے" ناقل ہیں وہ وہی لوگ تو ہیں جنھوں نے حضرت مسیح کے نسب میں جھوٹی باتیں بیان کی ہیں۔ اور اس عقیدہ تثلیث کو بیان کیا ہے کہ جو اس کا قائل ہوگا وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا اور اللہ پر افترا کرنے والا اور اس کا کافر ہے۔

اگر حواریین سے ان امور کا نقل کرنے والا سچا ہے یا وہ ایک بہت بڑی جماعت ہے تو پھر یوحنا، متی۔ بولس محض جھوٹے اور کافر تھے۔ اور یہ کبھی حواریین صالحین میں سے نہیں ہو سکتے۔

اگر ان باتوں کا ناقل جو ہم نے ان کے متعلق بیان کیں کاذب ہے تو کاذب کی خبر و نقل پر حجت قائم نہیں ہوتی۔ لہذا یہ پہلی فریب کاری بھی باطل ہو گئی۔ والحمد للہ رب العلمین۔

عجیب فلسفہ

نصاریٰ کے متکلمین کہتے ہیں کہ "اتحاد مذکور (یعنی اب وابن وروح القدس کا اتحاد) تو محض انجیل کی تقلید ہے۔ کہ نہ کوئی نقل و حرکت تھی اور نہ باری تعالیٰ اور نہ علم اس سے جدا ہوئے جس پر کہ وہ تھے۔ اور نہ وہ دونوں منتقل ہوئے"

اُن سے کہا جائے کہ یہ تو اتحاد کا ابطال ہے اور تمھارا اس کا قائل ہوتا ہے کہ اس میں باری تعالیٰ کا اور اس کے مغایر کا حصہ برابر ہے۔ اور تمھاری امانت کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ بیٹا آسمان سے اترا اور مجسم ہو گیا اور جنا گیا اور قتل کر دیا گیا اور دفن کر دیا گیا۔

حجاب الٰہی

بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ "مسیح اللہ کا حجاب ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گفتگو کرتا ہے۔" ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم تو کہتے ہو کہ مسیح رب معبود والہ خالق ہیں۔ اور حجاب تو تمھارے نزدیک بھی مخلوق ہے۔ اور مسیح تمھارے یہاں بعض کے نزدیک طبیعت واحد ہیں اور بعض کے نزدیک دو طبیعتیں ہیں ناسوتیہ۔ لاہوتیہ۔ لہذا ہمیں بتاؤ تو کہ تم ناسوتیہ ولاہوتیہ دونوں طبیعتوں کی ملا کر عبادت کرتے ہو یا ان میں سے صرف ایک کی کرتے ہو اور دوسری کی نہیں کرتے۔ اگر کہیں کہ ہم تو دونوں کی عبادت کرتے ہیں۔ تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

انسان اور حجاب مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ بدترین شرک ہے۔
اگر کہیں کہ ہم تو صرف لاہوت کی عبادت کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ تب تو تم نصف مسیحؑ کی عبادت کرتے ہو نہ کہ کل مسیحؑ کی۔ اس لیے کہ وہ تو دو طبیعتیں ہیں جن میں سے تم ایک کی عبادت کرتے ہو نہ کہ دوسری کی۔

اسی طرح اُن سے مسیحؑ کی موت اور سولی کو بھی پوچھا جائے اور ملکیہ اور نسطوریہ تو اس کے قائل ہیں کہ موت اور سولی صرف ناسوت پر واقع ہوئی۔ اُن سے کہا جائے کہ تمھارا یہ قول جھوٹا ہے کہ مسیحؑ مر گئے اور سولی پا گئے۔ اس لیے کہ نصف مسیحؑ مرے اور نصف مسیحؑ نے سولی پائی۔ کیونکہ تمھارے نزدیک اسم مسیحؑ لاہوت و ناسوت کے مجموعے پر واقع ہے نہ کہ ان میں سے کسی ایک پر اور دوسرے پر نہیں۔

یعقوبیہ میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ "انسان و الٰہ شے واحد تھے" تو انھیں لازم ہے کہ وہ انسان کی پرستش کیا کریں۔ کیونکہ جب الٰہ کی پرستش کی جائے گی اور وہ الٰہ انسان ہے تو پھر انسان ہی کی پرستش کی گئی اور ان کا رب انسان مخلوق ہوا۔

جو یہ کہتا ہے کہ الٰہ غیر انسان ہے تو اس نے اتحاد کو باطل کر دیا۔ اسی طرح ان سے اللہ کے ساتھ والے حجاب کے بارے میں بھی بالکل اسی طور پر کہا جائے۔ ان سب فرقوں پر یہ الزام بھی ہے۔ کیونکہ یہ سب عبادت مسیحؑ کو اسی طرح مانتے ہیں کہ وہ رب خالق تھے۔ حالانکہ انجیل میں ہے کہ "وہ بھوکے تھے تو انھوں نے روٹی اور مچھلی کھائی اور پسینہ آیا اور انھیں پیٹا گیا" تو کیا ان کے رب نے کھایا اور بھوکا ہوا اور الٰہ کو پیٹا گیا اور طمانچہ مارا گیا اور سولی دی گئی۔ اور اس کی رذالت بدگوئی اور غلط بیانی کافی ہے۔

ملکیہ و یعقوبیہ سے کہا جائے جو اس کے قائل ہیں کہ "مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور مریم کے بیٹے ہیں۔" کہ تم نے اقرار کر لیا کہ مسیحؑ انسان و الٰہ ہیں۔ تو انسان تو

ابن اللہ و ابن مریم ہوا۔ اور آلہ ابن مریم ہوا۔ اور یہ انتہائی خرافات ہے۔

تحقیق من وراء حجاب

اگر کہیں کہ تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمھارے قرآن میں ہے "وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب" (یعنی بشر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بغیر وحی یا بغیر حجاب کے کلام کرے)۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وادی کے کنارے طور کے کنارے درخت سے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ تو ہم کہیں گے کہ تکلیم (کلام کرنا) اللہ کا فعل ہے جو مخلوق ہے۔ اور حجاب محض تکلیم کے لیے ہے (نہ کہ اللہ کے لیے) تکلیم وہی ہے جو درخت میں اور وادی کے کنارے اور طور کے ایک طرف پیدا ہوئی۔ اور یہ سب مخلوق و حادث ہے۔ ۵۹

اسی طرح جبریل علیہ السلام کا دحیہ کی صورت میں آنا محض اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور جن کو وہ قوت دی ہے جس سے وہ جس صورت میں چاہتے ہیں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب مخلوق ہیں۔ ان پر اعراض کا گذر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب میں ان کے متغایر ہے۔

اُن امور میں سے جن سے نصاریٰ پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ اُن سب کے لیے برہان ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُن لوگوں پر برہان ضروری ہے جو اسی شریعت کے پیرو ہیں جس پر ملکیہ۔ نسطوریہ۔ یعقوبیہ اور مارقیہ عمل کرتے ہیں جو اُن کے لیے قطعی ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو ہمارے اور بعض نصاریٰ کے درمیان میں آچکا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں ہیں۔

یا تو بعد عیسیٰ علیہ السلام نبوت کے بطلان کے قائل ہوں گے۔

یا بعد آپ کے اس کے امکان کے قائل ہوں گے۔

اگر وہ آپ کے بعد امکان نبوت کے قائل ہوں تو انھیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار بھی لازم ہے اس لیے کہ آپ کے

معجزات و علامات کا نقل کرنا اتنے بڑے بڑے گروہوں سے ثابت ہے کہ جن کے مثل عیسٰی وغیرہ علیہم الصلوٰۃ و السلام کے علامات نقل کرنے والے ہیں۔

اگر وہ بعد عیسٰی علیہ السلام بطلان نبوت کے قائل ہوں تو انھیں اپنی تمام شریعت ترک کرنا پڑائے گی۔ نماز تعظیم یکشنبہ۔ اور روزہ۔ ترک گوشت خوری و ترک نکاح و عید۔ وحلت خنزیر و مردار و خون و ترک ختنہ۔ اور اہل مراکب کو اپنے دین کے مطابق ترک نکاح۔ کیونکہ یہ تمام مذکورہ بالا امور ان کی چاروں انجیلوں میں سے کسی میں بھی نہیں بلکہ ان کی انجیلیں تو ان تمام امور کو باطل کرتی ہیں جن پر آج ان کا عمل ہے۔

انجیلوں میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ توریت کی شریعت کو بدل دوں۔ اور حضرت اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب یوم سبت (ہفتہ) و یہود کی عید فصح وغیرہ کو مانتے تھے۔ بخلاف ان تمام امور کے کہ جن پر وہ لوگ آج ہیں۔

اگر وہ مسیحؑ کے بعد وجود نبوت سے انکار کریں اور شریعت سوائے انبیاء کے اور کسی کی نہیں لی جاتی۔ ورنہ پھر اس کا شارع غیر انبیا علیہم السلام میں سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ پر حاکم ہو گا۔ اور یہ سب سے بڑا شرک و کذب اور لغو ہے۔ ان کی شرائع جو ان کا دین ہیں قطعاً کسی نبی سے ماخوذ نہ ہوئیں۔ اور وہ معاصی ہوئیں جن کا یقیناً بلاشک اللہ پر افترا کیا گیا ہے۔

واحد عدد نہیں

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اللہ کی مدد و توفیق و تائید سے انشاء اللہ (لا الہ الا ھو) یہ بیان شروع کریں کہ واحد عدد نہیں ہوتا۔

عدد کا خاصہ

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ عدد کا خاصہ یہ ہے کہ ایک دوسرا عدد اسکے مساوی پایا جائے اور ایک اور عدد پایا جائے جو اس کے مساوی نہ ہو۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے کوئی عدد ہرگز خالی نہیں ہو سکتا۔ مساوات یہ ہے کہ جب اُس کے ابعاض (افراد) کا تجزیہ کیا جائے تو وہ سب اُس کے مساوی ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ فرد و فرد (طاق و طاق) مساوی ہیں "اثنین" (دو) کے۔ اور زوج (جفت) و فرد (طاق) مساوی نہیں ہیں زوج (جفت) کے جو "دو" ہیں۔ اور ۵ مساوی ہیں ۲ + ۳ کے اور غیر مساوی ہیں ۳ کے اور اسی طرح عالم میں تمام عدد ہیں۔

بس یہی معنی ہیں ہمارے قول کے۔ کہ مساوی و غیر مساوی ہونا خاصہ عدد کا ہے اور ہم نے یہی مساوات مراد لی ہے نہ کچھ اور۔

اگر واحد کے ابعاض اُس کے مساوی ہوں گے تو وہ بلاشک کثیر ہو گا۔ اس لیے کہ درحقیقت واحد مطلق تو وہی ہے جو کثیر نہ ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں کسی صحیح حس والے کو شک نہیں ہو سکتا۔ ہر وہ شے کہ جس کے ابعاض ہوں بلاشک وہ کثیر ہے۔ اور اس وقت بدیہی طور پر وہ واحد نہیں ہے۔ لہٰذا بدیہی طور پر واحد وہی ہے جس کے ابعاض نہ ہوں۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ واحد کہ جس کے ابعاض اُس کے مساوی نہ ہوں وہ عدد نہیں ہے۔ اور ہم یہی بیان کرنا چاہتے تھے۔

بداہت کی شہادت

حس و بداہت و عقل اور وجود واحد پر شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر واحد موجود نہ ہوتا تو ہرگز کسی عدد پر قدرت نہ ہوتی۔ کیونکہ واحد ہی عدد و معدود کا وہ مبدا ہے (جہاں سے عدد شروع ہوتا ہے) کہ بغیر اُس کے وجود کے عدد و معدود تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

۶۰

اگر واحد نہ پایا جاتا تو دنیا میں نہ کوئی عدد کبھی پایا جاتا نہ معدود۔ حالانکہ تمام عالم ہی اعداد و معدودات موجودہ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ واحد بھی موجود ہے۔

جب ہم تمام عالم میں نظر طبیعی و ضروری ڈالتے ہیں تو ہم اس میں کسی وجہ سے بھی کوئی حقیقی واحد نہیں پاتے اس لیے کہ عالم میں ہر جسم منقسم ہے اور تجزیے کا احتمال ہے۔ اور ہمیشہ انقسام کی وجہ سے بجد متکثر ہے۔ اور ہر حرکت بھی اپنے متحرک کے ساتھ اس کے انقسام کی وجہ سے منقسم ہے۔

زمان حرکت فلک ہے اور وہ بھی انقسام فلک کی وجہ سے منقسم ہے۔ اور ہر مدت بھی اپنے متحرک کے ساتھ اس کے منقسم ہونے کی وجہ سے منقسم ہے۔

اسی طرح مقولات میں سے ہر مقولہ خواہ جنس یا نوع یا فصل سب منقسم ہیں۔

اسی طرح ہر عرض جو کسی جسم میں محمول ہے وہ بھی اپنے حامل کے انقسام کی وجہ سے منقسم ہے!

یہ وہ امر ہے جو بداہت عقل و مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور عالم سوائے مذکورۂ بالا اشیاء کے کوئی چیز نہیں لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عالم میں قطعاً کوئی واحد نہیں ہے۔ اور ہم ابھی ایک بدیہی دلیل سے ثابت کر چکے ہیں کہ واحد کا وجود ضروری ہے اور جب واحد کا وجود ضروری ہے۔ اور قطعاً عالم کی کوئی چیز واحد نہیں ہے۔ تو وہ لامحالہ کوئی شئے ہے جو عالم کے مغایر ہے۔ پھر جب یہ اس طرح ہے تو پھر اس ضرورت سے کہ بغیر اس کے مفر نہیں بس وہ وہی واحد اول ہے جو خالق عالم ہے۔ اس لیے کہ عقل کے نزدیک سوائے خالق عالم کے عالم کے مغایر اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

وہی واحد اول اللہ ہے کہ سوائے اس کے کوئی الٰہ نہیں، جو

ہرگز متکثر نہیں، نہ بذریعۂ عدد، نہ بطور صفت؛ اور نہ کسی اور وجہ سے۔ اس کے سوا ہرگز کوئی واحد نہیں۔ اور نہ اس کے سوا ہرگز کوئی اول ہے اور نہ کوئی اسکے سوا موجد فاعل خالق ہے وتنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

بطور مجاز

ہم نے محض عالم کے ہر فرد کے متعلق کہا جس کا نام لغت میں شمار کے وقت واحد ہے بطور مجاز کہے ہے۔ وہ معنی کے اعتبار سے کثیر ہے کیونکہ اس میں تقسیم کا احتمال ہے۔ اور اس کی مساحت ہے جس کے کثیر اجزاء ہیں جب وہ تقسیم کیا جاتا ہے تو اس میں کثرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن جو تقسیم نہیں ہو سکتا وہ فرد (واحد) حقیقی ہے۔ اور ہم نے اپنی اس کتاب کے آخر میں ایسی برہان بیان کی ہے جس سے عالم کے ہر جزء کے انقسام کا احتمال واجب ہو جاتا ہے۔ جو ایسی براہین ہیں جن سے مفر نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تم بار وتار اور تمام حروف ہجا کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا ان میں سے ہر حرف ایسا واحد نہیں جو منقسم نہ ہو سکے؟ بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ یہ ایک فریب ہے اور اس قسم کے فریبوں کو یاد رکھنا مناسب ہے۔ اس لیے کہ حرف محض ایک ہوا ہے جو اس حرف کے مخرج سے بعض آلات صوت کے اس ہوا کے نکالنے سے پھیپھڑے اور اوپر کی جھلیوں اور حلق اور تالو اور زبان اور دانتوں اور ہونٹوں سے نکلتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ نکلنے والی ہوا جسم طویل عریض عمیق ہے اور اس میں بدیہی طور پر منقسم ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہی ہوا حرف ہے۔ لہٰذا حرف جسم ہوا جو انقسام کو قبول کر سکتا ہے وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جناب باری نے کیا پورے عالم کو، جیسا کہ ہے مع تمام احوال، بغیر کسی زمانے کے پیدا کر دیا؟
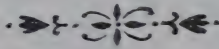
ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے جو خالق کو تو مانتے ہیں مگر نبوت کو نہیں مانتے اور اُن لوگوں کو بھی جو اُس طریقے پر چلتے ہیں۔ ہم نے ایک شخص سے اس پر مناظرہ کیا۔ میں نے کہا کہ تم جو کچھ کہتے ہو اللہ تعالیٰ کی قوت میں ممکن ہے۔ اور جو ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی سے (پہلے) ایک مرد پیدا کیا اور (پھر) ایک عورت پیدا کی۔ لوگوں کی نسل انہیں دونوں سے چلی۔ ممکن تو یہ بھی ہے۔ پھر تم اس حیثیت سے (کہ سب سے پہلے انسان اور باپ تمہیں بنتے) اس حیثیت کی طرف کیوں مائل ہو گئے؟

وہ کچھ دیر سوچتا رہا جب اُسے کوئی دلیل نہ ملی تو کہنے لگا کہ تم لوگ بھی اس حیثیت سے اس حیثیت کی طرف کیوں مائل ہو گئے؟ میں نے کہا کہ اُن دلائل ضروریہ کی وجہ سے جو ہمارے قول کو ثابت کرتی ہیں اور تمہارے قول کی نفی کرتی ہیں۔

منجملہ اُن دلائل کے ایک یہ ہے کہ اگر یہ ہوتا جو تم کہتے ہو تو یہ ضرور ہوتا کہ اس وقت جس شخص کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود کی طرف لاتا جوان یا بوڑھے۔ وہ اسے جانتے اور خود سے اُسے محسوس کرتے اور یقین کرتے کہ وہ اس وقت اسی کی وجہ سے پیدا ہوئے اور اس کے قبل نہ تھے۔ اور

اب وہ ایسے حال میں پیدا ہوئے ہیں کہ وہ اپنی صنعتوں تجارتوں اور اپنے دوسرے کاموں میں کھیتی کاشتکاری پارچہ بافی سلائی روٹی اور کھانا پکانے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اسے ضرور اپنی اولاد سے اس طرح نقل کرتے کہ انھیں اس کے متعلق علم یقینی حاصل ہوجاتا۔ جیسا کہ ہر وہ نقل جو اس (عدم سے وجود میں) آنے سے کمتر لاتی ہے اس سے علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم سے پہلے بادشاہ تھے سلطنتیں تھیں۔ جنگیں ہوئیں اور اس طرح زمانہ ہم تک پہنچا۔ اور اس کو سب لوگ یقینی طور پر جانتے کیونکہ جس بات کو تمام روئے زمین کے لوگ اپنے مشاہدے سے بیان کریں اس میں کبھی شک کرنا ممکن نہیں۔ جیسا کہ طلوع وغروب آفتاب اور موت وولادت وغیرہ کو بیان کیا جائے۔ حالانکہ ہم بات اس کے خلاف پاتے ہیں اس لیے کہ ہم تمام روئے زمین کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ قطعاً اس کو نہیں جانتے بلکہ اُن میں سے ایک بھی اس کو نہیں جانتا۔ اور تم نے جو اس کو بیان کیا اور تم نے جس کی موافقت کی اور میں نے جس کی موافقت کی یہ محض رائے اور ظن سے ہے نہ کہ خبر ونقل سے۔

یہ محال وممتنع ہے کہ جس خبر کو تمام اہل عالم اول سے آخر تک اپنے مشاہدے سے اُن لوگوں سے بیان کریں جو اُن کے بعد پیدا ہوئے اور وہ خبر اس طرح پوشیدہ رہے کہ اسے روئے زمین کا کوئی باشندہ بھی نہ جانے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کذب ابتدائی عقل اور بداہت ہی سے معلوم ہوجاتا ہے۔

اُس نے کہا کہ وہ بات جو تم بیان کرتے ہو اس کے متعلق بھی ہم نے ایسی جماعتیں پائی ہیں جو اس کی منکر ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ وہ امر بھی باطل ہوجائے جس سے تم ہم سے معارضہ کرتے ہو۔

میں نے کہا کہ دونوں نقلوں اور خبروں میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ اس لیے کہ ہماری نقل صرف ایک مرد اور ایک

عورت کے بیان کی طرف رجوع کرتی ہے۔ وہ دونوں وہی ہیں جن کو اللہ نے نوع انسانی میں سب سے پہلے پیدا کیا۔ جو خبر اس طرح کی ہو اس سے علم ضروری نہیں حاصل ہوتا۔ اس لیے کہ اس میں متفق ہوجانا ممکن ہے۔ اگر وہ انبیاء جو معجزات لائے اس خبر کی تصحیح نہ کرتے تو محض نقل کے طور پر ہمارا قول ثابت نہ ہوتا۔ بلکہ ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں ایک جماعت پیدا کی جس سے مخلوق کی نسل چلی۔ لیکن جب ایسے شخص نے خبر دی جس کے قول کی تصحیح معجزے نے کردی کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی میں شروع میں صرف ایک مرد اور ایک عورت کو پیدا کیا تو اس کے قول کی تصدیق واجب ہوگئی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ تم نے ہمارے اس قول کی صحت تو ثابت کردی اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو اس طرح شروع کیا کہ اس نے ایک مرد اور ایک عورت کو پیدا کیا پھر تم نے ایک زیادت کا دعوی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو کے سوا جماعتیں پیدا کیں اور اس پر نہ تو کوئی برہان لائے اور نہ کوئی دلیل اقناعی لائے چہ جائیکہ برہانی۔ اُن براہین سے جو ہم پہلے لائے ہیں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ایک مبدا کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ایک عورت اور ایک مرد کا پیدا ہونا ضروری ہوا جو اس سے زیادہ کے پیدا ہونے کا مدعی ہے۔ وہ ایسی بات کا مدعی ہے جس پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اور جو ایسا ہو بلاشک وہ باطل ہے۔

جو بات میں نے بیان کی وہ ایسی خبر ہے جو ہند، مجوس، صابئین، یہود، و نصاریٰ، اور مسلمین سب میں ہے ان لوگوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صرف ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ جو ایسی خبر آئی ہو اس پر دعوے سے اعتراض جائز نہیں۔ ان لوگوں نے صرف ناموں میں اختلاف کیا ہے (کہ اس مرد و عورت کا نام کیا تھا) اور اس میں کوئی معترض نہیں۔ اس لیے کہ

کبھی ایک شخص سے بہت کے نام ہوتے ہیں۔ اور کوئی روکنے والا اس سے نہیں روکتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم نے اس کے بارے میں کوئی معارضہ نہیں پایا۔ اور نہ ہمیں کسی ایسے متکلم کا علم ہوا جس نے اس فرقے کا ذکر کیا ہو۔ میں نے دوران گفتگو میں اس سے یہ بھی کہا تھا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جب عالم دفعۃً (عدم سے وجود کی طرف) نکل آیا تو کیا اس میں حاملہ عورتیں بھی نکال کے چھوڑ دی گئیں اور خوانچے والے بھی اپنے خوانچوں پر بیٹھے ہوئے انجیر بیچ رہے تھے۔ وہ ہنسا اور سمجھ گیا کہ میں نے اس کے قول کا فساد ثابت کرنے کے لیے تمسخر کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ "ہاں"۔ میں نے اس سے کہا کہ مناسب ہے کہ یہ سب کے سب انبیاء ہوتے جن میں سب کو اول سے آخر تک ان علوم و صناعات کے متعلق جو انھیں حاصل ہیں وحی نہ بھیجی جاتی یا انھیں اس کا الہام کیا جاتا۔ اور اس میں دعوے کا جیسا بطلان ہے وہ مخفی نہیں۔

۶۲

جو اعتراض ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ جزائر جو خشکی سے علیحدہ سمندروں میں ہیں اور ان میں چیونٹیاں کیڑے مکوڑے اور بہت سی چڑیاں پائی جاتی ہیں۔ (اگر ابتدا میں ایک ہی جوڑا پیدا ہوا تھا تو پھر جزائر میں وہ جانور کیسے پائے جاتے ہیں جو بڑی خشکی میں پائے جاتے ہیں)۔

میں کہوں گا کہ کوئی ذی حس اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ چیزیں ان مسافروں کے اسباب میں گھس جاتی ہیں جو ان شہروں میں جاتے ہیں۔ چوہیوں کو جہاز میں گھستے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو تمھاری بیان کی ہوئی بات کو لازم کر دے۔ باوجود اس کے کہ حیوان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بدن و زمین کی عفونت سے پیدا کرتا ہے۔ (مثلاً جوں۔ کیچوے) اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر

زمانے میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔
اور ایک دوسری قسم جو پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے عالم ہی میں اس طرح ترتیب دیا تھا کہ وہ ان کو مذکر و مؤنث کی منی ہی سے پیدا کرے گا۔ چنانچہ یہ قسم بلاشک وہی ہے کہ اُن جزائر میں جانئے سے پیدا ہوئی۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم سوائے انسان کے کسی نوع میں اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ نے اُس میں دو سے زیادہ پیدا کیے ہوں۔ اور یہ اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی خبر صادق بھی نہیں آئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے وقت نوح علیہ السلام اور اُن کی کشتی کے بارے میں فرمایا ہے "واحمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول" (اے نوح اس کشتی میں ہر ایک کا جوڑا یعنی دو دو لادلو۔ اور اپنے متعلقین کو بھی سوار کر لو سوائے اس کے کہ جس کے لیے پہلے ہی حکم ہو چکا ہے)۔ اس کے ساتھ ہی یہ ممکن ہے کہ نوح علیہ السلام کو ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہی لادنے کا حکم ہو۔ یہ حکم اس کو نہیں روکتا کہ ممکن ہے کہ کچھ پانی کے نباتات اور آبی حیوانات کشتی سے باہر رہ گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔ اور ہم تو اسے بھی مانتے ہیں کہ عقل اُسے واجب یا ممتنع نہ کہتی ہو اور محض نبوت ہی اُسے لائی ہو۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہ عالم میں ہے عالم و معلوم۔ صانع و مصنوع سب کو دفعۃً پیدا کر دیا ہوتا تو یہ از روئے عقل دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہ ہوتا اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔ یا تو وحی سے اور اللہ تعالیٰ کے واقف کرنے سے ایسا ہوا۔ اور یا ایسی طبیعت سے جو ان میں مرکب تھی اور وہ اس کی مقتضی تھی کہ یہ جو کچھ جان رہے ہیں جان لیں اور جو بنا یا ہے بنا لیں۔ اگر یہ وحی و اعلام (بتانے) اور توقیف (واقف بنانے) سے ہوا تب تو پھر تمام سب کے لیے نبوت ثابت ہو گئی۔ کیونکہ نبوت کے معنی اس کے سوا

کچھ نہیں ۔ اور یہ ایسے شخص کا دعویٰ ہے جو بلا دلیل اس کا قائل ہے اور جس پر دلیل نہ ہو وہ باطل ہے ۔ اس کا قائل ہونا جائز نہیں. خاصکر وہ لوگ جو نبوت کے تو منکر ہیں اور اس کے قائل ہیں ۔ ان کے قول کا تناقض کھل گیا ۔ (یعنی بعض کے لیے تو وحی کے قائل نہ ہوئے اور کل کے لیے قائل ہو گئے)۔

اگر یہ سب طبیعت ہی سے جو اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ بغیر تعلیم و توقیف عالم علوم ہوں اور مختلف زبانوں میں متکلم ہوں اور مصنوعات میں متصرف ہوں تو یہ محال ہے اور عقل و طبیعت میں ممتنع ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ہمیشہ اسی طرح پائے جاتے (کہ بغیر تعلیم و تعلم عالم و صائغ وغیرہ ہوتے)۔ کیونکہ طبیعت تو ایک ہی ہے جو بدلتی نہیں ۔ اور ظاہری طور پر ہم جانتے ہیں کہ کبھی کوئی شخص کسی زمان یا کسی مکان میں ہرگز نہیں پایا جا سکتا جو ایسے علوم ظاہر کرے جو اسے کسی نے نہ سکھائے ہوں ۔ یا کوئی ایسی زبان بولے جس کی اسے کسی نے تعلیم نہ دی ہو ۔ یا کوئی ایسی صنعت دکھائے جو اسے کسی نے نہ بتائی ہو ۔ اور اس کی دلیل وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ شہر جس میں علوم اور اکثر صنایع نہیں ہیں جیسے صقالبہ و سودان کا ملک اور وہ دیہات جو شہروں کے درمیان ہیں ان میں کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ علم و صنعت میں سے کچھ جانتا ہو ۔ تاوقتیکہ کوئی معلم اسے نہ سکھائے ۔ اور کوئی بول نہیں سکتا تاوقتیکہ اسے کوئی نہ سکھائے ۔ لہٰذا اس قول کا فساد براہان سے ظاہر ہو گیا ۔ اور قبل براہان بھی خود قائل کے براہان سے عاری رہنے کی وجہ سے بھی) اس کا فساد ظاہر تھا ۔

نبوت و ملائکہ کے منکر

۶۳

برہمن مت یہ براہمہ (برہمنوں) کا مذہب ہے ۔ یہ ایک قبیلہ ہے

ہند میں جن میں اشراف اہل ہند شامل ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ برہمی (برہما) کی اولاد میں ہیں جو ان کے بادشاہوں میں سے ایک قدیم بادشاہ تھے۔ ان کی ایک علامت ہے جس کی وجہ سے یہ ممتاز رہتے ہیں۔ اور وہ سرخ و زرد ڈورے تلواروں کی طرح گردنوں میں ڈالے رہتے ہیں (یعنی زنار یا جنیو پہنتے ہیں) وہ بھی ہماری طرح توحید کے قائل ہیں سوائے اس کے کہ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے انکار میں اُن کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ عزوجل حکیم ہے۔ اور وہ جس کو کسی ایسے شخص کی طرف رسول بنا کے بھیجے گا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ یہ شخص اُس (رسول) کی تصدیق نہیں کرے گا۔ تو پھر بلا شک وہ فعل عبث کا مرتکب ہو گا اور ایک نہ ہو سکنے والے کام کی مشقت برداشت کرے گا۔ لہذا اللہ کے رسول بھیجنے کی نفی کرنا ضروری ہوا تاکہ وہ عبث و دشواری کے الزام سے بری رہے۔

برہمن یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے رسولوں کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے ایمان کی طرف نکالے۔ تو اس کی حکمت کے زیادہ مناسب اور اس کے مقصود کو زیادہ پورا کرنے والا تھا کہ وہ عقول کو مجبور کر دیتا کہ وہ اُس پر ایمان لائیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی رسولوں کا بھیجنا باطل ہو گیا۔ اور برہمنوں کے نزدیک رسولوں کی بعثت باب محال و ممتنع میں سے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ رسول مبعوث کرے رسول کا آنا باب امکان میں واقع ہے۔ (محال نہیں)۔ بعد اس کے کہ اللہ عزوجل نے رسولوں کو مبعوث کر دیا حد وجوب میں ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے منجانب اللہ خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا تو اب امتناع پیدا ہو گیا۔

ہم اس تکلیف کے محتاج نہیں کہ اس قول کو بیان کریں جو بعض مسلمان کہتے ہیں کہ رسولوں کا آنا باب واجب میں سے ہے۔ اس بارے میں ان مسلمانوں کا استدلال یہ ہے کہ حکمت میں انذار یعنی ڈرانا واجب ہے۔

یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور ہمارا قول یہی ہے جو ہم نے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کسی علت کی وجہ سے نہیں کرتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ کرے وہی عدل و حکمت ہے خواہ کچھ بھی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

پیغمبر کیوں بھیجے گئے

جو پہلی حجت سے استدلال کرتا ہے کہ بعثت اس حکمت کے خلاف ہے۔ اور حکیم ایسے شخص کی طرف رسول نہیں بھیجے گا جس کو وہ جانتا ہو کہ یہ رسول کی نافرمانی کرے گا۔

اس سے کہا جائے کہ یہ فساد کی جڑ کہ تمھیں اس بات کا حکم دیتی ہے مجبور کرے گی کہ تم مانیہ کے اصول کی موافقت کرو جو کہتے ہیں کہ حکیم ایسے شخص کو نہیں پیدا کرے گا جو اس کی نافرمانی کرے اور نہ اس کو جو اس کے ساتھ کفر کرے اور اس کے اولیاء کو قتل کرے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ انھیں ان کے ذریعے سے اپنی راہ دکھائے۔

ان لوگوں سے کہا جائے کہ ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو ربوبیت و وحدانیت کے منکر ہیں۔ تو پھر یہ کہو کہ وہ حکیم نہیں ہے جس نے اس شخص کے لیے دلائل پیدا کیے جس کو وہ جانتا تھا کہ وہ ان دلائل سے استدلال نہ کرے گا۔

اگر وہ کہیں کہ ان دلائل توحید سے بہتوں نے استدلال کیا ہے۔

تو ان سے کہا جائے کہ بہتوں نے رسولوں کی بھی تصدیق کی ہے اگر وہ کہیں کہ اس نے مخلوق کو تو جیسا چاہا پیدا کر دیا۔ تو ان سے

کہا جائے کہ اس نے رسولوں کو بھی جیسا چاہا مبعوث کر دیا۔ پھر اس کا رسولوں کو بھیجنا بھی اُن دلائل میں سے ہے جن کو اس نے اس لیے پیدا کیا تا کہ اُن سے اس کی معرفت و توحید کی راہ ملے۔

ایمان بالجبر

جو حجت ثانیہ سے استدلال کرتا ہے کہ اُسے مناسب تھا کہ وہ عقول کو اپنے اوپر ایمان لانے کے لیے مجبور کر دیتا۔ اُس سے کہا جائے کہ تمہارے اس بیہودہ قول اور اس سلسلے کو رد کیا جا چکا ہے کہ اللہ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ انھیں اپنی ذات و وحدانیت کا راستہ بتائے۔

اس اصل فاسد کی بنا پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ یہ زیادہ مناسب تھا کہ جب اُس نے انھیں پیدا کیا تو انھیں استدلال کے لیے نہ چھوڑتا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو استدلال نہ کریں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جن پر استدلال مخفی رہے گا۔ لہٰذا حکمت میں مناسب یہی تھا کہ ان کی عقول کو اپنے اوپر ایمان لانے کے لیے مجبور کر دیتا، انھیں استدلال کی مشقت کی تکلیف نہ دیتا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ ایسے الطاف و عنایات کرتا کہ اس کے ساتھ سب کے سب ایمان اختیار کر لیتے۔ جیسا کہ اس نے ملائکہ کے ساتھ کیا۔

ان سب کا حاصل وہی ہے جو ہم نے ایک سے زیادہ مقامات پر بیان کیا ہے کہ مخلوقات جب کہ اس طرح ہیں کہ اُن سے کوئی فعل بغیر علت کے نہیں سرزد ہوتا۔ اور براہین ضروریہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ باری تعالیٰ تمام وجوہ سے اپنی تمام مخلوق کے خلاف ہے۔ تو واجب ہے کہ برخلاف تمام مخلوق کے اس کا ہر فعل بغیر علت کے ہو۔ اس لیے اس کے کسی فعل کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اس کو فلاں علت سے کیا۔

نہ اس پر کچھ کہا جا سکتا ہے جب کہ انسان کو نطق دیا گیا۔ اور

بقیہ حیوانات اس سے محروم رہے۔ بعض حیوانات کو اس نے صائد (شکاری و درندہ) پیدا کیا اور بعض کو مَصید (شکار)۔ اس نے اپنی تمام مفعولات کے درمیان میں جیسا چاہا فرق کیا۔ لہذا کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس نے انسان کو ناطق کیوں بنایا اور گدھے کو نطق سے محروم کیوں کیا۔ اور پتھر کو جمادات میں پیدا کیا جس میں نہ نطق نہ حیات۔ ۶۴

یہ وہ اصل (و قاعدہ) ہے جس میں برہمن ہمارے موافق ہیں۔ بقیہ لوگ جو توحید کے قائل ہیں وہ اس معنی کی تفریع میں ہمارے خلاف ہیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا تو کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس نے کیوں مبعوث کیا یا اس نے اسی شخص کو کیوں مبعوث کیا دوسرے کو کیوں نہ کیا۔ یا اس زمانے میں انھیں کیوں مبعوث کیا دوسرے زمانے میں کیوں نہ کیا۔ یا اس مقام پر انھیں کیوں مبعوث کیا کسی اور مقام پر کیوں نہ کیا۔ جیسا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے دنیا میں فلاں کو سعادت کیوں دی اور دوسرے کو کیوں نہ دی۔ اسی طرح جو کچھ عالم میں ہے جب اس پر نظر ڈالی جائے گی تو وہ ذات برتر نظر آئے گی جس کی یہ شان ہے "لا یُسئل عما یفعل وھم یُسئلون" وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور یہ لوگ (جو کچھ کرتے ہیں) ان سے باز پرس کی جائے گی۔

جب ہم نے اللہ کی قدرت و تائید سے اُن کے فریب کو توڑ دیا تو اب ہمیں اللہ کی مدد و تائید سے اثبات نبوت میں کلام کرنا چاہیے تاکہ وہ قول بیّن معلوم ہو۔ وباللہ التوفیق۔

اثبات نبوت

ہم گزشتہ حصۂ کتاب میں حدوث اشیاء بیان کر چکے ہیں کہ ایک

مُحدث ہے جو ازلی و واحد ہے جس کا کوئی مبدا نہیں اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور نہ اس کے سوا کوئی مدبر ہے اور نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے۔ جب یہ سب ثابت ہو گیا اور صحیح ہو گیا کہ اس نے تمام عالم کو بغیر کسی تکلیف اور بغیر کسی قیاس اور بغیر کسی طبیعت اور بغیر کسی استعانت اور بغیر کسی مثال سابق اور بغیر کسی علت موجبہ اور بغیر کسی ایسے حکم کے کہ جو پیدا کرنے سے پہلے کسی اور نے اُسے دیا ہو عدم سے وجود کی طرف نکالا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اس نے جب تک نہیں چاہا نہیں پیدا کیا اور جب اور جیسا چاہا کر دیا۔ اور جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور جو چاہتا ہے کم کرتا ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا خواہ اس میں کسی کو دل میں شک گزرے یا نہ گزرے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے باب ارکان میں داخل ہے جیسا کہ ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے۔ مگر انشاء اللہ ہم یہاں بھی تھوڑا سا بیان کریں گے۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ ہمارا مددگار ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اٹھارہ سے بیس سال کے درمیان مردوں کی ڈاڑھی نکلنا ممکن ہے اور وہی بارہ سال سے دو سال تک کی عمر میں ممتنع ہے۔ دشوار اشکالات کا دور کرنا، معانی غامضہ کا نکالنا، شعر بدیع کا کہنا، خالص فن بلاغت کا جاننا، ذہن ذکی لطیف اور رسا کے لیے ممکن ہے، سخت کند ذہن اور نہایت غبی کے لیے ناممکن۔ اس اصول پر ہمارے درمیان وہ ممتنع نہیں۔ اس لیے کہ وہ ہماری فطرت و طبیعت و عادت میں نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس شخص کے لیے غیر ممتنع ہے جس کی نہ کوئی فطرت ہو نہ طبیعت ہو، نہ اس کے نزدیک کوئی عادت ہو اور نہ کوئی ایسا مرتبہ ہو جو اس کے فعل کے لیے لازم ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا کو جو قوت حاصل ہے اس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نبوت امکان میں ہے۔ اور وہ بغیر کسی علت کے محض اپنی مشیت سے ایک ایسی جماعت کا مبعوث کرتا ہے

جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں بغیر تعلم و بغیر طلب کے علوم سکھاتا ہے۔ اور اسی باب سے ہے جو ہم میں سے کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے اور وہ صحیح نکلتا ہے۔ اور جو باب تقدم معرفت سے ہے۔

جب ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے آنے کے قبل نبوت حد امکان میں تھی اور اب کہ وہ آگئی تو ہمیں اللہ کی مدد و قوت سے اس کے وجوب کو بیان کرنا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا حالانکہ وہ موجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اسے پید کر دیا چنانچہ ہم بالیقین جانتے ہیں کہ علوم و صناعات ناممکن ہے کہ بغیر سکھے ہم میں سے کسی کی ان تک رسائی ہو سکے۔

مثلاً طب۔ معرفت طبایع۔ امراض۔ ان کے کثرت اختلاف اور ان کے اسباب اور ان کا اُن ادویہ سے علاج کہ جن کا سب کا تجربہ کرنا ناممکن ہے۔ اور ہر دوا کا ہر مرض میں تجربہ کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ کیسے مہیا ہو سکتا ہے حالانکہ دس ہزار برس میں بھی یہ ممکن نہیں عالم میں ہر مریض کا مشاہدہ کیونکر ممکن ہے۔ اس سے پہلے موت اور امور معاش کے ضروری مشاغل اور سلطنتوں کا چلا جانا اور بہت سے مشاغل ایسے ہوں گے جو اس کا موقع نہ دیں گے۔

مثلاً علم نجوم اور ان کے دورے کی شناخت اور ان کا افلاک کو قطع کرنا اور پلٹنا جو دس ہزار برس سے کم میں پورا نہ ہوگا۔ اور یہ ضروری ہے کہ جن مشاغل کو ہم نے بیان کیا انھیں بغیر روکے اسے طے کیا جائے۔

مثلاً وہ لغت (علم زبان) کہ بغیر اس کے نہ تربیت ہو سکتی ہے اور نہ زندگی اور نہ تصرف و معاملات۔ اور اس پر متفق ہونا بغیر دوسری لغت (زبان) کے ناممکن ہے۔ ثابت ہو گیا کہ ہر لغت کے لیے

مبدا ضروری ہے۔
مثلاً کھیتی کاشتکاری۔ پڑھنا پڑھانا۔ چکی اور اس کے آلات۔ گوندھنا اور پکانا اور دوہنا۔ مویشی کی حفاظت کرنا اور اُن سے نسل لینا درخت لگانا اور تیل نکالنا، السی بھنگ کو ٹنا۔ روئی کاتنا اور بننا، قطع کرنا سینا پہننا، ان سب کے آلات اور کاشتکاری کے آلات اور چکیاں اور کشتیاں اور اُن کا انتظام، سمندروں میں اُن کے ذریعے سے سفر۔ کنوؤں کی گراریاں، کنوؤں کا کھودنا، شہد کی مکھیوں کی اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش۔ کانیں نکالنا۔ لکڑی اور گارے سے عمارتیں بنانا۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں کہ بغیر تعلیم کے ان کی راہ نہیں مل سکتی۔ لہذا ضروری و واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک یا زائد انسانوں کو شروع میں ہر چیز بغیر معلم کے سکھائے یعنی بذریعۂ وحی۔ نبوت کی یہی صفت ہے۔ لہذا ایک یا چند نبیوں کا ہونا ضروری ہوا۔ نبوت و نبی کا عالم میں وجود صحیح ثابت ہوگیا جس میں کوئی شک نہیں۔
ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس نے ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں کیا اُسے ان چیزوں کا بنانا قطعاً ناممکن ہے۔ جیسے وہ شخص جو بہرا پیدا ہوا ہو اُسے کلام و گفتگو اور مخارج حروف تک پہنچنا قطعاً ناممکن ہے۔ مثلاً وہ شہر جن میں بعض صنعتیں اور یہ علوم مذکورہ نہیں ہیں جیسے سوڈان و صقالیہ اور اکثر گروہ اور شہر اور دیہات کے رہنے والے ان میں سے کسی کو بھی ابتدائے عالم سے اب تک اور اختتام عالم تک ایسے علم تک اور کسی صنعت تک پہنچنا کہ جسے وہ نہیں جانتا ناممکن ہے۔ تاوقتیکہ وہ انھیں نہ سیکھیں راہ پانے کی کوئی سبیل نہیں۔ اگر طبیعت میں ہوتا کہ وہ بغیر تعلیم کے ان چیزوں کو سیکھ لے تو عالم میں اس کی وسعت کے مطابق اور زمانے گزرنے پر ضرور وہ لوگ پائے جاتے جو اس کو جانتے ہوتے اگرچہ ایک ہی شخص ہوتا یہ وہ امر ہے کہ اس پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ ایسا شخص نہ پایا گیا اور نہ پایا جائے گا۔ اسی طرح کا

کلام علوم میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ سب امور شروع میں کتابوں میں جمع ہوں۔ اس لیے کہ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی مشقت نہیں۔ وہ تو ایک کتاب ہے جس کو کاتب نے نہیں سنا۔ اور اس کا یاد رکھنا ہے فقط۔ مثلاً وہ کتابیں جو منطق۔ طب۔ ہندسہ۔ نجوم۔ ہیئت۔ نحو۔ لغت۔ شعر اور عروض میں تالیف کی گئی ہیں۔

ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ابتداء میں مشقت لغت اور اس میں کلام کرنا اور ابتداء میں ہیئت کا سمجھنا اور اس کا سیکھنا۔ اور ابتداء میں امراض اور انواع کی تشخیص۔ اور دواؤں کی قوتیں اور اُن سے فائدہ اٹھانا۔ اور ابتداء میں صنعتوں کا جاننا اس سے ثابت ہو گیا کہ ان سب میں وحیٔ الٰہی ضروری ہے۔

حدوث عالم پر یہ بھی ایک بدیہی برہان ہے کہ اس کا کوئی با اختیار پیدا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عالم کی بقاء بغیر پیداوار اور معاش کے نہیں ہوسکتی۔ پیداوار اور معاش بغیر ان آلات و اعمال و صناعات کے نہیں ہوسکتے ان میں سے کسی شے کا وجود بغیر تعلیم باری تعالیٰ کے نہیں ہوسکتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ عالم موجود نہ تھا کیونکہ اُس کے بقاء کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں جو ہم نے بیان کی۔ پھر ایک ایسا معلم و مدبر پایا گیا جس نے اپنی تعلیم مذکورۂ بالا طریقے پر شروع کی۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

جب ہم یہ بیان کر چکے کہ نبوت کے بغیر چارہ نہیں اور یہ بدیہی دلائل سے ثابت ہو چکا تو اب ہمیں اُن براہین پر کلام کرنا چاہیے کہ جب نبوت واقع ہو تو اُن براہین کے ذریعے سے مدعی نبوت کے صدق کا علم صحیح حاصل ہو سکے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ جو کچھ ظاہر ہو چکا ہے اُن سب کا خالق باری تعالیٰ ہے اور وہ ہر ایسی چیز کے اظہار پر بھی

قادر ہے جو وہم میں آسکتی ہے اور اب تک ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ اُن دلائل سے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہم جانتے ہیں کہ عالم میں ان مراتب کا ترتیب دینے والا اور ان کو اُن طبائع پر جاری کرنے والا جن کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے پاس موجود ہیں وہی اللہ تعالیٰ ہے اور درحقیقت اُس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔

ہم نے دیکھا کہ ان مراتب و طبائع کے خلاف بھی ظہور ہوا ہے طبائع بدل گئیں۔ وہ اشیاء جو حد ممتنع میں تھیں واجب ہوگئیں اور پائی گئیں۔ مثلاً پتھر پھٹکر اُس سے اونٹنی نکل آئی۔ عصا سانپ بن گیا۔ مردے کو ایک انسان نے زندہ کر دیا سیکڑوں آدمیوں نے وضو کر لیا اور سیراب ہو گئے اُس تھوڑے سے پانی سے جو ایک چھوٹے سے پیالے میں تھا اتنا چھوٹا کہ اُس میں ہاتھ کھولنے سے تنگی ہوتی تھی اور اُس پانی کے لیے کوئی مادہ نہ تھا۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان طبائع کا بدلنے والا اور ان معجزات کا فاعل وہی اول ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا۔ ٦٦

ہم نے اُن قوتوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُن لوگوں کے ہمراہ کر دیا ہے جو اُس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ اور اُس پر اللہ سے شہادت طلب کرتے ہیں تو وہ ان معجزات کے ذریعے سے اُن کے لیے شہادت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کی خواہش پر اور اُن انبیاء کی عاجزانہ درخواست پر تاکہ اُن معجزات کے ذریعے سے اُن کی تصدیق ہو، پیدا کر دیے جاتے ہیں۔

بالکل بدیہی طور پر جس میں شک کی مجال نہیں جان جاتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کی جانب سے مبعوث ہیں۔ یہ جو چیز اللہ کی طرف سے بیان کرتے ہیں اس میں یہ سچے ہیں کیونکہ عالم میں کسی مخلوق کی طبیعت کو باری پر اور طبائع مخلوق پر اسی قسم کا تصرف کرنا ناممکن ہے۔

نبوت واجب ہے کیونکہ مدعی نبوت پر ایک ایسے معجزے کا ظہور ہوا جس میں طبایع کا اس طرح بدلنا ہے کہ جو اس کے بالکل خلاف ہے جس پر عالم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ یہ وہ اشیاء ہیں جن کی ایسی اسناد ہیں کہ یہ اپنے مشاہدہ نہ کرنے والے کو بھی اپنے وجود کے یقین تک اسی طرح پہنچا دیتی ہیں جس طرح اپنے دیکھنے والے کو اور کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ ایسی بڑی جماعت کا نقل کرنا ہے کہ ان کے شروع ہی سے عقول اور اول تعارف سے قلوب سمجھ لیتے ہیں کہ اس خبر کے متعلق جھوٹ یا غلط فہمی کی کوئی گنجایش ہی نہیں۔ اور یہ اس میں ممتنع ہے۔

جو اس سے تجاہل اختیار کرے اور اس پر کذب و وہم کو جائز رکھے تو وہ ہر معقول سے باہر ہے۔ اور اسے لازم ہے کہ وہ ایسے انسانوں کی بھی تصدیق نہ کرے جو اس کی نظر سے غائب ہیں کہ وہ بھی زندہ ہیں ناطق ہیں اور انھیں کے ہمشکل ہیں جو نظر کے سامنے ہیں۔

یہ بھی لازم ہے کہ اس کے نزدیک جو لوگ نظر سے اوجھل ہیں ممکن ہے کہ وہ مقررہ صورت شکل کے خلاف ہوں۔ کیونکہ جو حس سے اوجھل ہے اس کے نزدیک کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ بھی اسی کیفیت کا ہے جیساکہ اس کا ہمجنس موجود و حاضر سوائے اس کے کہ وہ اسے بڑی بڑی جماعتوں کے نقل کرنے سے جانتا ہے جیساکہ وہ نقل کریں کہ بعض لوگ بعض کیفیات میں اس کے خلاف ہیں تو ضرور اس کی تصدیق واجب ہوگی۔ مثلاً بلاد سودان اور جو اس کے مشابہ ہوں۔

اس شخص کو جو جماعت کی خبر کی تصدیق نہ کرے اور اس میں کذب و وہم کو جائز سمجھے لازم ہے کہ وہ اس کی بھی تصدیق نہ کرے کہ اس سے پہلے بھی کوئی شخص دنیا میں تھا۔ یا اب دنیا میں کوئی موجود ہے

سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی حس سے اس کا مشاہدہ کرے۔ جو شخص اس کو جائز رکھے تو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے دل سے کاذب ہے اور ان لوگوں کی حدود سے باہر ہے جن سے کلام کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ شئے بغیر طریق خبر کے معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔

جو شخص اس لیے بھاگے اور اس کا اقرار کرے کہ اس سے پہلے بادشاہ تھے اور علماء تھے اور جنگیں ہوئیں اور قومیں تھیں۔ اور اس کو یقین کرے اور اس میں سے اکثر میں اسے شک بھی نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک اتنی ہی صحت کے مرتبے میں ہو گویا اس نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ اور کوئی فرق نہ ہو۔ تو اس سے پوچھا جائے گا کہ یہ تم کو کیسے معلوم ہوا اور تمھارے نزدیک کیسے ثابت ہوا۔ اسے سوائے اس کے کوئی گنجائش نہیں کہ یہ کہے کہ اس کے نزدیک خبر سے ثابت ہوا جسے جماعت کثیرہ نے نقل کیا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ کیا تمھارے نزدیک اس میں جو بادشاہوں علماء اور جنگوں اور قوموں کے متعلق نقل کیا گیا اور جو علامات و معجزات انبیاء کے متعلق نقل کیا گیا کوئی فرق ہے۔ ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی میں کوئی فرق بیان کر سکے۔

اگر وہ کہے کہ اس میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ ان امور کا تو کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور معجزات انبیاء کا بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ بہت سے لوگ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتے جو تمھارے نزدیک ثابت ہیں اور جو ان لوگوں کو پیش آئیں جو ان لوگوں سے قبل تمھارے شہر میں تھے۔ اگر اس کو لوگ بیان کریں تو ان لوگوں کا اس سے انکار یا ناواقفی اس کو صحت سے نہیں نکالتی۔ اسی طرح معجزات انبیاء کے منکر کا انکار بھی ان کو وجود صحت سے نہیں نکالتا۔

اگر وہ کہیں کہ ان اخبار میں جو ہمارے قبل کی ہیں ان میں ہم لوگوں کو

اتنا جھوٹ پر نہیں پاتے جتنا کہ ہم علامات نبوت میں لوگوں کو جھوٹ پر پاتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی اُس سے کہا جائے کہ یہ غلط ہے۔ دونوں باتیں برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ بعض ایسے بادشاہ ہوئے جنھیں اپنے اسلاف کے ظلم وجور و قبائح کا بیان ناگوار تھا وہ اس باب میں تلوار وغیرہ سے (اپنے اسلاف کی) حمایت کرتے تھے۔ مگر وہ اس کے باوجود حق کے چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے یہ تمام واقعات اسی طرح منقول و معروف ہیں جس طرح اُن لوگوں کی مدح کہ جن کے فضائل سے بادشاہ وقت ناراض ہوتے تھے۔

مثلاً علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کہ آل مروان اُن کے چھپانے پر کبھی قادر نہ ہوئی۔ مامون و معتصم و واثق نے اپنی شاہانہ طاقت سے روئے زمین سے اس عقیدے کو قطع کرنا چاہا کہ قرآن غیر مخلوق ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں۔ بادشاہوں میں سے بھی اور قوموں اور امتوں میں سے بھی جو اُن کی تکذیب کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ کبھی ان کے معجزات چھپانے پر قادر نہ ہوئے۔ نہ اس کے ثابت رکھنے پر جو انھوں نے اس پر اضافہ کیا جو بیدین اس سے ناراض تھا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ دونوں امر (یعنی خبر جنگ و اقوام و خبر معجزات) برابر ہیں اور حق تو حق ہی ہے۔

۶۷

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ جو معجزات اُن سے ظاہر ہوئے شاید وہ ان معجزات کے ساتھ کوئی طبیعت و خاصیت ہو جس کی وجہ سے وہ ان معجزات کے اظہار پر قادر ہو گئے۔ تو اس سے کہا جائے وباللہ التوفیق کہ خواص بھی معلوم ہیں اور حیلے کے وجوہ بھی ثابت ہیں اور وہ عمل (جو نبی سے صادر ہوتا ہے) ان حیلوں میں سے نہیں ہے۔ مثلاً ایسے جسم کا پیدا کرنا جو نہ تھا۔ یا جیسے پانی کا پیدا کرنا جو نہ تھا۔ اور نہ ایک نوع یا جنس کا دوسری نوع یا جنس سے دفعتہً اور حقیقۃً بدل جانا ان حیلوں میں سے ہے۔ یہ سب وہ امور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے

ہاتھوں سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور ان میں انسان کے علم (وعمل) کا کوئی دخل نہیں ہے۔

معجزہ وسحر وشعبدہ میں فرق

انشاء اللہ تعالیٰ ہم معجزات انبیاء علیہم السلام اور اُن امور میں جن پر بذریعہ سحر قابو پایا جاتا ہے اور شعبدہ بازوں کے عجائب ہیں واضح فرق بیان کریں گے۔ ہم کہتے ہیں وباللہ التوفیق۔ عالم کل کا کل جوہر و عرض ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے ان دو کے سوا کوئی تیسری شئے عالم میں نہیں ہے۔ لیکن جوہر کی ایجاد انسان سے تعلق نہیں رکھتی جو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے جو عالم کا شروع کرنے والا اور اس کا پیدا کرنے والا ہے کسی اور کے لیے قطعاً ممتنع وغیر ممکن ہے۔ لہذا جس پر کسی جسم کے اختراع و ایجاد کا ظہور ہو مثلاً آب رواں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے لشکر کے سامنے بہنے لگا تو یہی معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی صحت پر شاہد ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اُن اعراض کا بدل دینا کہ جوہر بات وذاتیات ہیں جو ایسی فصول ہیں کہ اجناس سے اخذ کی جاتی ہیں۔ جیسے عصا کا بدل کر سانپ ہو جانا۔ کھجور کے تنے کا گنگنانا۔ اُن مردوں کا زندہ کرنا جو سڑ گئے اور اور ان کی ہڈیاں رہ گئیں۔ چند ساعت آگ میں اس طرح رہنا کہ وہ انھیں ایذا نہ دے سکے۔ اور اسی قسم کے واقعات۔ اسی طرح وہ اعراض جو اپنے حامل و موصوف کے فساد (وہلاک) کے بغیر زائل نہیں ہوتیں۔ مثلاً رزق اور اسی کے مثل۔ تو ان پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور کسی وجہ سے بھی

قادر نہیں ہو سکتا۔

لیکن وہ اعراض جو اپنے حامل (موصوف) کے فساد کے بغیر زائد ہو جاتی ہیں تو وہ کبھی سحر کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ اس میں طلسمات بھی ہیں۔ مثلاً بعض حیوانات کا کسی مکان سے بھگا دینا کہ پھر وہ اس کے قریب کبھی نہیں آتا۔ جس طرح بعض صنعتوں سے اولوں (بارش دی) کا دور رکھنا۔ اور اسی کے مشابہ۔ کبھی بات بڑھ جاتی ہے اور اس نوع کے بعض امور سے علم پھیل جاتا ہے یہانتک کہ اسے اکثر آدمی سمجھنے لگتے ہیں۔ مثلاً جھاڑ پھونک۔ اور رنگنا اور اسی کے مثل۔

مگر تخییل (یعنی نظر بندی جو ہمارے یہاں کے شعبدہ باز کیا کرتے ہیں) تو یہ ایک قسم کا فریب ہے۔ مثلاً چھری کہ اس کے دستے میں سوراخ ہوتا ہے اور چھری اس کے اندر چلی جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مضروب کے بدن میں گھس گئی۔ جو حیلوں میں ہے۔ اس کے سوا شعبدہ بازوں کے حسین بن منصور الحلاج کے اور بھی حیلے ہیں۔ یہ وہ امر ہے کہ سیکھنے سے اس پر قابو پایا جا سکتا ہے اور جو چاہے اس کے لیے سیکھنا ممکن ہے۔

انبیاء علیہم السلام جو کچھ لاتے ہیں وہ ذاتیات کا بدلنا ہے۔ منجملہ اس کے حواس کے طبایع میں تصرف کرنا ہے۔ مثلاً جو تمہیں ایسی چیز دکھائے جسے دوسرا نہ دیکھ سکے۔ یا اپنا ہاتھ مریض پر پھیرے اور وہ اچھا ہو جائے۔ یا اسے ایسی چیز پلا دے جو اس کے مرض کے لیے مضر ہو اور وہ اچھا ہو جائے یا غیب کی جزئی باتوں کی بغیر بنائے اور سوچے خبر دے۔ تو یہ سب امور ذاتیات کا بدلنا ہے جو کسی کے لیے ثابت نہیں۔ کیونکہ اس کا ثبات سوائے نبی کے کسی کے لیے نہیں ہوتا۔

جب کہ ہم نے نبوت کے آنے سے پہلے اس کے امکان پر اور آنے کے بعد اس کے وجوب پر کلام کیا ہے تو اب ہمیں اللہ کی قدرت و قوت سے اس (امکان و وجوب) کے بعد اس کے امتناع پر

بھی کلام کرنا چاہیے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ جو معجزات انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے ایسے شہادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن کے اقوال کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ وہ لائیں اس کا ماننا ہم پر واجب ہو جاتا ہے اور اُن کی ہر بات کا یقین کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور اُن جماعات کثیرہ کے نقل سے جنھوں نے آپ کی نبوت و معجزات و کتاب نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ جو صحیح حدیثیں عیسےٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق آئی ہیں کہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور یہود نے انھیں قتل کرنے اور سولی دینے کا دعویٰ کیا تھا۔ لہذا ان سب کا اقرار واجب ہے۔

68

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا وجود باطل ہے جو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اسی سے اس کا قول بھی باطل ہو جاتا ہے جو ہمیشہ رسولوں کے آنے اور اس کے وجوب کا قائل ہے یہ قول اُن دلائل سے بھی باطل ہو جاتا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جن سے ہم نے اس کے قول کو باطل کیا ہے جو امتناع نبوت کا قائل ہے۔

اُن لوگوں کی سب سے عمدہ حجت یہ ہے کہ اللہ حکیم ہے اور حکیم کی حکمت میں یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو بغیر انذار (بغیر ڈرائے) خالی چھوڑ دے۔

ہم نے اللہ کی قدرت و قوت سے اس کے قبل ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نہ کوئی شرط ہے اور نہ کوئی علت موجبہ کہ وہ کوئی شے کرے یا نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مہمل چھوڑ دیتا تب بھی حق و بہتر ہوتا۔ اگر وہ انھیں اسی طرح پیدا کرتا جس طرح اس نے بقیہ حیوانات کو پیدا کیا کہ انھیں کوئی شریعت لازم نہیں کی۔ اور نہ اُن پر کوئی شے

(احکام وکتاب) گزری۔ اگر اللہ تعالیٰ رسالت و انذار کو ہمیشہ جاری رکھتا تب بھی حق وحسن ہوتا۔ جیسا کہ اس نے اُن ملائکہ کے ساتھ جو وحی لانے والے اور اس کے قاصد ہیں ہمیشہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو کافر بناتا جب بھی یہ حق وحسن ہوتا۔ یا انھیں سب کو مومن پیدا کرتا جب بھی حق وحسن ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں (کافر ومومن) کو پیدا اور حق وحسین ہوا۔

کوئی شے قبیح محض اسی کے لیے ہوتی ہے جو مامور وممنوع ہو اور منع کے احکام اس کے وجود سے پہلے گذر چکے ہوں اور وہ حدود جو اشیاء کو ترتیب دینے والی ہیں وہ اس کے ہونے سے پہلے ہو چکی ہوں۔ لیکن جو خود ان سب امور سے پہلے ہو تو اسے حق ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے ترک کرے۔ اس کے حکم کو کوئی ترک نہیں کر سکتا۔ ہر وہ شخص جس کو عالم کی بنیاد۔ افلاک وعناصر کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زمین اور اس کا عمق (گہرائی) بہ نسبت بقیہ عناصر و بقیہ اجرام علویہ کے فساد کے زیادہ قریب ہے اور وہ کل کی کل غیر ذی روح ہے۔ حیات محض اُن ارواح ونفوس میں ہے جو حیوان کے جسم خاکی کے ساتھ رہنے کے لیے زبردستی اتاری گئی ہیں۔ لہذا یہ بدیہی طور پر مشاہدے سے ثابت ہو گیا کہ محل حیات۔ عنصر و معدن حیات و موضع حیات اُسی مقام پر ہے جہاں سے وہ زندہ ارواح ونفوس آئی ہیں جو ناقص ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں اجساد کی معیت کا خاصہ ہے اور اس کی وجہ سے اُس کمال سے محروم رہنا ہے جو حیات دائمی کے لیے مخصوص ہے۔ اور (اس سے محل حیات میں) نہ عیب آیا اور نہ ایسے اجساد کی معیت سے جو آلودہ اور آفات اور میل کچیل اور عیوب سے بھرے ہوئے ہیں اُس (محل حیات) کی فضیلت میں کوئی کمی آئی۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ علو (بلند) جو صاف ستھرا ہے وہ ایسے زندہ اشخاص کا محل ہے جو صاحب فضیلت ہیں اور ہر رذیل خصلت اور ہر عیب

اور ہر مزاج فاسد سے پاک ہیں اور مخلوق میں ہر فضیلت کے قریب ہیں. ملائکہ علیہم السلام کی یہی صفت ہے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُس مکان کی وسعت کے مطابق ہی اُس کے رہنے والوں اور آباد ہونے والوں کی کثرت ہو گی۔ اور انھیں اس تنگ محل اور آلودہ نقطہ والوں سے کوئی نسبت نہیں۔ جیسا کہ اُس مکان کو مقدار میں بھی اس مکان سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کے متعلق صحیح روایت آئی ہے اسی طرح احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت ملائکہ کی خبر دی ہے۔ اسی سے واجب ہو گیا کہ اول (تعالیٰ) اور ان حضرات کے درمیان جن کو اُس نے نبوت و رسالت اور تعلیم علوم کے لیے مخصوص کر لیا اور ارواح کو ہلاکت سے بچانے کے درمیان ایسی لوگ قاصد اور واسطہ ہوں۔

کیا بہائم میں بھی رسول ہیں؟

احمد بن حابط کا یہ مذہب ہے۔ وہ اہل بصرہ میں سے تھا ابراہیم نظام کا شاگرد تھا اور اعتزال ظاہر کرتا تھا۔ ہم اُسے محض کافر سمجھتے ہیں مومن نہیں سمجھتے۔ ہم نے اس کا اسلام سے اخراج محض اس لیے بہتر سمجھا کہ اس کے اصحاب نے اُس سے وجوہ کفر نقل کیے ہیں۔ جن میں سے ایک تناسخ (آواگون) ہے اور نکاح کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن ہے۔

اُس کا قول یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انواع حیوان کی ہر نوع میں نبی بنائے ہیں۔ یہانتک کہ کھٹمل مچھر اور جوں میں بھی۔ دلیل اس کی یہ آیت ہے "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم

۶۹

ما فرطنا فی الکتاب من شیئ" (نہ کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے ایسا نہیں ہے جو تمہاری ہی طرح امتیں نہ ہوں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی شئے کی کمی نہیں کی۔) پھر یہ آیت بیان کرتے ہیں" وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر" (یعنی کوئی امت ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو)۔

اس آیت میں اُن کے لیے کوئی حجت نہیں اس لیے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے" لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے حجت کا موقع نہ ملے)۔ اور اللہ کو حجت کا مخاطب وہی بنا سکتا ہے جسے حجت کی عقل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" یا اولی الالباب" (یعنی اے عقلمندو)

ہم بہ ضرورت حس جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نطق کے لیے محض انسان کو مخصوص کیا ہے۔ جو علوم میں تصرف کرنا۔ اشیاء کی ماہیت کا سمجھنا۔ اور مختلف صنعتوں میں تصرف کرنا ہے۔ ہم نے خبر صادق کی وجہ سے صرف جن کو (نطق میں) انسانوں میں ملا لیا ہے۔ خبر صادق و براہین ضروریہ سے ملائکہ کو بھی (نطق میں) انسانوں میں شامل کر لیا ہے۔ اشخاص مذکورۂ بالا صرف حیات میں بقیہ حیوانات کے شریک ہیں۔ اور وہ (حیات) حس و حرکت ارادیہ ہے۔ لہذا ہمیں عقل ہی سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ شریعت کا مخاطب صرف اسی کو بنائے گا جو اس کو سمجھتا ہو اور اُس کی مراد کو سمجھتا ہو۔

ہمیں اس آیت سے بھی معلوم ہوا" لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ ہم نے انسان کے سوا تمام حیوانات کو اُن کے تصرف طرز زندگی اور توالد و تناسل میں ایک ہی طریقے پر پایا۔ کوئی چیز ایسی نہیں کہ ان میں سے ایک اس سے بچتا ہو اور دوسرا کرتا ہو۔ یہ چیز اُن حیوانات گھوڑے خچر گدھے اور پرندے وغیرہ میں معلوم ہوتی ہے جو انسانوں کے گھروں میں رہتے ہیں۔

انسان اپنے احوال میں اس طرح نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بہائم شریعت کے مخاطب نہیں ہیں۔ ابن حابط کا قول باطل ہو گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ کلام الٰہی "امم امثالکم" کے معنی "انواع امثالکم" ہیں۔ یعنی تمہاری ہی طرح وہ بھی مختلف نوعیں ہیں۔ کیونکہ ہر نوع امت کہلاتی ہے۔

"وان من امة الا خلا فیہا نذیر" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت سے مراد انسان لیا ہے۔ اور وہ قبائل ہیں اور جنوں کے گروہ ہیں کیونکہ ان پر بھی عبادت کا وجوب ثابت ہے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تمہیں کیا معلوم ممکن ہے کہ دوسرے حیوانات میں بھی نطق وتمیز ہو۔ تو بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے کہ ہم نے عقل کے فیصلے اور بداہت سے اشیاء کی ماہیت کو پہچان لیا ہے۔ اور اسی (عقل) سے ہم نے اللہ تعالیٰ کو اور صحت نبوت کو پہچانا ہے۔ عقل وہ ہے کہ کوئی شئے بغیر اس کے مانے ہوئے صحیح نہیں ہو سکتی۔ جو چیز عقل سے معلوم ہو وہ واجب ہے ہمارے درمیان ہیں ہم جانتے ہیں موجود ہے عالم میں ہے۔ جو چیز عقل سے محال ثابت ہو وہ عالم میں محال ہے۔ جو چیز عقل سے ممکن ثابت ہو۔ تو اس کا موجود ہونا بھی جائز ہے اور نہ موجود ہونا بھی جائز ہے۔ ہم نے عقل وحس سے جانا کہ جو دو چیزیں ایک جنس کے تحت ہیں واقع ہیں۔ وہ جنس اُن دونوں کو برابر سے اپنا نام دیتی ہے۔ جب جنس حی ہمیں اور بقیہ حیوانات کو (اپنے تحت میں) جمع کرتی ہے تو ہم اُن سب کے ساتھ اس طور پر مساوی ہیں کہ مقتضائے اسم حیات یعنی حس وحرکت ارادیہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ یہی دونوں چیزیں (یعنی حس وحرکت ارادیہ) ہی حیات ہے اور اس کے سوا حیات کوئی اور چیز نہیں۔ یہ ہم نے مشاہدے سے معلوم کیا۔

ہم نے حیوان کو دیکھا کہ مارنے اور لکڑی چبھونے سے اُسے

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ کلام الہٰی میں ہے "وعلمنا منطق الطیر" (ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی) اور اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کا جو قول بیان کیا ہے "یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم" (اے چیونٹیو اپنے ٹھکانوں میں چلی جاؤ) اور ہد ہد کا قصہ۔ تو اس سے بتوفیق الہٰی کہا جائے گا کہ ہم نے اس کی نفی نہیں کی کہ حیوان کی ان چیزوں کی مدد مانگنے میں آوازیں نہیں ہوتیں جن کو حیات چاہتی ہے۔ جیسے طلب غذا۔ اور تکلیف کے وقت اور مارنے کے وقت اور طلب جماع کے وقت اور اپنے بچوں کے بلانے کے وقت۔ اور جو اس کے مشابہ ہیں۔ اور یہی وہ چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلیمان علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ یہی وہ چیز ہے جو اکثر حیوانوں میں پائی جاتی ہے یہ نہ تو وقایق علوم کی تمیز ہے اور نہ علوم میں کلام ہے اور نہ یہ کسی قسم کی صنعت کا کوئی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کلام الہٰی میں "منطق الطیر" سے وہی بولیاں اور آوازیں ہیں جو ہم نے بیان کیں۔ نہ کہ علوم کی تمیز اور نہ صناعات میں تصرف جس کا اگر کوئی دعویٰ بھی کرے تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو حق ہی کہتا ہے۔ ہدہد اور چیونٹی کا قصہ تو یہ دونوں معجزات تھے جو اسی ہدہد اور اسی چیونٹی کے لیے مخصوص تھے۔ یہ دونوں سلیمان علیہ السلام کی علامات نبوت تھیں۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے (بھنے ہوئے زہر آلود بکری کے) دست کا کلام اور کھجور کے تنے کی آواز اور کھانے کی تسبیح کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات تھیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی زندگی آپ کی رسالت کی علامت تھی۔ اس لیے کہ یہ نطق تو ان اشیاء کی انواع میں شامل ہے۔

اسی بیہودگی کمزوری اور جہل کی اس شخص نے بھی پیروی کی ہے جو اپنے دل میں اپنے کو عالم سمجھتا ہے اور وہ خویز منداد مالکی کے نام سے مشہور ہے یہاں تک کہ اس نے جماد کے لیے بھی تمیز تجویز کر دی۔

۱۷

شاید کوئی معترض اس کلام الٰہی سے اعتراض کرے کہ "وإن من شيئ الا يسبح بحمده" (یعنی کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو) اور اس سے "الم تر ان الله يسجد له من في السموٰت ومن في الارض" (کیا تو دیکھتا نہیں کہ جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے اللہ کو سجدہ کرتا ہے)۔ اور اس سے کہ "انا عرضنا الامانة على السموٰات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان" (یعنی ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اسے اٹھالیا)۔ اور اس سے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین سے ایجاد کے وقت فرمایا تھا "ائتيا طوعا وكرها قالتا اتينا طائعين" (آؤ خوشی سے یا ناگواری سے۔ تو ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کہ "قیامت کا دن وہ ہوگا جس دن سینگ والی بکری سے بے سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا" تو یہ سب حق ہے اور ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

قرآن کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو۔ جو اس کی مخالفت کرے گا وہ اللہ عزوجل کا گنہگار اور اس کے کلمات کا بدلنے والا ہوگا۔ تاوقتیکہ ان میں سے کسی ایک میں کوئی نص نہ وارد ہو یا اجماع یقینی نہ ہو یا حس و بداہت اس (آیت یا حدیث) کے ظاہری معنی کے خلاف نہ ہو۔ تو اس وقت توقف کیا جائے گا۔ اور اس وقت جو شخص اسے اس کے ظاہر پر محمول کرے گا وہ اللہ عزوجل کی طرف کذب کی نسبت کرنے والا ہوگا یا خود اس پر اور اس کے نبی پر افترا کرنے والا ہوگا دونوں صورتوں سے خدا کی پناہ۔

جب کہ ہم پہلے ہی براہین ضروریہ سے واضح کر چکے ہیں کہ سوائے انسان جن اور ملائکہ کے حیوان کے نطق نہیں ہے یعنی اسے علوم وصناعات میں تصرف ناممکن ہے اور یہ بات حس کے مشاہدے میں ہے اور بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے سوائے بیحیا اور اپنے حواس کے مخالف کے کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو تمیز ہمارے نزدیک جو تمیز ہے اس کے خلاف ہو وہ تمیز ہی نہیں۔ اور نیز یہ بدیہی طور پر نظر اور مشاہدے سے بھی معلوم ہوتا ہے تو واجب ہے کہ یہ نطق وقول تسبیح وسجود اس کے خلاف ہو جس کا نام لغت و شریعت میں نطق وقول وتسبیح وسجود ہے۔ واجب ہو گیا کہ یہ اسمائے مشترکہ ہیں جن کے الفاظ متفق ہیں مگر ان کے معانی مختلف ہیں کسی کو جائز نہیں کہ اس کے سوا پر محمول کرے۔ اس لیے کہ وہ اگر ایسا کرے گا تو وہ اس کا مخبر ہوگا کہ (معاذ اللہ) اللہ نے وہ بات کہی ہے جس کو مشاہد اور وہ عقل باطل ٹھیراتی ہے جس کے ذریعے سے ہم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے۔ اگر وہ (عقل) نہ ہوتی تو ہم اسے نہ پہچانتے۔ جو اسے جائز رکھے گا وہ کافر و مشرک ہوگا۔ جو عقل کو باطل کرے گا تو وہ توحید کو باطل کرے گا کیونکہ اس نے شاہد توحید کو جھٹلا دیا (یعنی عقل کو) اگر عقل نہ ہوتی تو اللہ عزوجل کو کوئی نہ پہچانتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ مجنونوں اور بچوں کو عقل نہ ہونے ہی سے شریعت لازم نہیں۔ جو اس کو جائز رکھے وہ نہ تو نصاریٰ کی خلاف عقل باتوں کا انکار کر سکتا ہے نہ وہریوں کا اور نہ سوفسطائیوں کی نامعقول باتوں کا۔

ہم کہتے ہیں کہ لفظ مشترک ہے۔ اور معنی وہ ہیں جن پر دلیل قائم ہو۔ جیسا کہ ہم نے (اللہ تعالیٰ کے) نزول۔ وجہ۔ یدین۔ اور عین (کے معنی) میں کیا ہم نے ان سب الفاظ کو اس پر محمول کیا کہ حق ہے مگر اس کے خلاف ہے جس پر "ینزل" (اترتا ہے) کا لفظ ہمارے نزدیک واقع ہوتا ہے ید (ہاتھ) عین (آنکھ) کا لفظ بھی اس کے خلاف ہے

جس پر ہمارے یہاں واقع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ہمارے نزدیک اعضائے جسمانی ونقل وحرکت پر واقع ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا اب ہمیں مذکورۂ بالا آیات کے معانی بیان کرنا چاہیے جن پر گہری نظر نہ ڈالنے والے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

تسبیح کی حقیقت

تسبیح کے معنی ہمارے نزدیک سبحان اللہ وبحمدہٖ کہنا ہیں اور ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ پتھر لکڑی اور کیڑے مکوڑے اور رنگ "سبحان اللہ" سین۔ با۔ حاء۔ الف۔ نون۔ لام۔ اور ہاء سے نہیں کہتے۔ اور جس کو عقل سے ذرا سا بھی تعلق ہوگا وہ اس میں شک نہ کرے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس تسبیح کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے وہ بھی حق ہے۔ بلاشک ازروئے معنی وہ اُس تسبیح کے مغایر ہے جو ہماری ہے۔ کیونکہ اس میں بھی شک نہیں کہ اصل لغت میں تسبیح کے معنی "برائی سے اللہ کی پاکی بیان کرنا" ہیں۔ اور یہ صحیح بھی ہے۔ کیونکہ عالم میں ہر شئے بلاشک اللہ تعالیٰ کی برائی سے یعنی صفت حدوث سے پاکی بیان کرنے والی ہے۔ عالم کی ہر شئے اپنے دلائل صنعت واقتضائے صانع سے اور ایسے صانع سے جو کسی وجہ سے بھی مخلوق کے مشابہ نہ ہو اُس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر برائی اور نقص سے پاک ومنزہ ہے۔ یہ وہ معنی ہیں جن کو بہت لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ جیسا کہ خود کلام الٰہی میں ہے "ولکن لا تفقھون تسبیحھم" (لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔ ہر شئے کی تسبیح بحمداللہ تعالیٰ بلاشک یہی ہے۔ اور یہی معنی حق ہیں جن کا کوئی موحد انکار نہیں کرسکتا۔ اگر ہمارے اس قول کی صحت پر اتفاق کر لیا جائے اور ضرورت وبداہت اس کو واجب کرے کہ یہ تسبیح وہ تسبیح نہیں جو ہم لوگوں کے نزدیک معروف ومعہود ہے۔ تو ہمارا قول ثابت ہوگیا اور اُس کے قول کی نفی ہوگئی جو اپنے غلط گمان کی بناء پر ہماری مخالفت کرتا ہے۔

۷۲

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" (اور کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔ کافر دہری بھی شئے ہے اور اس کے شئے ہونے میں بھی شک نہیں۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قطعاً تسبیح نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ کافر بھی تسبیح کرتا ہے کیونکہ وہ بھی ان اشیاء میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں۔ لیکن کافر کی تسبیح بلاشک اس کا "سبحان اللہ وبحمدہ" کہنا نہیں ہے۔ اس کی تسبیح یہ ہے کہ اس کی خلقت وترکیب اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہر نقص وعیب سے بری ہے اور وہ اپنی مخلوق سے ذرا بھی مشابہ نہیں ہے۔ اور یہ یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ لفظ تسبیح بھی اسمائے مشترکہ میں سے ہے۔ اور وہ دو اور دو سے زیادہ قسموں پر واقع ہوتا ہے۔

سجدہ

لیکن وہ سجود جس کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے وللہ یسجد من فی السمٰوات والارض طوعاً وکرھا" (زمین وآسمان میں جو لوگ ہیں وہ سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں خواہ خوشی سے یا مجبوری سے)۔ ہمیں معلوم ہے کہ سجود معروف ومعہود ہمارے نزدیک شریعت ولغت میں بہ نیت تقرب وعبادت پیشانی ناک ہاتھ پاؤں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا ہے۔ اور اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ گدھے کیڑے مکوڑے لکڑی اور گھاس اور کفار ایسا نہیں کرتے۔ خاصکر وہ اشیا کہ جن کے یہ اعضاء ہی نہیں۔ ہمارے قول کی صحت پر خود اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔ اور اس نے خبر دی ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اسے وہ سجدہ نہیں کرتے جسے ہم لوگ سجدہ سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہے "واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون ہ فان

استکبروا فالذین عند ربك یسبحون له باللیل والنهار وهم
لا یسأمون"۔ (اسی اللہ کو سجدہ کرو جس نے اُن (زمین و آسمان) کو
پیدا کیا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو، اگر یہ لوگ عار کریں (تو اُسے
پروا نہیں کیونکہ) جو لوگ پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اُس
کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور بیزار نہیں ہوتے)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ بعض لوگ اُسے سجدہ کرنے میں
عار کرتے ہیں اور سجدہ نہیں کرتے۔ فرمایا کہ "وللہ یسجد من فی السموات
والارض طوعا وکرھا" (جو لوگ زمین و آسمان میں ہیں وہ بخوشی و
ناگواری اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں) بیان فرمایا کہ سجود ناخوشی سے
اور ہے اور سجود خوشی سے وہی ہے جسے ہم سجدہ سمجھتے ہیں۔

وہ سجدہ اور ہے، یہ سجدہ اور ہے

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر دیدی نیز مشاہدے
سے بھی یہی ثابت ہے تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوگیا کہ
وہ سجود جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ لوگ
جو زمین و آسمان میں ہیں وہ اُسے سجدہ کرتے ہیں، وہ
اس سجود کے علاوہ ہے جو مومنین طوعاً اور بخوشی
کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ اُس سے عار کرتے ہیں اور اکثر مخلوق اُس سے
باز رہتی ہے۔ اس میں بھی کسی مسلمان کو شک نہیں۔

سجدہ کیا ہے

جب یہی بات ہے اور بے شبہ یہی بات ہے تو
ہم پر واجب ہوگیا کہ اس سجود کے معنیٰ تلاش کریں کہ
کیا ہیں۔ تلاش کیا تو ہمیں کتاب اللہ کی دو آیتوں میں
بالکل واضح اور بلا اشکال ملے اور وہ آیتیں یہ ہیں "وظلالھم بالغدو والآصال"۔
"اولم یروا الی ما خلق اللہ من شیئ یتفیؤ ظلالہ عن
الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون" (کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ
جو چیز اللہ نے پیدا کی ہے اللہ کو سجدہ کرنے کے لیے اُس کا سایہ
داہنے بائیں سے بدلتا رہتا ہے اور وہ سب انکساری کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں ایسے واضح طور پر بیان کیا جس میں کوئی اشکال نہیں کہ آیت مذکورہ میں سجود کے معنی یہ ہیں کہ صبح و شام سایہ دار کا سایہ بدلنا۔ نہ وہ سجود جسے ہم لوگ سجود سمجھتے ہیں۔

۴۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ لفظ سجود اُن اسمائے مشترکہ میں سے ہے جو دو اور زیادہ قسموں پر واقع ہوتا ہے۔

قول کے معنے

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "قالتا اتینا طائعین" (یعنی زمین و آسمان نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں)۔ بداہت و شاہدے سے معلوم ہے کہ قول کے معنی اس لغت میں جس میں قرآن نازل ہوا صرف یہی ہیں کہ آلات کلام یعنی بالائی دانتوں حلق۔ تالو۔ زبان۔ ہونٹوں۔ اور ڈاڑھوں سے ہوا کو نکالنا جو سننے والے کے کان تک پہنچے کہ وہ اُس کے ذریعے سے کہنے والے کے مقاصد کو سمجھے۔ جب اس میں کوئی شک نہیں ہے تو وہ جس کے نہ زبان ہے نہ ہونٹھ۔ نہ ڈاڑ ہیں۔ اور نہ تالو نہ حلق۔ تو اُس سے وہ قول (کہنا اور بولنا) ممکن نہیں جس کو ہم لوگ قول سمجھتے ہیں۔ اس امر میں بھی کسی صاحبِ عقل کو شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کھلم کھلا ایسا ہی ہے جیسا ہم کہتے ہیں۔ لہذا ہر وہ قول جس کے متعلق نص وارد ہوئی اور مخبر نے اُسے بیان کیا اور اس کی یہ صفت نہیں ہے (کہ وہ حلق تالو دانت زبان وغیرہ کی مدد سے ادا ہوتا ہو) تو وہ ہی قول نہیں ہے جسے ہم لوگ قول سمجھتے ہیں۔ اُس کے کوئی اور معنی ہیں۔

جب ایسا ہے جیسا ہم نے بیان کیا تو لامحالہ ثابت ہو گیا کہ کلام الٰہی "قالتا اتینا طائعین" کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں (آسمان و زمین) اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق جاری ہیں اور اس کے تصرف کے ماتحت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کرنا اور ان کا اس سے انکار کرنا، تو ہم نہ تو اس کی کیفیت جانتے ہیں اور

نہ کوئی اور شخص۔ اس پر بھی کلام الٰہی کی نص موجود ہے " ما اشھدتھم خلق السمٰوات والارض ولا خلق انفسھم" (میں نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر ان لوگوں کو گواہ نہیں بنایا اور نہ خود ان کی پیدائش پر) جس نے تکلف کیا یا دوسرے کو ابتدائے خلق اور اس کی معرفت اور سمجھنے کی تکلیف دی کہ اس کا پیدا کرنے والا ایسا ہے کہ ہرگز کوئی اس کے مشابہ نہیں، پھر اس نے یہ سمجھنا چاہا کہ یہ کیونکر ہوا ہوگا تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ " وتقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھیناوھو عند اللّٰہ عظیم" (تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ اور اس کو سہل سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے)۔

ہم اتنا یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین اور پہاڑ کے سامنے اس وقت تک امانت پیش نہیں کی جب تک ان میں اس پیش کردہ امانت کی تمیز اور اس کے سمجھنے کی قوت نہیں پیدا کی۔ پھر جب انھوں نے اس سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے تو وہ تمیز و قوت اس نے سلب کرلی اور انھیں تکلیف امانت کے درجے سے ہٹا دیا۔ اللہ عزوجل کا کلام اسی کا مقتضی ہے اور ہمیں اس سے زائد علم نہیں۔

ابتدائے خلق کے بعد جو کچھ ہوا اس کی کیفیات معروف و مشہور ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے " وتمت کلمۃ ربك صدقا وعدلا" لا مبدل لکلماتہ" (اللہ تعالیٰ کا کلمہ صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ اس کے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں) لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلایق کو جس ترتیب پر پیدا کیا ہے اس کا بدلنے والا کوئی نہیں سوائے اس کے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے (بطور معجزات) خود اس نے مراتب و طبایع کو بدل دیا۔

جماد (پتھر) میں عقل کیسی؟

اگر لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے

پتھر کی اس طرح تعریف کی کہ "ان من الحجارۃ لما یتفجر منہا الانہار وان منہا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منہا لما یہبط من خشیۃ اللہ" (بعض پتھر وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن میں دوز پڑ کر اُن سے پانی نکلتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں)۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ پتھر کو نہ کسی شریعت کا حکم دیا گیا نہ عقل دی گئی اور نہ اس کی طرف کوئی نبی بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" (ہم عذاب نہ دیتے تھے تاوقتیکہ رسول نہ بھیجدیں)۔ جب اس میں شک نہیں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد تین وجہوں میں سے کسی ایک پر محمول ہوگا۔

پہلی وجہ یہ کہ اس کے کلام "وان منہا لما یہبط" میں ضمیر اُن قلوب کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اول آیت میں ہے "ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ" (اس کے بعد تمھارے قلوب سخت ہو گئے اور وہ مثل پتھر کے ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سخت قلوب کے متعلق بیان کیا کہ جو کسی روز ایمان قبول کر لیتے ہیں اور وہ سختی و قساوت سے اس نرمی کی طرف اتر آتے ہیں جو اللہ کے خوف سے ہوتی ہے۔ یہ امر تو آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ سخت سے سخت قلوب اللہ کی مہربانی سے نرم ہو جاتے ہیں اور گنہگار ڈرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بعض اہل کتاب اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو ان پر نازل ہوا ہے سب پر ایمان لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ خبر دی کہ "الاعراب اشد کفرا ونفاقا واجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ" (اعراب یعنی بدوی۔ وہپاتی۔ نہایت سخت کفر و نفاق والے ہیں اور اس قابل ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کے حدود کو نہ جانیں)۔ اس کے بعد

یہ خبر دی کہ بعض اعراب وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا یہ وجہ ظاہر ہے اور اس کی صحت یقینی ہے۔
وجہ ثانی یہ ہے کہ خشیت مذکورہ یعنی وہ خوف الٰہی جس کا ذکر آیت میں ہے محض اللہ کے حکم کا تصرف اور اس کے احکام کا جاری ہونا ہے۔ جیسا کہ ہم نے "قالتا اتینا طائعین" کی تفسیر میں کہا ہے۔ اللہ عزوجل نے اسی کے متصل یہ فرمایا ہے کہ "فقضاهن سبع سمٰوٰت فی یومین واوحی فی کل سماء امرها"، (پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دو دن میں سات آسمان ہو جانے کا حکم دیا اور ہر آسمان میں اس کے احکام کی وحی بھیجدی) اللہ تعالیٰ نے اپنے واضح طور پر بیان فرمادیا کہ ہر اشکال رفع کردیا کہ آسمان و زمین کی یہ طاعت محض ان میں اس کا تصرف تھا۔ اور اس کا انھیں سات آسمان ہونے کا حکم دینا اور ہر آسمان میں اس کے احکام کی وحی کرنا (یہ سب محض اس کا تصرف تھا)۔ لہٰذا ہمارا قول اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے نص جلی کے طور پر ثابت ہوگیا والحمد للہ رب العلمین۔

۷۴

اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آسمان و زمین اور پہاڑ کا قبول امانت سے انکار بھی محض اسی وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جمادیت و عدم تمیز سے مرکب کیا ہے۔ اور یہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ جس کی یہ صفت ہو اُسے شرائع و اوامر و نواہی کا قبول کرنا غیر ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے جو اس شخص کو پکارے جو سوائے دعاء و نداء کے نہ سنے (یعنی پکارنے کی آواز تو سنے مگر مطلب و معنی نہ سمجھے یا سمجھے مگر عمل نہ کرے) کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا فعل منسوب کرے جس کی اس نے مذمت کی ہے۔
وجہ ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں "وان منها لما یهبط من خشیة الله" (یعنی بعض پتھر وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں) وہ پہاڑ مراد لیا ہو جو اس روز پارہ پارہ ہو گیا تھا

جس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کی درخواست دیدار پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تھی۔ یہ پہاڑ بھی بلاشک پتھروں میں ہے۔ اور وہ خوف الٰہی سے اپنے مکان سے گر پڑا۔ یہ ایک معجزہ و نشان ہے اور خاص اس پہاڑ کی طبیعت کا بدلنا ہے۔ یہبط (گر پڑتا ہے) بمعنیٰ "ہبط" (گر پڑا) ہے جیسا کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے "واذ یمکر بک الذین کفروا" بلاشک اس کے معنیٰ "واذ مکر" ہیں (یعنی جب کہ کفار نے آپ کے ساتھ مکر کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق میں فرمایا ہے جو انھوں نے اپنے والد کی سنگ پرستی پر اعتراض کیا تھا "لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر" (اے باپ تم اس کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام "ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون" (ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارش کرنے والے بنا لیے۔ آپ کہیے کہ کیا یہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں (جب بھی تم ان کی پرستش کرو گے)۔ بوجہ اس کے کہ ان کی ترکیب جمادیت و عدم تمیز سے ہوئی ہے (اس لیے نہ انھیں عقل ہے اور نہ یہ کسی چیز کے مالک ہیں)۔ (یعنی ان تمام آیات میں مستقبل کا صیغہ ماضی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح "یہبط" کو جو صیغہ مستقبل ہے "ہبط" یعنی ماضی کے معنی میں سمجھنا چاہیے۔ اور علمائے بلاغت نے مستقبل کے بجائے صیغۂ ماضی لانے کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔)

یہ ایسی صحت کے ساتھ ثابت ہو گیا جس میں کسی شک کی مجال نہیں کہ پتھر صاحب عقل نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر صاحب عقل جس کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے یہی تھا۔ وہ بقیہ اشخاص جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے ملائکہ مسیح اور ان کی والدہ علیہما السلام اور جن تو یہ سب عاقل و صاحبِ تمیز تھے۔ لہٰذا (غیر صاحبِ عقل میں) پتھر ہی باقی رہ گیا۔ اور یہ نص سے ثابت ہو گیا کہ وہ صاحبِ عقل نہیں۔ جب یہ نص، مشاہدہ۔

اور بداہت سے یقینی ہو گیا تو اس سے وہ نطق و تمیز و خشیت جس کو ہم لوگ نطق و تمیز و خشیت سمجھتے ہیں منتفی ہو گیا۔ اور یہ ہمارے قول کی نص و تصریح ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

وہ احادیث جن میں منقول ہے کہ حجر کے ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے اور کعبے کے بھی اسی طرح ہو گا۔ اور پہاڑ بہت بلند تھے پھر ایک پہاڑ خوف سے جھک گیا۔ یہ سب خرافات اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو کذاب اور ضعیف راویوں نے نقل کیا ہے جن میں بطور اسناد کے کوئی شے بھی صحیح نہیں ہے۔ اور اس میں یہ نسبت طول دینے کے یہ کہدینا کافی ہے کہ ان ائمہ نے جنھوں نے حدیثِ صحیح کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے انھوں نے اس میں سے کوئی روایت بھی اپنی تصنیف میں داخل نہیں کی۔ یا ان لوگوں کی روایتیں بھی شمار نہیں کیا جن کی روایت کو صحیح روایت کے قریب قریب جائز رکھا جاتا ہے۔

جو لوگ اس میں ہمارے مخالف ہیں جب انھوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ آیات بالا میں۔ قول۔ سجود۔ تسبیح۔ خشیت کی وہ صفت و کیفیت نہیں ہے جو ہمارے درمیان میں معروف و معہود ہے۔ تو وہ ہمارے موافق ہو گئے۔ خواہ خوشی سے یا ناگواری سے۔ اور وہ سب اسی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ اشعار عرب میں بھی آیا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ ع

شکی الی جملی طول السری (یعنی میرے اونٹ نے شب روی کی درازی کی مجھ سے شکایت کی)۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔ ع

فقالت لہ العینان سمعاً وطاعۃً" (آنکھوں نے اس سے کہا کہ ہم سنتے ہیں اور مانتے ہیں)

راعی کہتا ہے۔ ع

قلق الفئوس اذا اردن نصولا (کلہاڑیاں گھبرا گئیں جب کہ

اُن عورتوں نے برچھیوں کا ارادہ کیا)

یہ آیت بھی اسی باب سے ہے "جدارا یرید ان ینقض" (ایک دیوار تھی جو گرنے کا ارادہ کر رہی تھی)۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیوار کا ارادہ وہ ارادہ نہیں ہے جو ذی روح کا ارادہ ہوتا ہے۔ لہذا ہمارا قول نص قرآن و بداہت سے ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "جس روز سینگ والی بکری سے بے سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا"، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" (کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اڑتا ہے ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح امتیں نہ ہوں) مافرطنا فی الکتاب من شیئ ثم الی ربھم یحشرون" (ہم نے قرآن میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کے بعد اُن کے رب کے سامنے ان کا حشر ہوگا) اور کلام الہٰی "واذا الوحوش حشرت" (اور جب کہ وحوش اٹھائے جائیں گے)۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بلا شک ان کا بھی حشر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے۔ پھر جب اس نے دنیا میں سینگ والی بکری کو بے سینگ والی پر غالب کر دیا تو اسے حق ہے کہ وہ آخرت میں بے سینگ والی کو سینگ والی پر غالب کر دے۔ اس پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع ہے نہ دلیل عقلی ہے نہ دلیل نقلی ہے کہ مواشی بھی کسی شریعت کے پابند ہیں۔ اور ہم اسی کا اقرار کرتے ہیں اور اسی کے قائل ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جتنا علم ہمیں دیا گیا اس کے علاوہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

۷۵

کیا انبیاء ورسل علیہم السلام آج انبیاء و رسل نہیں ہیں؟

ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اسی قول پر اشعریہ کا بھی مذہب ہے۔ مجھے سلیمان بن خلف الباجی نے جو آج ان لوگوں کے مقدمین میں سے ہیں خبر دی کہ محمد بن الحسن بن فورک الاصبہانی بھی اسی مسئلے پر تھے جن کو محمود بن سبکتگین شاہ خراسان رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعۂ زہر قتل کر دیا۔

ایسا کیوں کہتے ہیں؟

یہ مقالۂ خبیثہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس اجماع کے کہ جو ابتداے اسلام سے قیامت تک تمام اہل اسلام کا رہا اور رہے گا مخالف ہے۔ انہیں ان کے اس قول فاسد نے اس پر برانگیختہ کیا کہ روح عرض ہے اور عرض کو ہمیشہ فنا ہے۔ ایک وقت پیدا ہوتی ہے اور دو وقت باقی نہیں رہتی۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بھی فنا و باطل ہو گئی اور اب ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی نہیں ہے۔ اور آپ کا جسد آپ کی قبر میں مردہ ہے۔ لہذا اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت باطل ہو گئی۔

یہ کیا حماقت ہے؟

ہم اس قول سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کیونکہ یہ کفر صریح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔ اس بیہودہ اور حد سے زائد مکروہ قول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ قول اللہ عزوجل کے اس حکم کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ارشاد کے اور ہر فرقہ و طبقہ کے تمام اہل اسلام کے اجماع کے مخالف ہے جو روزانہ پانچ مرتبہ مشرق سے مغرب تک ہر ہر گاؤں میں تمام مساجد میں بلند آواز سے اذان کہنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ یہ ملایا ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد ارسول اللہ۔ مگر اپنے نفس پر بھروسہ کرنے والوں کے قول کے مطابق اذان کذب ہوگی۔ اور اس کا حکم دینے والا بھی کاذب ہوگا۔

ان کے قول کی بنا پر اذان کو اس طرح ہونا چاہیے۔ اشہد ان محمد ا کان رسول اللہ" (یعنی محمد اللہ کے رسول تھے اور اب نہیں۔ معاذ اللہ) ورنہ جو شخص بھی کسی ایسی چیز کے متعلق جو تھی اور باطل ہو گئی یہ خبر دے گا کہ وہ اب موجود ہے تو وہ کاذب ہوگا۔ اور اذان بھی ان کے قول کے مطابق کذب ہوگی۔ یہ کفر خالص ہے۔

اسی طرح جس پر تمام اہل اسلام بغیر کسی کے اختلاف کے متفق ہیں یہ اپنے مردوں کو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تلقین ہے تو یہ بھی ان لوگوں کے قول کے مطابق باطل ہوگا۔

۷۶

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت سے اپنے جہاد کے زمانے میں جس پر عمل کیا اور جس کے متعلق اللہ عزوجل کی جانب سے حکم دیا کہ آپ کے بعد بھی ہمیشہ وہی عمل کیا جائے۔ اس کے قائل ہونے اور عمل کرنے پر تمام اہل اسلام خواہ انس خواہ جن سب کا اتفاق رہا۔ اول اسلام سے آخر تک مشرق سے مغرب تک بالکل قطعی یقین کے ساتھ جس پر عمل کرنے سے خون حلال سے حرام ہو جاتا ہے یا بذریعہ جزیہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہل کفر کے سامنے پہلے یہ امر پیش کیا جائے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ کہیں۔ مگر ان بدنصیبوں کے قول کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ یہ باطل و کذب ہو۔ صرف یہ لازم آتا ہے کہ انھیں کہنے کا پابند بنایا جائے کہ محمد کان رسول اللہ" (آنحضرت رسول اللہ تھے)

اسی طرح کلام الٰہی "ورسلا قد قصصنا هم علیك من قبل ورسلا لم نقصصهم علیك" (پہلے وہ رسول بھی ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر کیا ہے اور وہ رسول بھی ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا)

اسی طرح یہ کلام الٰہی "یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا اجبتم" (جس روز (قیامت میں) اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تمھیں (تمھاری دعوت کا دنیا میں) کیا جواب دیا گیا۔

اسی طرح کلام الٰہی "وجیٔ بالنبیین والشهداء" (اور (قیامت میں) انبیاء و شہداء کو لایا جائے گا)۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں رسول سے نامزد فرمایا حالانکہ وہ سب مر چکے ہیں۔ انھیں رسول و نبی فرمایا حالانکہ وہ قیامت میں ہوں گے۔

اسی طرح ہر نمازی کا ہر نماز فرض یا نفل میں کہنا جس پر اجماع بھی ہے اور نص حدیث بھی ہے "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" (اے نبی آپ پر سلام و رحمت اور اللہ کی برکتیں نازل ہوں) اگر آپ کی روح موجود و قائم نہ ہوتی تو معدوم پر سلام رائگاں ہوتا۔

اگر وہ کہیں کہ مردہ اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ رسول تو وہی ہوتا ہے جس کو اللہ کی طرف سے رسول کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ ہاں جس کو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک مرتبہ رسول بنا دیا ہو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کا رسول ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک ایسے مرتبۂ جلالت کا حاصل کرنے والا ہے جس سے کبھی کوئی شے اُسے گرا نہیں سکتی۔ اور نہ کبھی یہ نام (رسول) اس سے ساقط ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا جو تم کہتے ہو تو لازم آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں مثلاً اہل یمن کے رسول نہ تھے اس لیے کہ آپ نے انہی بالمشافہ ان سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔

یہ بھی لازم آتا ہے کہ آپ سوائے اس وقت کے کہ جب آپ

لوگوں سے کلام کرتے ہوں اللہ کے رسول نہ ہوں۔ پھر جب آپ خاموش ہو جائیں یا سو جائیں یا جماع میں مشغول ہوں تو رسول اللہ نہ رہیں۔ اور یہ کفر آمیز حماقت اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ اور ہم نامرادی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نیز واقعۂ اسرار جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے اور تواتر کے ساتھ منقول ہے اور علامات نبوت میں سے ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ آپ نے ہر آسمان میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھا۔ آپ نے ان کی انھیں ارواح کو دیکھا جو انبیاء ہی تھیں۔ جس نے اس کی یا اس کے بعض حصے کی بھی تکذیب کی وہ بلاشک اسلام سے خارج ہو گیا۔ ہم بدنصیبی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

یہ وہ دلائل ہیں جن سے مفر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ اللہ کے ملائکہ ہیں جو آپ سے میری جانب سے سلام پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقۃً آپ کو دیکھا۔

مجھے ان میں سے بعض لوگوں کی طرف سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین۔ اب امہات المومنین نہیں ہیں۔ مگر وہ امہات المومنین تھیں۔ یہ خالص گمراہی اور محض حماقت ہے۔ اگر ایسا ہو تو لازم آئے گا کہ انسان کی وہ ماں جس نے اسے جنا اور وہ باپ جس سے وہ پیدا ہوا نہ تو وہ اس کا باپ رہے اور نہ وہ اس کی ماں رہے سوائے اس وقت کے جس وقت اس نے اسے جنا یا حمل میں رہا اور جس وقت باپ کو انزال ہوا، اور اس کے بعد نہیں۔ یہ وہ بیہودہ بات ہے جس پر کوئی صاحب عقل اپنے لیے راضی نہ ہو گا۔

اگر وہ کہیں کہ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ عمرؓ و عثمانؓ آج بھی امیر المومنین ہیں۔

ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اور اس پر اجماع بھی ہے۔ کیونکہ امیر تو جب ہی تک ہے جب تک اس کا امر ماننا واجب ہو۔ اور یہ موت کے بعد کسی کے لیے بھی ممکن نہیں، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ امیر تو محض خلیفہ ہے جو خلیفہ کے بعد اپنی زندگی بھر کے لیے ہے۔ لہذا اس میں بھی ان کا اعتراض باطل ہوگیا۔

تناسخ ارواح

جو لوگ تناسخ ارواح (یعنی آواگون۔ یا ایک روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے) کے قائل ہیں ان کے دو فرقے ہیں۔ ۷۷

ایک فرقے کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اجسام سے جدا ہونے کے بعد دوسرے اجسام میں منتقل ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ دوسرا جسم اُس نوع کا نہ ہو جس سے وہ ارواح جدا ہوئی ہیں۔ یہ احمد بن حابط اور اس کے شاگرد احمد بن نانوس اور ابو مسلم الخراسانی اور محمد بن ذکریا رازی طبیب کا قول ہے۔ محمد بن ذکریا نے اپنی کتاب "العلم الہیٰ" میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور قرامطہ کا بھی یہی قول ہے۔

محمد بن ذکریا رازی نے اپنی ایک کتاب میں بیان کیا ہے کہ اگر سوائے قتل و ذبح کے اُن ارواح کے جو حیوانی شکل کے اجسام میں ہیں اُن اجسام میں جو انسانی شکل میں ہیں منتقل ہونے کی کوئی صورت نہ ہوتی تو کسی حیوان کا ذبح کرنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

تم نے دیکھتے ہو یہ محض دعاوی و خرافات ہیں جو بلا دلیل ہیں ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ تناسخ محض بطور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ بداعمال فاسق کی روح خبیث چوپایوں کے اجسام میں منتقل ہو جاتی ہے جو نجاستوں میں گھستے پھرتے ہیں اور جو مقید اور مظلوم ہیں اور ذبح کر کے جن کی ناقدری کی جاتی ہے۔

ایسے شخص کے بارے میں ان میں اختلاف ہے جس کے تمام افعال محض شر ہوں اور ان میں کوئی بھی خیر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی طبقے کی ارواح شیاطین ہوتی ہیں۔ احمد بن حابط کہتا ہے کہ یہ جہنم میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ کے لیے آگ کا عذاب دیا جاتا ہے۔

اُس شخص کے بارے میں بھی ان میں اختلاف ہے جس کے تمام افعال خیر ہوں اور ان میں کوئی بھی شر نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی طبقے کی ارواح ملائکہ ہوتی ہیں۔ احمد بن حابط کہتا ہے کہ بلاشک یہ جنت میں منتقل کر دی جاتی ہیں اور وہاں ہمیشہ کے لیے راحت اٹھاتی ہیں۔

وہ گروہ جو حلقہ بگوش اسلام ہے یعنی احمد بن حابط و احمد بن نانوس انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "یا ایہا الانسان ماغرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک فی ای صورۃ ماشاء رکبک" (اے انسان تجھے اپنے کریم پروردگار کے متعلق کس نے دھوکے میں ڈالا جس نے تجھے پیدا کیا (یعنی شکم مادر میں) پھر تجھے ٹھیک کیا (یعنی اعضاء کی تکمیل کی) پھر تجھے برابر کیا (یعنی تیرے اخلاق میں اعتدال پیدا کیا) جس صورت میں تجھے چاہا مرکب کر دیا (یعنی رنگ و قد و جسامت میں عناصر کی ترکیب کا دخل ہے انھیں کی کمی بیشی و مساوات سے طرح طرح کے رنگ اور مختلف قد و قامت و جسامت ہوتے ہیں)۔

یہ دونوں اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں "جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ" (تمھارے لیے

تم میں سے جوڑا بنایا اور چوپایوں میں سے جوڑا بنایا اور تمہیں جوڑوں میں پیدا کرتا ہے)۔

اس گروہ میں جو لوگ اسلام کے قائل نہیں وہ استدلال کرتے ہیں کہ نفس بھی غیر متناہی ہے اور عالم بھی غیر متناہی ہے، اس کی بھی کوئی مدت نہیں ہے۔ لہذا نفس ہمیشہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کا اپنی نوع کی طرف منتقل ہونا غیر نوع کی طرف منتقل ہونے سے بہتر نہیں ہے۔

فرقۂ ثانیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ ارواح کو وہ جس نوع کے اجسام سے جدا ہوئی ہیں اُس کے علاوہ دوسری نوع کے اجسام میں منتقل ہونے سے انکار کرتا ہے۔ اس فرقے کا ایک شخص بھی شرائع کا قائل نہیں ہے یہ سب دہریہ ہیں۔ ان کی دلیل بھی وہی ہے جو ہم نے اس کے قبل اس فرقے کی بیان کی جو عالم کے غیر متناہی ہونے کے قائل ہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ نفس ہمیشہ اجسام میں آمد ورفت کرتا رہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسی دوسری نوع کی طرف منتقل ہو جس میں ظاہر ہونے کو اس کی طبیعت و فطرت نے ضروری ٹھیرایا ہے اور جس سے اس کا تعلق کردیا ہے۔ (یعنی روح انسان جسم انسان ہی میں ہمیشہ منتقل ہوگی کسی دوسرے حیوان کے جسم میں منتقل نہ ہوگی)۔

وہ فرقہ جو اسلام کے نام کا حلقہ بگوش ہے اس کے رد میں تمام اہل اسلام کا ان کی تکفیر میں اجماع کافی ہے علاوہ ان کے جو انھیں کے قول کے قائل ہیں کیونکہ وہ اسلام پر نہیں ہیں (اس لیے ان پر اہل اسلام کا اجماع حجت نہیں)

اسلام کے ماننے والوں کے رد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان احکام کا لانا ہے جو اس (تناسخ) کے خلاف ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قیامت سے پہلے جزا خواہ سختی خواہ نرمی صرف اس وقت واقع ہوتی ہے جب روح بدن سے جدا ہوجائے۔

(قیامت کے بعد) مقام حشر میں جب ارواح کو انھیں اجسام کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا جن میں وہ تھیں تو جزا و بذریعہ جنت و دوزخ ہوگی۔ ان لوگوں نے دو آیتوں سے جو استدلال کیا ہے اس کے بطلان میں بھی مذکورہ بالا اجماع کافی ہے۔ نیز تمام امت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ ان آیات کی مراد اس مطلب کے خلاف ہے جو یہ ملحدین بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مراد "فی ایّ صورۃ ما شاء رکبک" میں یہ ہے کہ وہ صورت جس پر انسان کو ترتیب دیا یعنی طول یا قصر خوبصورتی یا بدصورتی۔ سفیدی یا سیاہی اور جو اس کے مشابہ ہو۔

دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کا احسان جتایا ہے کہ اس نے ہمارے لیے ہمیں میں سے جوڑے پیدا کیے جن سے ہم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اس نے ہم پر اس امر کا احسان جتایا کہ اس نے ہمارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ ہمیں انھیں جوڑوں میں پیدا کرتا ہے جو ہمیں میں سے ہیں۔ یہ بالکل واضح ہوگیا اور اس میں کوئی خفا نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ وہ جوڑے جو ہمارے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ ہمیں میں سے ہیں۔ پھر اس نے ہمارے اور چوپایوں کے درمیان میں فرق بیان کیا ہے۔ لہٰذا اس کی کوئی گنجایش نہ رہی کہ ہمارے وہ جوڑے جن میں ہم پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارے مغایر ہوں۔

یہ کہدینا بھی کافی ہے کہ ان لوگوں کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور اس کو انھوں نے محض اپنے اصول عدل کے مطابق ترتیب دیا ہے جب کہ انھوں نے ایذائے حیوان کو دیکھا۔ اور جو قول کسی دلیل کے سبب سے نہ ہو وہ باطل ہے۔ اور یہ قول ہرگز کبھی کسی نبی سے نہیں آیا۔ حالانکہ اُن قوموں کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے ہے۔

لہٰذا ان کے قول کا فساد خوب روشن ہو گیا۔

فرقۂ ثانیہ دہر کے قائل ہیں، ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ ان کے قول کے فساد کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دعویٰ بلا دلیل ہے جس پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ حسی۔ اور جو دعویٰ ایسا ہو وہ یقیناً باطل ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ہم محض اسی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ ہم اللہ کی قوت و مدد سے اُن کے سامنے روشن و واضح بیان پیش کریں گے۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجناس و انواع کو بنایا اور انواع کو اجناس کے تحت میں مرتب کیا۔ اور ہر نوع کو دوسری نوع سے اُس کی خاص فصل سے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے جدا کر دیا۔ اور یہ فصول مذکورہ جو انواع حیوان کے لیے ہیں اُن کے نفوس ہی کے لیے ہیں جو اُن کی ارواح ہیں نفس انسان حیّ ناطق ہے اور نفس حیوان حیّ غیر ناطق۔ یہ ہر نفس کی طبیعت و فطرت اور اس کا وہ جوہر ہے جس سے اس کا بدل جانا ناممکن ہے کہ ناطق غیر ناطق ہو جائے اور غیر ناطق ناطق ہو جائے۔ اگر یہ ممکن ہو تو پھر مشاہدات بھی باطل ہو جائیں اور وہ چیزیں بھی باطل ہو جائیں جن کو حس و عقل و ضرورت واجب ٹھیراتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ اشیاء اپنی حدود ہی پر منقسم ہوتی ہیں۔

جو یہ کہتا ہے کہ ارواح اپنی ہی نوع کے اجسام میں منتقل ہوتی ہیں، اللہ کی قوت و قدرت سے ان کے قول کو بدیہی طور پر وہی دلائل باطل کرتے ہیں جو ہم نے حدوث عالم کے اثبات میں لکھے ہیں اور اس کی ابتداء کو اور ابتداء کی حد کو ضروری ثابت کیا ہے اور اُن دلائل سے جو ہم نے اثبات نبوت میں لکھے ہیں اور اس سے کہ تمام نبوتیں ان لوگوں کے قول (تناسخ) کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔

ایک بدیہی برہان یہ ہے کہ تمام عالم میں ایسی دو چیزیں نہیں ہیں جو اپنے تمام اعراض و اوصاف میں ہر وجہ سے پورے طور پر باہم مشابہ ہوں۔ یہ امر اختلاف صورت۔ اختلاف ہیئت اور اختلاف اخلاق سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ شے اس کے مشابہ ہے تو اس کا مطلب محض یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں اپنے اکثر احوال میں مشابہ ہیں نہ کہ کل احوال میں اور اگر ایسا نہ ہوتا جو ہم نے کہا تو پھر ہرگز کوئی شخص بھی ان دونوں میں فرق نہ کر سکتا۔ حالانکہ ہم بذریعہ مشاہدہ جانتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس پر ان دو مشابہ چیزوں کا مکرر اور بکثرت گذر ہوا اور متصل ہو تو ضروری ہے کہ ان میں دونوں میں فرق کیا جائے اور ایک کو دوسرے سے تمیز دی جائے۔ ہر ایک میں ایسی اشیاء موجود ہوں جن کی وجہ سے وہ دوسرے سے جدا ہو جائے اور اس میں ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہو۔

لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے دو شخصوں کا وجود ناممکن ہے جو دونوں اپنے تمام اخلاق میں اس طرح متفق ہوں کہ ان میں کسی چیز میں بھی کوئی فرق نہ ہو۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اخلاق نفس میں محمول (یعنی نفس کے اندر داخل) ہوتے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہر صاحب نفس کا نفس خواہ وہ کسی نوع کے جسم میں بھی ہو مغایر ہے اس نفس کے جو کسی دوسری نوع کے جسم میں ہے۔

جو لوگ تناسخ کو جزاء پر محمول کرتے ہیں ان میں بعض کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل حکیم رحیم کریم ہے۔ جب وہ ایسا ہے تو یہ محال ہے کہ وہ کسی بے گناہ پر عذاب کرے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے بدن میں جن کا کوئی بھی گناہ نہیں ہے چیچک اور زخم پیدا کر دیتا ہے۔ جانور جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کے ذبح کرنے پکانے اور کھانے کا حکم دیتا ہے۔ ایک جانور کو دوسرے

جانور پر قابو دیتا ہے اور وہ اسے کاٹتا ہے اور کھا جاتا ہے حالانکہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بجز اس کے ایسا نہیں کیا ہے کہ یہ ارواح گنہگار نہیں اور عذاب کے لیے اس کی مستحق نہیں کہ یہ اجسام حاصل کریں تاکہ ان اجسام میں اُن پر عذاب کیا جائے۔

۷۹ ہم نے اس اصل فاسد کے ابطال پر کسی دوسرے مقام پر اپنی اسی کتاب میں برہمنوں پر کلام کے سلسلے میں جو بیان کیا ہے وہ کافی ہے نیز اس کے بطلان میں اپنی کتاب کے کسی دوسری بحث کے مقام پر بھی ہم نے کلام کو دہرایا ہے۔ معتزلہ میں سے جو قدر کو باطل ٹھیراتے ہیں اُن پر کلام کے سلسلے میں بھی ہم نے اس کے بطلان کو بیان کیا ہے والحمد للہ رب العالمین۔

اس اصل فاسد کے بطلان میں ان سے یہی کہنا کافی ہے کہ اگر تم نے اپنی اس اصل کو وسیع کیا تو تم اسی قسم کی بات میں پڑو گے جس سے تم نے انکار کیا ہے۔ اور کوئی فرق نہ ہو گا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ حکیم عادل رحیم ہے۔ تمھارے قاعدے کے مطابق وہ ایسے شخص کو پیدا نہیں کر سکتا جس کو وہ معصیت کے لیے پیش کرے۔ یہاں تک کہ اُسے اُس کے بنانے کے بعد بذریعہ عذاب اُس کے بگاڑنے کی ضرورت پڑے۔ وہ اس پر قادر ہے کہ ہر نفس کو گناہوں سے پاک پیدا کرے اور اُسے فتنوں کے لیے پیش نہ کرے۔ اور اس کے ساتھ مہربانیاں کرے اور اُن سے اس کی درستی کرے، یہاں تک کہ تمام نفوس اس کے احسان اور دائمی جنت کے مستحق ہو جائیں۔ ایسا کرنے سے اُس کی ملک و قدرت میں کچھ کم نہ ہو گا۔ اگر وہ اس سے عاجز ہے تو یہ صفت نقص ہے جو صفت نقص کا حامل ہو وہ نقص کی وجہ سے حادث و مخلوق ہے۔

اگر انھوں نے اس اصل کو وسیع کر دیا تو وہ مانویہ کے قول میں آ گئے

جو کہتے ہیں کہ اشیاء کے متعدد خالق ہیں، اور اُن کے قول کا ابطال ہم پہلے ہی کر چکے ہیں وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ذات جس کے اوپر کوئی آمر و حاکم نہ ہو اور نہ کوئی ترتیب دینے والا اس کے اوپر ہو تو وہ جو کچھ کرے وہی حق ہے اور وہی حکمت ہے۔ اس قوم کا تعلق شریعت سے ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو قول اس شریعت کے نبی کی طرف سے نہ آیا ہو کذب و افترا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام میں سے تناسخ ارواح کے متعلق کسی کا بھی قول نہیں لہذا ان کا اس کا قائل ہونا محض خرافات کذب اور باطل ہوا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

شریعت کے منکر مدعیان فلسفہ جو اس علم سے بھی دور ہیں

اس فصل میں ہم اللہ کی قوت و مدد سے صحت شرائع کے ضروری ہونے کو ایسے اصول سے بیان کریں گے۔ جن کو اول سے آخر تک حقیقی فلاسفہ کے اصول ضروری ٹھیراتے ہیں اگرچہ اُن میں دوسرے مسائل فلسفہ میں باہم اختلاف ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ

فلسفہ کیا ہے؟

درحقیقت فلسفہ کے معنی۔ نتیجہ غرض اور مقصود اس کے سیکھنے سے سوائے اصلاح نفس کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس طور پر کہ دنیا میں نیک اخلاق اور حسن سیرت پر عامل رہے جو آخرت کی سلامت تک پہنچا دے۔ اور حسن سیاست اپنی منزل اور رعیت کے لیے اور صرف یہی نہ کہ اور کچھ "شریعت کی غرض و غایت ہے۔

یہ وہ امر ہے جس میں نہ علمائے فلسفہ میں سے کسی کا اختلاف ہے

اور نہ علمائے شریعت میں سے۔
جو شخص بزعم خود اپنے کو فلسفی کہتا ہے اور وہ شریعت سے انکار کرتا ہے۔ درحقیقت وہ معانی فلسفہ کے جہل کی وجہ سے اور غرض و معانی شریعت کے جاننے سے بُعد کی وجہ سے کرتا ہے۔ کیا باجماع فلاسفہ فلسفہ فضائل کو رذایل سے واضح نہیں کرتا۔ کیا وہ اُن دلائل سے واقف نہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہیں۔ لامحالہ اس کا جواب اثبات میں ہوگا۔
کیا تمام فلاسفہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ اصلاح عالم دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک باطن ہے اور دوسری ظاہر۔ اور باطن یہی ہے کہ نفس کو اُن شرایع کا عامل بناتا ہے جو لوگوں کو باہمی ظلم اور بدکاریوں سے روکنے والی ہیں۔ اور ظاہر یہی ہے کہ شہر پناہ کی دیواروں کی حفاظت کرنا اور اس دشمن کی مدافعت کے لیے ہتھیار اٹھانا جو لوگوں پر ظلم کا اور فساد برپا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ پھر مذکورۂ بالا اصلاح نفوس کے ساتھ انھوں نے بذریعہ طب اصلاح اجسام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ تو اس کا جواب بھی لامحالہ اثبات میں ہے۔
پھر اُن سے کہا جائے کہ کیا عالم کی درستی اور لوگوں کا ایسے قتل سے باز رہنا جس میں مخلوق کی فنا ہے اور اس زنا سے باز رہنا جس میں نسل کی خرابی اور میراث تباہی ہے۔ اور اس ظلم سے باز رہنا جس میں جان و مال کا ضرر اور ملک کی ویرانی ہے اور ان رذائل سے باز رہنا جو سرکشی، حسد۔ کذب۔ بزدلی۔ بخل۔ چغلی۔ فریب۔ خیانت وغیرہ ہیں بغیر ان شرایع کے ممکن ہے جو لوگوں کو ان سب امور سے روکنے والی ہیں۔؟ اس کا جواب بھی اثبات ہی میں ضروری ہے۔ ورنہ ایک ایسی آزادی و بیکاری لازم آئے گی جس میں اُن تمام امور کا فساد ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ اس وقت ان امور کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو تمام عالم فاسد ہو جائے اور تمام علوم فاسد ہو جائیں۔ انسان میں جو

۸۰

تمھیں اس کا کوئی ایسا حاکم حکم دے جس کی اطاعت کی وجہ سے تم سے ملامت ساقط ہو جائے۔ لہٰذا تمھارے لیے تو کوئی عذر نہیں۔ بخلاف ہمارے حکم کذب کے۔

تم دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہوسکتی کہ یا تو تم اس راز کو ہر شخص سے چھپاؤ گے تو تمھیں اسی الزام کی طرف رجوع ہونا پڑے گا جو ہم نے تمھیں دیا ہے کہ صدق کا ترک کرنا بھی فضیلت ہو گیا۔ اور کذب کسی حد تک حق و واجب ہو گیا۔ اور یہی الزام ہم نے تمھیں دیا تھا۔

اور اگر تم ایسے اس شخص کے لیے جائز رکھو جس پر تمھیں بھروسا ہو تو اگر اس کے قائل ہو گے تو لامحالہ یہ تمھارے راز کے فاش ہونے کا موجب ہو گا۔ اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اصل باوجود اس کے بہت سے جاننے والوں کے بھی پوشیدہ رہے یہ امر بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی شے کے بکثرت جاننے والے ہوتے ہیں تو اس کا پھیل جانا ضروری ہے۔

اگر تم کہو کہ اس شخص سے اس کا چھپانا واجب نہیں جس پر بھروسا کیا جائے۔ اور اس کے ایسے شخص پر ظاہر کرنے میں حرج نہیں۔ جس پر یہ بھروسا کیا جائے کہ اس پر ظاہر کرنا غیر معتمد شخص پر ظاہر ہونے کا سبب نہ ہو گا تو تم نے اس کے ظاہر کرنے کے وجوب کی طرف رجوع کر لیا۔ اس لیے کہ اس کا ظاہر کرنا یقیناً نتیجہ ہے اس کے خاص پر ظاہر کرنے کا نہ کہ عام پر۔ اور اس کے ظاہر کرنے میں جو صلاح اور بہتری تم نے سوچی ہے اس کا بطلان ہے۔ لہٰذا بدیہی طور پر تمھارا الحکم باطل ہو گیا۔ خاصکر وہ لوگ جو اس قول کے قائل ہیں وہ خاص و عام کے سامنے اپنا راز فاش کرنے میں کوشاں ہیں انھوں نے اپنی علت کذب کو بالکل باطل کر دیا اور بری طرح توڑ دیا۔ اور اس کے باوجود باطل و کذب کسی طور پر بھی خیر و فضائل کو پورا نہیں کر سکتے

سوائے خیر و فضائل کے (کہ یہی ان کو پورا کر سکتے ہیں)۔ اور یہ فلسفے کے خلاف ہے۔

اگر یہ شرایع موضوع (یعنی بنائی ہوئی) ہوں تو وہ شریعت جس کو کسی واضع نے وضع کیا ہے وہ اس شریعت سے جسے دوسرے واضع نے وضع کیا ہے پیروی کی زیادہ مستحق نہ ہوگی۔ یہ وہ امر ہے جو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ہمیں عقل کے واجب کرنے سے اور بداہت سے معلوم ہے کہ اقوال مختلفہ متناقضہ میں حق صرف ایک قول میں ہوتا ہے اور بقیہ سب باطل ہوتے ہیں۔ پھر چونکہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے (یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ) ان موضوعات میں سے کونسی شریعت حق ہے اور کونسی باطل۔

اس کی کوئی گنجایش نہیں کہ وہ کوئی ایسی دلیل لائیں جس سے ان میں سے کوئی ایک بقیہ دوسری شریعتوں کے مقابلے میں حق ثابت ہو کیونکہ کسی خاص شریعت کے حق ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے سب کی سب باطل ہوں گی۔ کیونکہ جس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو وہ باطل ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بلا دلیل ایک قول کو لے لے اور ایک کو چھوڑ دے اسی سے کھلم کھلا وہ سب باطل ہو گیا جس کا ان لوگوں نے سہارا لیا تھا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اس بدیہی برہان سے وہ سب باطل ہو گیا جس کا ان جاہل مجنونوں نے توہم کیا تھا۔ اور یقیناً ثابت ہو گیا کہ شرایع صحیح ہیں۔ عالم کے پیدا کرنے والے اور اس کے اس مدبر کی جانب سے ہیں جو عالم کی بقا اس وقت تک کے لیے چاہتا ہے جو وقت کہ اس کے علم میں پہلے سے ہے کہ وہ اسے اس وقت تک جیسا کہ وہ ہے اسے باقی رکھے گا۔

چونکہ یہ بدیہی طور پر ایسا ہے تو اس میں حکم لگانا دو وجہ سے خالی نہیں جن کے لیے کوئی تیسری وجہ نہیں۔

یا تو یہ ہو گا کہ تمام شرایع حق ہوں گی۔ ابو محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے جو اسی طرف گئے ہیں۔

یا یہ ہو گا کہ ان میں سے بعض حق ہوں گی۔ اور بعض باطل۔

لامحالہ ان دو وجہوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر سب حق ہوں تو یہ محال ہے جس کی کوئی گنجایش نہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی شریعت ایسی نہیں جو بقیہ شرایع کی تکذیب نہ کرتی ہو۔ اور یہ خبر نہ دیتی ہو کہ وہ باطل و کفر و گمراہی و الحاد ہیں۔ تو ہم نے دیکھا کہ اس بدنصیب کو جو اپنے گمان کے مطابق تمام شرایع کی موافقت چاہتا تھا اول سے آخر تک تمام شرایع کے خلاف لازم آیا۔ اور بلا اختلاف اُسے تمام شرایع کی تکذیب لازم آگئی۔ اور تمام شرایع کو اس کی تکذیب لازم آگئی۔ اور جو اس طرح ہو اور یہ کہتا ہو کہ وہ سب حق ہیں حالانکہ وہ سب اس کی تکذیب کر رہی ہیں اور وہ ان سب کی تصدیق کر رہا ہے تو یہ خود اپنے کذب اور اپنے قول کے باطل ہونے پر شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ یقیناً صحیح ہے کہ وہ اس میں کاذب ہے۔

نیز ہر شریعت اپنے احکام میں دوسری شریعت کی ضد ہے۔ جس چیز کو یہ حرام کرتی ہے اسی چیز کو وہ حلال کرتی ہے۔ اور جس چیز کو یہ واجب کرتی ہے اسی چیز کو وہ ساقط کرتی ہے۔ یہ محال فاسد ہے کہ ایک شے اور اس کی ضد ساتھ ہی ساتھ اور وقت واحد میں حق ہوں۔ اور ایک ہی وقت میں اور ایک ہی وجہ سے اور ایک ہی انسان کے لیے حلال بھی ہو اور حرام بھی۔ واجب بھی ہو اور غیر واجب بھی۔ اور یہ وہ امر ہے جسے ہر صاحب حس سلیم باطل جانتا ہے۔

جس وجہ سے کسی شے کی تحریم آئی ہے وہ تحریم بھی عقل میں نہیں اور جس وجہ سے کسی شے کا ایجاب آیا ہے وہ ایجاب بھی عقل میں نہیں۔

لہٰذا یہ بھی باطل ہو گیا کہ کسی کو عقل کے معیار سے ترجیح دی جا سکے۔ کیونکہ ان میں سے ہر شے عقل کے نزدیک حد ممکن میں ہے۔

چونکہ یہ وجہ بدیہی طور پر باطل ہو گئی اس لیے لامحالہ دوسری وجہ کی صحت ثابت ہو گئی۔ اور وہ یہی ہے کہ تمام شرائع میں صرف ایک ہی شریعت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور صحیح ہے۔ اور بقیہ شرائع سب کی سب باطل ہیں۔ پھر چونکہ یہ ایسا ہے لہٰذا ہر ذی حس پر اس شریعت کی تلاش اور اس شے سوا ہر شریعت کا ترک کر دینا فرض ہے۔ اگرچہ وہ دقیق و باریک ہی کیوں نہ ہو۔ یہانتک کہ اس سے بذریعۂ دلائل صحیحہ واقفیت حاصل کرنا پڑے۔ کیونکہ ابد (قیامت کے بعد والے وقت) میں اسی سے نفس کی بہتری ہے اور اس کے نہ جاننے سے ابد میں نفس کی ہلاکت ہے۔ سب تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس شریعت کی توفیق دی۔ ہمیں اس سے آگاہ کیا۔ اس کا راستہ بتایا اور اس کی شناخت عطا فرمائی۔ اللہ کی تعریف بھی ایسی کثیر و پاکیزہ جس کا وہ اہل ہے۔ ہم اسی بزرگ و برتر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس پر قایم رکھے یہانتک کہ ہم اس سے اسی کیفیت و حالت سے ملیں کہ ہم اسی شریعت کے اہل اور اسی کے حامل ہوں۔ آمین یارب العالمین۔ وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین۔ وسلم تسلیما کثیرا۔

۸۲

جو شخص اس قول میں ہم سے جھگڑا کرے تو ہم میدان مناظرہ میں ہیں اور اقوال کو بہ دلائل برہن محمول کرنے کو تیار ہیں۔ پھر ہم باطل اور بے دلیل دعاوی کو کمزور ثابت کر دیں گے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور جس کسی کے ہاتھ میں بھی ہوں۔ اور حق ثابت ہو کر چمکے گا۔ جہاں کہیں بھی ہو اور جس کسی کے بھی ہاتھ میں ہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہودی اور وہ نصرانی جن کو تثلیث سے انکار ہے

صابی اور مجوسی جو زردشت کی نبوت مانتے ہیں اور تمام انبیاء کے منکر ہیں

اس مذہب والے یعنی یہود اور اس ملت والے یعنی وہ نصاریٰ جو تثلیث کے منکر ہیں توحید کے اقرار میں ہمارے موافق ہیں۔ نبوت و معجزات انبیاء علیہم السلام میں بھی اور اللہ عزوجل کی جانب سے کتابیں نازل ہونے میں بھی ہمارے موافق ہیں سوائے اس کے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے ماننے اور بعض کے نہ ماننے میں وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح صابی و مجوس بھی بعض انبیاء کے ماننے میں ہمارے موافق ہیں۔

یہود پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

سامریہ۔ یہ سمجھتے ہیں شہر قدس بیت المقدس سے اٹھارہ میل پر ہے۔ یہ اس سے باہر نکلنے کو حلال نہیں سمجھتے اور یہ لوگ ملک شام میں ہیں۔ بیت المقدس کی حرمت کو نہیں مانتے اور نہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کی توریت بھی اس توریت سے جدا ہے جو بقیہ یہود کے

ہاتھوں میں ہے۔ یہ لوگ موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے بعد جتنی نبوتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں ان سب کے منکر ہیں۔ شمعون۔ داؤد۔ سلیمان۔ اشعیا۔ الیسع۔ الیاس۔ عاموص۔ حبقوق۔ زکریا و ارمیا وغیرہم علیہم السلام کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ان کی بعثت کا قطعاً اقرار نہیں کرتے۔

صدوقیہ۔ یہ اس شخص کی طرف منسوب ہیں جس کا نام صدوق تھا۔ تمام یہود میں سے یہی لوگ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے تھے اللہ اس سے برتر ہے۔ یہ لوگ یمن کے اطراف میں ہیں۔

عنانیہ۔ یہ لوگ عانان داؤدی یہودی کے اصحاب ہیں۔ اور انھیں کو یہود عراس و مس بھی کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ شرایع توریت اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام لائے اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ احبار (علمائے یہود) کے اقوال سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ فرقہ عراق و مصر و شام میں ہے۔ اور یہ اندلس میں طلیطلہ اور طلیبرہ میں بھی ہیں۔

ربانیہ۔ یہی اشعنیہ ہیں۔ اور یہ اقوال احبار اور ان کے مذہب کے قائل ہیں اور اکثر یہود یہی ہیں۔

علیسویہ۔ اور یہ لوگ ابو عیسیٰ اصبہانی یہودی کے اصحاب ہیں۔ جو اصبہان میں رہتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا نام محمد بن عیسیٰ تھا۔ یہ لوگ نبوت عیسیٰ بن مریم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی قائل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے عیسیٰ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا تھا جیسا کہ انجیل میں آیا ہے (بلکہ قرآن میں بھی آیا ہے "و رسولاً الی بنی اسرائیل") اور یہ انبیائے بنی اسرائیل میں تھے۔ اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں شرایع قرآن کے ساتھ بنی اسماعیل اور تمام عرب کی طرف مبعوث کیا جیسا کہ تمام یہود کے اقرار کے مطابق ایوب بنی عیص میں نبی تھے۔ اور

بلعام بنی مواب میں نبی تھے۔

میں یہودیوں کے اُن بہت سے خواص سے ملا ہوں جو اس مذہب کی طرف مائل تھے میں نے ان کی ایک تاریخ میں پڑھا ہے جسے ایک ہارونی شخص نے جمع کیا ہے کہ ان میں قدیم اور ان کے بزرگوں اور آئمہ میں سے ان لوگوں میں سے تھا جن سے جنگ طیطوس و ویرانی بیت المقدس کے زمانے میں ان کے تین شہروں تین جنگوں اور تین لشکروں کی مضبوطی ہوئی۔ ان جنگوں میں اس کے بڑے بڑے آثار تھے۔ اس نے امر مسیح علیہ السلام کو پایا تھا اور اس کا نام یوسف بن ہارون تھا۔ یہود کے بادشاہوں اور ان کی جنگوں کا اس نے تذکرہ کیا ہے یہانتک کہ وہ قتل یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تک پہنچا اور اس نے ان کا بہت اچھا تذکرہ کیا ہے۔ ان کی شان کی عظمت ظاہر کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ محض حق کہنے پر ظلماً انھیں قتل کر دیا گیا۔ ممدوحہ کا بھی ذکر کیا ہے اور اچھا ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس نے اس کا انکار کیا ہے اور نہ اسے باطل کیا ہے۔ اسی تذکرے میں بادشاہ ہیرودس بن ہیرودس کا اور اس بادشاہ کے قبل جو حکمائے بنی اسرائیل اور ان کے منتخب و بہترین لوگوں اور ان کے علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس نے مسیح علیہ السلام کی شان میں اس سے زیادہ نہیں کہا ہے۔

میں نے اس کلام کو محض اس لیے نقل کیا ہے کہ میں یہ دیکھوں کہ یہ مذہب ان لوگوں میں ظاہر تھا۔ ان کے آئمہ میں اس وقت سے اب تک پھیلا ہوا تھا۔ پھر یہود دو قسموں پر تقسیم ہو گئے۔

ایک نے نسخ کو باطل قرار دیا اور اس کو ممکن بھی نہیں مانا۔
دوسرے نے اس کو جائز تو سمجھا مگر یہ کہا کہ نسخ واقع نہیں ہوا۔

۸۳

ان کی قابل اعتماد حجت جس سے انھوں نے نسخ کو باطل کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ اللہ عزوجل سے یہ محال ہے کہ وہ پہلے کسی شے کا حکم دے پھر اسی کو منع کرے۔ اور اگر ایسا ہو تو حق باطل بن جائے گا اور طاعت معصیت۔ اور باطل حق ہو جائے گا اور معصیت طاعت۔

ہمیں اس کے سوا ان کی کسی اور حجت کا علم نہیں۔ یہ دلیل اس ملمع کاری و فریب سے بھی کمزور تر ہے جو اپنی اینڈلی پر بھی قائم نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کے تدبر اور اس کے تمام احکام و آثار سے جو اس عالم میں ہیں ان لوگوں کے اس قول کا بطلان یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے پھر مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ ایک عزت والی قوم سے دولت منتقل کر کے اُسے ذلیل کر دیتا ہے اور ذلت والی قوم کو اس دولت سے عزت دے دیتا ہے۔ جس شخص کو جسقدر چاہتا ہے اخلاق حسنہ و اخلاق قبیحہ میں سے عطا کرتا ہے اُس سے اس کے فعل کی باز پرس نہیں ہو سکتی اور سب لوگوں سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔

ہم ان سے بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ تم لوگ ان امتوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جن کا تمھیں میں داخل ہونا مسلم ہے جب انھوں نے تم سے جنگ کی؟ کیا ان کے خون تمھارے لیے حلال نہ تھے اور کیا ان کا قتل کرنا حق و فرض و طاعت نہ تھا؟ اس کا جواب اثبات ہی میں ہو گا۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ پھر اگر وہ تمھاری شریعت میں داخل ہو گئے تو کیا ان کا خون حرام نہیں ہو گیا اور تمھارے نزدیک ان کا قتل حرام و باطل و معصیت نہیں ہو گیا۔ حالانکہ اس کے پہلے وہ فرض و حق و طاعت تھا۔ اس کا جواب بھی "ہاں" کے سوا نہیں ہو سکتا۔

جب انھوں نے سبت (ہفتے کے دن مچھلی کے شکار) میں

سرکشی و نافرمانی کی تو اُن کا قتل باوجود پہلے حرام ہونے کے پھر فرض نہیں ہو گیا۔ اس کا جواب بھی "ہاں" ہی ہے۔ خود اپنے قول و عقیدے کے بطلان میں اُن کا یہ اقرار ظاہر ہے۔ اور خود اُن کا اسی چیز کو ثابت کرنا ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا کہ حق باطل بن جائے گا، امر نہیں بن جائے گا۔ طاعت معصیت بن جائے گی، یہی کلام اُن کی تمام شرایع میں ہو گا۔ اس لیے کہ وہ وقت محدود میں عمل محدود کے لیے احکام تھے پھر جب وہ وقت نکل گیا تو یہی امر نہی بن گیا۔ مثلاً وہ عمل جو اُن کے یہاں جمعے کو حلال ہے اور ہفتے کو حرام ہے۔ اور پھر اتوار کو حلال ہے۔ اور مثلاً روزے اور قربانیاں اور بقیہ تمام شرایع۔ اور یہ بعینہ شرایع کا نسخ ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا اور اس سے الگ ہونا چاہتے تھے۔

نسخ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ عزوجل حکم دے کہ کوئی عمل کسی مدت تک کیا جائے پھر اُس مدت کے گذرنے کے بعد اُس سے منع کر دے۔

کسی عقل میں بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حکم دینا چاہتا ہے پہلے سے انھیں آگاہ کر دے اور بتا دے کہ وہ انھیں یہ حکم دے گا اور پھر اس کے بعد انھیں اس سے منع کر دے گا۔

اور اُس میں کہ اُنھیں اس کے متعلق کچھ نہ بتائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ جو حکم دینا چاہتا ہے قبل اس کے کہ وہ وقت آئے کہ جس میں وہ شریعت کو ان پر لازم کرنا چاہتا ہے اپنے بندوں کو بتا دے۔

نیز تمام یہود اس کے مقر ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے خلاف تھی۔ اور یعقوب نے لیا اور راحیل دختران لابان سے نکاح کیا اور دونوں کو ساتھ ساتھ جمع کیا۔

اور یہ شریعت موسیٰ علیہ السلام میں حرام ہے۔
اسی کے ساتھ ان کا یہ قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کے والد کی پھوپھی اور ان کے دادا کی بیٹی تھیں اور ان کا نام یوحانذ ابنت لاوی تھا۔ اور یہ شریعت موسیٰ میں حرام ہے۔
کسی عقل میں بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ ایک شے کو اللہ تعالیٰ پہلے حلال کرے پھر حرام کردے اور ایک شے کو پہلے حرام کرے اور پھر حلال کردے۔ اور جو ان دونوں میں فرق کرے وہ مشاہدے کا مخالف ہے۔

84 ان کی توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعۂ وحی حکم دیا تھا اور موسیٰ نے اس کے متعلق ان لوگوں کو حکم دیا تھا جس کی تصریح توریت میں ہے کہ ان ساتوں امتوں میں سے جو فلسطین واردن کے باشندے ہیں ایک کو بھی بغیر قتل کے نہ چھوڑنا۔ پھر ایک امت نے جن کو عباودن کہا جاتا تھا ان لوگوں کو دھوکا دیا حالانکہ وہ انھیں امتوں میں سے ایک تھے جن کا قتل کردینا اور مٹا دینا ان پر فرض کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے ان سے حیلہ کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ دور دراز شہروں سے آئے ہیں یہاں تک کہ ان لوگوں سے معاہدہ کرلیا۔ جب اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس ملک کے انھیں باشندوں میں سے ہیں جن کے قتل کا انھیں حکم دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے یوشع نبی کی زبان پر ان کا قتل ان لوگوں پر حرام کردیا جس کی تصریح کتاب یوشع میں ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔ ان لوگوں نے انھیں مکان مقدس میں پانی اور لکڑی لانے کے لیے رہنے دیا۔ بلا تکلف یہ وہی نسخ ہے جس کا انھوں نے انکار کیا تھا۔

ان کی توریت میں بداء بھی ہے جو نسخ سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے

فرمایا کہ میں عنقریب اس امت کو ہلاک کر دوں گا۔ اور تمہیں ایک دوسری بڑی امت کے متعلق (قتل کا) حکم دوں گا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام برابر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے رہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ اور ان لوگوں کے ہلاک کرنے سے رک گیا۔

یہی بداء اور کذب ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں۔ کیونکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ ان لوگوں کو ہلاک کر دے گا اور دوسروں کے متعلق حکم دے گا۔ پھر اس نے نہیں کیا تو یہی بعینہ کذب ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری تر ہے۔ سفر اشعیا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر زمانے میں اپنے بیت کے لیے فارسیوں میں سے خدام مقرر کرے گا۔ بعینہ یہی نسخ ہے کیونکہ توریت اس امر کو ضروری ٹھیراتی ہے کہ سوائے بنی لاوی بن یعقوب کے اپنے مراتب خدمت کے مطابق کوئی اور بیت المقدس کی خدمت نہ کرے۔ پھر وہ لوگ اشعیا کے اس قول کو جس وجہ میں بھی رکھیں بہر حال وہ توریت کے حکم کا نسخ ہے۔ لیکن درحقیقت یہ انذار (خوف دلانا) بذریعۂ ملت اسلامیہ کے ہے جس میں اہل فارس و عرب اور ہر قسم کے لوگ بیت المقدس وغیرہ کی مساجد میں ہوئے جو اللہ کے بیوت (مکانات) ہیں۔

وہ گروہ جس نے نسخ کو جائز رکھا مگر یہ بتایا کہ وہ ہوا نہیں۔ بتوفیق الٰہی ان سے بھی کہا جائے کہ تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی صحت اور ان کی طاعت کا وجوب کیونکر معلوم ہوا یہ ناممکن ہے کہ سوائے علامات و براہین اور ان کے معجزات ظاہرہ کے کوئی اور شے پیش کر سکیں۔

بتوفیق الٰہی ان سے کہا جائے گا کہ جب موسیٰ کی تصدیق اور ان کے حکم کی طاعت اس وجہ سے واجب ہوئی جو ان سے طبائع کی

تبدیلی اور معجزات ظاہر ہوئے جیسا کہ ہم نے اُس باب میں بیان کیا ہے جو اثبات نبوت کے کلام میں ہے۔ تو پھر موسیٰ میں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جو دوسرے معجزات لایا۔ اور دوسرے طبایع کو بدل دیا۔

ہر ذی حس جانتا ہے کہ جو چیز کسی نوع کے لیے واجب ہوتی ہے وہ اس کے تمام اجزا کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔ جب ایسا طبایع کا بدلنا ظاہر ہوا جو اس شخص کی تصدیق واجب کرتا ہے جس پر ظاہر ہوا تو پھر تصدیق موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مساوی طور پر واجب ہے اور یقیناً دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان میں کیا فرق ہے کہ تم بھی اُن اشخاص کی جن پر احالۂ طبایع (طبایع کا بدلنا۔ معجزات) کا ظہور ہوا اُن میں بعض کی تصدیق کرتے ہو اور بعض کی تکذیب۔ ان میں جو اُن کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تم نے تکذیب کی اور ان کی تکذیب کرتے ہیں جن کی تم نے تصدیق کی۔

مثلاً مجوس زردشت کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں اور موسیٰ اور تمہارے تمام انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں۔

یا مانویہ کہ یہ نبوت عیسیٰ و زردشت کی تو تصدیق کرتے ہیں اور نبوت موسیٰ کی تکذیب کرتے ہیں۔

یا صابئین کہ یہ نبوت ابراہیم علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جو ابراہیم سے نیچے ہیں جیسے ادریس علیہ السلام وغیرہ ان کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہ تمام فرقے اور مذاہب موسیٰ علیہ السلام اور تمہارے تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں اُس سے زیادہ کہتے ہیں جو تم عیسیٰ و محمد علیہما السلام کے بارے میں کہتے ہو۔ ان سب باتوں کو اُن کی تاریخیں اور کتابیں بتاتی ہیں جو موجود و مشہور ہیں۔

اسی کے قریب قریب سامریہ بھی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمھارے ہر نبی کے منکر ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تم ان تمام مذکورہ بالا فرقوں کے سامنے کوئی ایسی دلیل پیش کر سکو کہ وہ ویسی ہی دلیل تمھارے سامنے نہ پیش کر سکیں۔ یا کوئی ایسا دعویٰ کر سکو کہ وہ لوگ بھی ویسا ہی دعویٰ تمھارے سامنے نہ کر سکیں۔ اور یا تم ان کی نقل و روایت میں کوئی ایسا اعتراض کر سکو کہ وہ ویسا ہی تمھاری نقل و روایت میں تمھیں نہ دکھا سکیں۔ بالکل تم ان کے مساوی ہو اور وہ تمھارے مساوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس برہان پر اس آیت میں متوجہ فرمایا ہے۔

ولاتجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن الا الذين ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذي انزل الينا وانزل اليكم والهنا والهكم واحد "(اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اسی طریقے سے جو بہتر ہو۔ سوائے اُن کے کہ جو ان میں ظالم ہیں۔ اور کہو کہ ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم پر نازل کیا گیا۔ اور ہمارا تمھارا معبود ایک ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ طریقۂ ایمان جس سے وہ ایمان لائے یعنی نبوت اور وہ طریقۂ ایمان جس سے ہم ایمان لائے وہ دونوں ایک ہی ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایمان اُس خدا پر جو موسیٰ کا بھیجنے والا ہے وہی ایمان ہے اُس خدا پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا ہے۔ ہر ایک کا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے جس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اگر یہود میں سے کوئی یہ فریب دے کہ مسلمان تو موسیٰ پر ایمان لاتے ہیں مگر یہود محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ فریب ضعیف و بارد ہے۔ اس لیے کہ یا تو موسیٰ کی نبوت کی تصدیق انھوں نے محض ہماری تصدیق کی وجہ سے کی کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی ان کی تصدیق نہ کرتے۔ یا انھوں نے موسیٰ کی

فقط اس لیے تصدیق کی کہ انھوں نے برہان (و معجزات) کا اظہار کیا۔

اگر انھوں نے ہماری تصدیق کی وجہ سے موسیٰ کی تصدیق کی تو اُن پر واجب ہے کہ ہماری ہی تصدیق کی وجہ سے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصدیق کریں۔ ورنہ انھوں نے اپنی بات کی مخالفت کی۔

اگر محض اس وجہ سے تصدیق کی کہ انھوں نے معجزات ظاہر کیے تھے تو پھر نہ تو ان کی تصدیق کرنے والے کی تصدیق کے کوئی معنی ہیں نہ تکذیب کرنے والے کی تکذیب کے۔ حق تو حق ہی ہے خواہ لوگ اس کی تصدیق کریں یا تکذیب۔ اور باطل باطل ہی ہے خواہ لوگ اس کی تصدیق کریں یا تکذیب۔ کسی حق پر تمام لوگوں کے اس کی تصدیق پر متفق ہونے سے اس حق میں کسی درجے کا اضافہ نہیں ہوتا۔ اور کسی باطل پر تمام لوگوں کے اس کی تکذیب پر متفق ہونے سے اس باطل میں کسی مرتبے کا اضافہ نہیں ہوتا۔

کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ ہم اپنے مناظرے میں کسی ایسے شخص سے مناظرہ کرتے ہیں جو ہمارے اُن ہم مذہب لوگوں میں سے ہے جو بعض اجماعی اقوال میں ہمارے مخالف ہیں۔ ہم نے اس مقام پر خود اپنے کلام کے خلاف کیا ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیے کہ ہم نے اس (کلام) کی مخالفت نہیں کی۔ کیونکہ اجماع حجت ہے اور دین اسلام کے فتاوی میں اس کی صحت پر برہان قایم ہو چکی ہے۔ اور جس کی صحت پر برہان قایم ہو تو وہ مخالف و موافق دونوں پر قطعی حجت ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے مخالف پر حجت قایم کریں کہ وہ اُن بعض امور میں جس میں ہم اختلاف کرتے ہیں وہ ہمارے موافق ہے تو یہ ہم پر حجت نہیں ہے۔ پھر اگر ہمیں کوئی دن مل گیا تو ہم اس سے کسی جاہل کو خطاب کریں گے کہ ہم اس کے ذریعے سے اس کی غلطی و بدخواہی

کی گرفت کریں۔ یا اسے دلیل سے مغلوب کریں تا کہ اسے اُس کا تناقص دکھادیں۔

ہم تو محض اس لیے نبوت موسیٰ پر ایمان لائے ہیں کہ انھوں نے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی ہے۔ اور تورات پر اس لیے ایمان لائے ہیں کہ اُس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے نام ونسب اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے صفات کے ساتھ خبر دی گئی ہے۔ اور ہم موسیٰ وعیسیٰ و توریت و انجیل پر جس میں رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات کی خبر نہ ہو ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ہم ان سب کا انکار کریں گے اور ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں ہم ہرگز اُن کے موافق نہیں۔ لہذا اُن کا یہ مکر و فریب بھی ٹوٹ گیا و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اجمالی کلام یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی روایت اُن وجوہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں فاسد ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کریں گے کہ ان کی کتابوں میں کیسا عظیم الشان فساد ہے اور وہ بنائی ہوئی ہیں اور ان کی روایت محض غلط ہے۔ ہم نے جو موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کی تصدیق کی ہے وہ محض اس لیے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی تصدیق کی ہے اور ہمیں ان دونوں کے معجزات کے متعلق خبر دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم کبھی ان دونوں کی تصدیق نہ کرتے۔ اور نہ وہ دونوں ہمارے نزدیک اس امر میں الیاس والیسع ویونس ولوط کے مرتبے میں ہوتے۔ جیسا کہ ہم سموال وحقائی کی اور اُن تمام انبیاء کی جو ان لوگوں کے نزدیک مثل موسیٰ کے ہیں اور وہ سب جن کا ہم نے ذکر کیا صحت نبوت کا یقین نہیں رکھتے اور کوئی فرق نہ ہوتا لیکن ہم یہ کہتے کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ لہذا اگر مذکورۂ بالا اشخاص بھی انبیاء ہیں تو ہم اُن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اور اگر یہ انبیاء نہیں تو ان یہود و نصاریٰ کی

جھوٹی خبروں کی وجہ سے جن کی کوئی اصل نہیں اور جو قوم کفار سے ہیں اور جھوٹے ہیں ہم اُن لوگوں کو اللہ کے انبیاء میں داخل نہیں کرتے جو انبیاء میں نہیں۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

٨٦

اللہ نے فرمایا ہے کہ "وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر" (اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں نذیر یعنی ڈرانے والا رسول نہ گذرا ہو) اور رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصصھم علیک" (کہ اُن میں سے بعض کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اور ان میں سے بعض کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا)۔ لہٰذا ہم تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور سوائے اُن کے جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بتادیا ہے اور کسی کا نام نہیں لیتے

فرقہ سامریہ کے سوا یہود کے بقیہ تمام فرقوں سے کہا جائے کہ تم میں اور اُن سامریہ میں کیا فرق ہے جو یوشع کے بعد ہر اس نبی کی تکذیب کرتے ہیں جس کی تم تصدیق کرتے ہو جیسا کہ تم لوگ عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے کسی طور پر مفر نہیں ہو سکتی۔

اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ عیسیٰ و محمد معجزات نہیں لائے تو یہ اُن کا کھلا ہوا جھوٹ اور علانیہ شرارت ہے کیونکہ بڑی بڑی جماعتوں نے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک میں ایک لشکر کثیرہ کو جو بیس ہزار تھے ایک چھوٹے سے پیالے سے جس میں آپ کی انگلیوں سے پانی بہ رہا تھا سیراب کردیا۔

حدیبیہ میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔

آپ نے ابو طلحہ کے مکان میں اہل خندق کو (جو تقریباً تین ہزار تھے چند روٹیوں اور تھوڑے سے سالن میں) اتنا کھلایا کہ وہ سب شکم سیر ہو گئے۔

اسی طرح جابر کے مکان میں بھی۔

آپ نے قبیلہ ہوازن کے (بارہ ہزار کے) ایک لشکر پر مٹی پھینکی آپ کی ایک مٹھی خاک سے اُن کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور اسی واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی" (آپ نے خاک نہیں پھینکی جب پھینکی مگر اللہ نے پھینکی) جب آپ سے آپ کی قوم نے معجزے کی درخواست کی تو آپ نے

چاند کو شق کر دیا۔ اسی واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا آیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر وکذبوا واتبعوا اھواءھم وکل امر مستقر ولقد جاءھم من الانباء ما فیہ مزدجر" (قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور اگر یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نہ ختم ہونے والا جادو ہے۔ اور انھوں نے تکذیب کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی۔ اور ہر کام مقرر ہے (جب اس کا وقت ہوتا ہے وہ کیا جاتا ہے اسی طرح اُن کے عذاب کا بھی ایک وقت مقرر ہے) حالانکہ ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں جن میں عبرت ہے)

اسی طرح کھجور کے خشک تنے کی گنگناہٹ (آواز) کہ اُسے تمام حاضرین صحابہ نے سنا۔

جسے اس سے تعجب ہو اور جو اسے بہت بڑی بات سمجھے تو اس کے لیے اُن یہودیوں سے جو اس وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے اور جو بلاشک ہزار سے زائد تھے اور کیا عجب ہے کہ ہزاروں ہوں۔ اور وہ بنی قریظہ۔ بنی نضیر۔ بنی اہدل اور بنی قینقاع تھے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ اگر وہ لوگ آنحضرت کی نبوت کی تکذیب میں سچے ہیں تو موت کی تمنا تو کریں۔ اور بطور پیشینگوئی انھیں یہ بھی بتادیا کہ وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے۔ وہ لوگ اس سے یعنی تمنائے موت سے عاجز رہے۔ اور اُن کے اور اس تمنا کے زبان پر لانے کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوگئی (یعنی وہ مارے ڈر کے اس بات کو زبان پر نہ لاسکے)۔ یہ قصہ سورۂ جمعہ میں منصوص ہے جو شرق سے غرب تک مسلمانوں کی تمام مساجد میں ہر جمعے کو پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن لوگوں کو نہایت آسان امر تھا کہ وہ اس کی تکذیب اس طرح کرتے کہ اگر اُن سے ہوسکتا تھا تو موت کی تمنا کرتے حالانکہ وہ یہ آیت سنا کرتے تھے

"فتمنوا الموت ان کنتم صادقین۔ ولن یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم"
(لہذا (اے یہود) اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اور یہ کبھی تمنا نہ کریں گے اُن اعمال کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھ پہلے کر چکے ہیں)۔

یہ وہ امر ہے جس کا سوائے جاہل بے شرم اور مشاہدے کے منکر کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ قرنوں اور زمانوں سے یہ آیات گروہ کے گروہ نقل کرتے چلے آتے ہیں جن میں اُن (یہود) کو مخاطب بنایا جا رہا ہے۔ مگر ہر ایک نے یقین کر لیا اور مان لیا اور کسی کو ممکن نہ ہوا کہ اس کا انکار کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت بعثت سے تمام عرب کو باوجودیکہ وہ نہایت فصیح اللسان تھے اور بکثرت انواع بلاغت استعمال کرتے تھے۔ مثلاً اطناب۔ ایجاز۔ فنون بلاغت میں تصرف۔ الفاظ مرکبہ میں بذریعہ تصرف وجوہ معانی۔ اس امر کی دعوت دی کہ وہ بھی اس قرآن کے مثل کوئی کتاب لائیں۔ اور پھر انھیں صرف ایک ہی سورۃ لانے کے لیے فرمایا۔ مگر باوجود طول و عرض میں اُن کے شہروں کی وسعت کے وہ سب کے سب اس سے عاجز رہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تئیس سال تک انھیں میں مقیم رہے وہ لوگ آپ سے جنگ کرنے کو سہل سمجھتے رہے ان کی خونریزی سے تعرض ہوتا رہا اُن کی اولاد غلام بنائی جاتی رہی، بایں ہمہ سب کے سب قرآن کے مقابلے سے جس کی آپ نے انھیں دعوت دی تھی باز رہے۔

جس شخص کو قلیل سے قلیل فہم بھی ہے اس پر بھی یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ان لوگوں پر اس عجز پر محض اس امر نے آمادہ کیا کہ انھیں اس سے سخت دشواری تھی اور انھیں اس کی قوت نہ تھی اور انھیں اس سے عاجز کر دیا گیا تھا۔ پھر دنیا چار سو بیس برس سے ایسے بلغاء سے عامر ہو گئی جو اس طرح زبان درازی کرتے رہے جیسے ایک نقاد کرتا ہے۔ اور بیہودہ معنی میں طول دیتے رہے تاکہ اُن جماعتوں میں

جن کو دین اسلام میں بصیرت نہیں ہے ان کی قادر الکلامی کا اظہار ہو۔ مگر ان میں سے جو بھی مقابلۂ قرآن کی مشقت کے لیے تیار ہوتا تھا وہ گرا اور رسوا ہوا۔ اور اُسے مسخرہ بنا یا گیا اور ذلیل ہوا اور اس کی اور اس کی کلام کی ہنسی اڑائی گئی اور مضحکہ کیا گیا۔ ان لوگوں میں سے ایک مسلمہ بن حبیب الحنفی تھا کہ جب اس نے اس کا قصد کیا تو اس کی زبان ایسی ہی باتوں پر چلی جس سے بچہ مری ہوئی عورت بھی ہنسے۔

ان میں سے ایک اور شخص کہ میرے اور اس کے درمیان مناظرہ ہو رہا تھا، اس کے لیے تیار ہو گیا، میں نے اس سے کہا کہ خدا سے اپنی جان کا خوف کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیان و بلاغت کی وہ نعمت دی ہے جس سے تو ترقی کر گیا ہے۔ واللہ اگر تو اس باب (مقابلۂ قرآن) میں اشارے سے بھی مقابلہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے اس نعمت کو ضرور ضرور سلب کرے گا۔ اور تجھے رسوا کرے گا اور تیری تشہیر ہوگی، ہنسی ہوگی اور مضحکہ ہوگا جیسا کہ تجھ سے پہلے جس نے اس کا ارادہ کیا اس کے ساتھ کیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ واللہ تم سچ کہتے ہو اور اس نے ندامت کا اظہار کیا اور اپنے عیب کا اقرار کیا۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا یہ مشاہدہ ہے۔ یہ وہ معجزہ و نشانی ہے جو آج تک باقی ہے اور اختتام دنیا تک باقی رہے گی۔ بقیہ معجزات انبیاء علیہم السلام انہیں انبیاء کے ساتھ فنا ہو گئے اور ان میں سے سوائے ان کی خبر کے اور کچھ نہ رہا۔

ایک قوم کا گمان یہ ہے کہ عرب اور ان کے تابعین بلغاء کا قرآن کے مقابلے سے عاجز رہنا محض اس وجہ سے ہے کہ قرآن طبقات بلاغت میں انتہائی بلندی پر ہے۔ یہ شدید غلطی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو اس وقت یہ ہرگز معجزہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ یہ صفت تو ہر اس شے کی ہے جو اپنے طبقے میں سبقت لے جائے۔ اور

جو شے ایسی ہو اگرچہ وہ کسی خاص وقت میں سبقت لے گئی ہو وہ اس سے بےخوف نہیں ہے کہ کل کوئی ایسی شے آجائے جو اس کے قریب ہو بلکہ اس سے بالاتر ہو۔

قرآن میں اعجاز یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کو اس کا مثل لانے سے عاجز کردیا اور اُن سے اس کی قوت اٹھالی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہنے والا کہے کہ میں آج اس راستے میں چلوں گا اور میرے بعد کسی کو اس میں چلنا ممکن نہ ہوگا۔ اور وہ شخص سب لوگوں سے طاقتور بھی نہ ہو۔ لیکن اگر چلنے سے عاجزی راستے کی دشواری اور اس چلنے والے کی طاقت سے ہو تو یہ نشانی اور معجزہ نہیں ہے۔

ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ قرآن انسانی بلاغت کی قسم میں سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں اوائل سُور میں وہ اقسام اور حروف مقطعات ہیں جن کے معنی بھی کوئی شخص نہیں جانتا۔ اور یہ انسانی بلاغت معہودہ کی قسم میں سے نہیں ہے۔

اُنیس برادر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے قرآن کو سنا اور کہا کہ "میں نے قرآن کو بلغاء وشعراء کی زبان کے مقابلے میں رکھا مگر کسی کو اس کے موافق نہ پایا۔ یا کوئی ایسا کلام (ابھی نہ پایا) جس کے معنی ہی ایسے ہوتے"۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوگیا کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ درست ہے کہ قرآن بلاغت مخلوق کی قسم ہی سے خارج ہے۔ وہ ایک ایسے رتبے پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اس کا مثل لانے سے روکدیا ہے۔ اس موضوع میں ہمارا ایک رسالہ ہے۔ جس میں مکمل بحث ہے، ابوعامر احمد بن عبدالملک ابن شہید کے پاس ہم نے اس کو بھیجا تھا۔ انشاء اللہ ہم اس کا کچھ حصہ یہاں بھی بیان کریں گے، اس کتاب میں جو کلام معتزلہ واشعریہ کے ساتھ خلق قرآن کے بارے میں ہے اس کے لیے بھی کافی ہوگا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ "قرآن کا مقابلہ کرنے والوں کو یا تو اس زمانے میں (بجبر) روکا گیا یا اُنھوں نے مقابلہ تو کیا مگر اس کو چھپا ڈالا گیا"۔ تو بتوفیق الٰہی اُسے جواب دیا جائے گا کہ جو تم کہتے ہو اگر یہ ممکن ہے تو پھر دوسرے کو بھی یہ ممکن ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں بھی ایسا ہی دعویٰ کرے بلکہ یہ تو دغا و فریب کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ تمھاری توریت میں ہے کہ ساحروں نے بھی ویسا ہی کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا بجز مچھروں کے کہ وہ لوگ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

جادو سے طبیعت نہیں بدل سکتی

حالانکہ یہ باطل اور کھلی ہوئی تبدیلی ہے۔ اس لیے کہ سحر نہ تو آنکھ کو پھیرتا ہے نہ اسے بدلتا ہے اور نہ طبیعت کو بدلتا ہے۔ اور وہ محض حیلے اور بہانے ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق اللہ کی مدد سے اسی کتاب میں اس کے مقام پر اور دوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ اعتراض تو اس طریقے کا ہے جس سے بڑے بڑے گروہوں کے مشاہدے کا ابطال لازم آتا ہے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو حضرات صاحب حکومت ہوئے وہ مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کے دشمن نہ ہوں جو اپنی عداوت سے اُسے انتہائی غیظ و غضب تک نہ پہنچا دیتے ہوں۔

روافض ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کی عداوت و تکفیر میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کبھی کسی مومن یا کافر نے یا شیخین کے دشمن یا دوست نے یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا اقرار کرنے پر مجبور کیا ہو۔ یا زبردستی کسی ایسی چیز کو چھپایا ہو جس سے آنحضرتؐ یا قرآن کا مقابلہ کیا گیا ہو۔ اور نہ کسی یہودی یا نصرانی کو یہ کہنے کی قدرت ہے۔

اسی طرح عثمانؓ و نیز علیؓ کہ جن سے خوارج عداوت رکھتے ہیں

اور ان دونوں کی عداوت وتکفیر میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی معترض نے ان دونوں حضرات کے بارے میں بھی اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بادشاہ بھی اس کا قصد کرے تو وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ بادشاہ لوگوں کے ہاتھوں اور زبانوں پر قادر نہیں ہیں وہ لوگ اپنے گھروں .. میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جس پر اعتماد کرتے ہیں اس سے اس کو ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ عام طور پر مشہور ہو جاتا ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ جس کے ضبط پر اور رو کنے پر کوئی بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ خاصکر دنیا کی درازی اور اس کے اطراف کی وسعت کے باوجود جو سندھ سے اندلس تک پھیلی ہوئی ہے کسی امر کا چھپانا کیونکر ممکن ہے؟ اگر اس کا مقابلہ ممکن ہوتا تو مشرق سے مغرب تک اس سے ایسا شخص بھی باز نہ رہتا جسے استطاعت کا ادنیٰ حصہ بھی خود اسی کے نزدیک اُسے حاصل ہوتا جو اُن لوگوں میں سے ہوتا جسے اسلام میں کسی قسم کی بصیرت نہیں ہے۔

اگر کوئی یہودی یہ کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہود کو یہ حکم دیا ہے کہ تمھارے پاس جو نبی آئے اس سے اس شریعت کے سوا کوئی شریعت قبول نہ کرنا۔ ہم بتوفیق الٰہی اسے یہ جواب دیں گے کہ چند وجوہ سے موسیٰ علیہ السلام کا ایسا کہنا غیر ممکن ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ ایسا کہتے تو خود اپنی نبوت کو بھی باطل کر دیتے۔ یہ وہ بات ہے جس میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ ان لوگوں سے یہ فرماتے کہ اس شخص کی تصدیق نہ کرنا جو تمھیں کسی دوسری شریعت کی دعوت دے اگرچہ وہ معجزات ہی لائے۔ تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ جب کہ کوئی اور شخص معجزات لائے اور کسی چیز کی دعوت دے اور وہ معجزات اس کی لائی ہوئی چیز کی تصدیق کے بموجب نہ ہوں تو پھر یہی معجزات موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی چیز کی تصدیق کے بھی

ہمارا مددگار ہے کہ یہ کلام اس قبیل سے نہیں ہے جس کا دعویٰ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو ہم نے یہ جان لیا ہے کہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لیے کسی کو یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ کوئی معجزہ دکھا سکے۔ اگر معجزے کا ظہور ممکن ہوتا تو اس کے ظاہر کرنے والے کی تصدیق بھی واجب ہوتی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی وجہ سے بھی کسی پر کوئی معجزہ ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

اگر کوئی معترض کہے کہ "تم لوگ دجال کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تم تو خود ہی خیال کرتے ہو کہ اس کے لیے عجائب ظاہر کیے جائیں گے"۔ بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بارے میں مسلمانوں کے عقاید چند قسم پر ہیں۔

ضرار بن عمرو اور تمام خوارج بالکل دجال کے ہونے ہی کی نفی کرتے ہیں، تو پھر کیونکر اس کے لیے کوئی نشانی ہوگی۔

مسلمانوں کے بقیہ فرقے دجال کی نفی نہیں کرتے۔ وہ عجائب جو اس کے متعلق بیان کیے گئے ہیں وہ محض بروایت احاد ہیں (اور روایت احاد سے نہ یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ انکار کفر ہے)۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ دجال تو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اور خدائی کے مدعی کے دعوے ہی میں اس کے کذب کا بیان ہے۔ متکلمین کہتے ہیں دجال پر عجائب کا ظہور کسی صاحب عقل کی گمراہی کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن مدعی نبوت پر عجائب کا ظہور ناممکن ہے کیونکہ یہ ہر صاحب عقل کی گمراہی کا سبب ہوگا۔

ہمارا قول اس میں یہ ہے کہ جو عجائب کہ دجال سے ظاہر ہوں گے وہ محض اس قسم کے حیلے ہوں گے جو فرعون کے ساحروں نے کیے تھے۔ وہ حسین بن منصور حلاج کے اعمال اور شعبدہ بازوں کے شعبدوں کے قبیل سے ہوں گے۔ اس پر مغیرہ بن شعبہ کی حدیث دلالت کرتی ہے

ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ کلام ان [illegible] ہے جس کا دعویٰ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو ہم نے یہ جان لیا ہے کہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لیے کسی کو یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہ کوئی معجزہ دکھا سکے۔ اگر معجزے کا ظہور ممکن ہوتا تو اس کے ظاہر کرنے والے کی تصدیق بھی واجب ہوتی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی وجہ سے بھی کسی پر کوئی معجزہ ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

اگر کوئی معترض کہے کہ "تم لوگ دجال کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تم تو خود ہی خیال کرتے ہو کہ اس کے لیے عجائب ظاہر کیے جائیں گے"۔ بتوفیق الہٰی اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بارے میں مسلمانوں کے عقاید چند قسم پر ہیں۔

ضرار بن عمرو اور تمام خوارج بالکل دجال کے ہونے ہی کی نفی کرتے ہیں، تو پھر کیونکر اس کے لیے کوئی نشانی ہو گی۔

مسلمانوں کے بقیہ فرقے دجال کی نفی نہیں کرتے۔ وہ عجائب جو اس کے متعلق بیان کیے گئے ہیں وہ محض بروایت احاد ہیں (اور روایت احاد سے نہ یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ انکار کفر ہے)۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ دجال تو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اور خدائی کے مدعی کے دعوے ہی میں اس کے کذب کا بیان ہے۔ متکلمین کہتے ہیں دجال پر عجائب کا ظہور کسی صاحب عقل کی گمراہی کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن مدعی نبوت پر عجائب کا ظہور نا ممکن ہے کیونکہ یہ ہر صاحب عقل کی گمراہی کا سبب ہو گا۔

ہمارا قول اس میں یہ ہے کہ جو عجائب کہ دجال سے ظاہر ہوں گے وہ محض اس قسم کے حیلے ہوں گے جو فرعون کے ساحروں نے کیے تھے۔ وہ حسین بن منصور حلاج کے اعمال اور شعبدہ بازوں کے شعبدوں کے قبیل سے ہوں گے۔ اس پر مغیرہ بن شعبہ کی حدیث دلالت کرتی ہے

جب کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دجال کے ساتھ پانی کی نہر اور روٹی کا ڈھیر ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ وہ خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ عمران بن حصین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جو شخص دجال کو سنے تو اسے چاہیے کہ اس سے دور رہے کیونکہ آدمی اس کے پاس آئے گا اور وہ اپنے کو مومن سمجھتا ہوگا مگر جو شبہات دیکھے گا اُن کی وجہ سے اُس کی پیروی کرلے گا۔ نص سے ثابت ہوگیا کہ دجال صاحب شبہات ہوگا، صاحب حقایق نہ ہوگا۔

تمام حدیثیں اس باب میں متفق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمایا کہ دجال جو کچھ ظاہر کرے گا پانی کی نہر۔ آگ انسان کا مار ڈالنا اور اس کا جلانا یہ سب حیلے ہوں گے۔ اور ان سب کے وجوہ ہوں گے کہ جب تلاش کیے جائیں گے پائے جائیں گے۔ بعض معدنی اجسام جب اُنھیں گلایا جائے گا تو وہ شکل بدل کر پانی معلوم ہونے لگیں گے۔ ہٹی کا تیل صورت بدل کر غلط طور پر یہ دکھائے گا کہ وہ آگ ہے۔ ایک انسان قتل کر کے چادر سے ڈھانک دیا جائے گا اور دوسرا تیار اور پوشیدہ ہوگا جو ظاہر ہو جائے گا کہ معلوم ہو کہ یہ قتل کردیا گیا تھا پھر زندہ کردیا گیا۔ جیسا کہ حسین بن منصور حلاج نے چتکبرے بکری کے بچے کے بارے میں کیا تھا۔ اور جیسا کہ شریعی ونمیری نے خچر کی مادہ کے بارے میں کیا تھا۔ اور جیسا کہ زبزن نے چڑیا کے متعلق کیا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ جو شخص مرغی کو مرتال کھلائے گا تو وہ بیہوش ہو جائے گی اور اس کی موت میں کوئی شک نہ کیا جائے گا۔ پھر اس کے حلق میں تیل ٹپکایا جائے تو وہ صحیح سالم اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہ اس وقت معجزہ ہوتا اگر وہ ہڈیوں کو زندہ کرتا جو گلی سڑی ہوتیں پھر ان پر گوشت کا پیدا ہونا دکھاتا۔ تو یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ ہوتا جس میں کوئی

شک نہ ہوتا اور نہ اس پر سوائے نبی کے کوئی قادر ہوتا۔ ہم نے چڑیا کو دیکھا ہے کہ پانی میں ڈالدی جاتی ہے، اس کے مرجانے میں کسی کو شک نہیں رہتا، پھر ہم اسے دھوپ میں رکھ دیتے ہیں بس تھوڑی ہی دیر میں اٹھ کر اڑ جاتی ہے۔ پانی میں ڈوبی ہوئی مکھی کے بارے میں بھی ایسا ہی معلوم ہوا ہے کہ جب اس پر نئی اینٹ کا سفوف چھڑک دیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات نہ تو کسی دیوار کے پیچھے ہوتے ہیں، نہ کسی معین مکان میں، اور نہ کسی پردے کے نیچے، بلکہ وہ بالکل ظاہر اور کھلم کھلا ہوتے ہیں۔ میں نے خود ابو محمد عرف محرق کے حیلے و شعبدے کا راز فاش کیا ہے۔ جو ایک ایسی بات چیت کے بارے میں تھا کہ اس کے سامنے سنائی دے مگر اس کا متکلم نظر نہ آئے۔ میں نے اس کے بعض اصحاب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مجھے یہ آواز کسی دوسرے مکان میں سنائے یا جہاں میدان ہو اور عمارت نہ ہو، مگر وہ اس سے عاجز رہا۔ اور اس کا حیلہ ظاہر ہو گیا۔ حیلہ یہ کیا تھا کہ ایک سوراخدار بانس تھا جو دیوار کے پیچھے کسی پوشیدہ درز پر رکھ دیا جاتا، وہ شخص جو بانس کے کنارے ہوتا وہ بانس کے منہ پر مسجد والوں کی نظر بچا کر چند کلمات جو دو تین سے زیادہ نہ ہوتے بولتا تھا۔ جو لوگ گھر میں محرق ملعون کے ساتھ ہوتے انھیں اس میں کوئی شک نہ ہوتا کہ بات چیت اُن کے سامنے ہوئی ہے۔ اور اس میں بات چیت کرنے والا محمد بن عبد اللہ کاتب تھا جو محرق کا ساتھی تھا۔

اگر کوئی معترض قرآن کی اس آیت پر اعتراض کرے "وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون" (اور ہمیں خاص معجزات کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ اگلوں نے ان کی تکذیب کی تھی (اسی طرح پچھلے بھی کریں گے) تو

معترض کو بتوفیق الٰہی یہ جواب دیا جائے گا کہ اس کا مطلب دو طرح نکلتا ہے۔
ایک تو یہ کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ اس شخص کو زجر و توبیخ (گھر کی جھڑکی) ہے جو ان معجزات کی فرمائش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا کلام نقل فرما دیا اور الف استفہام کو حذف کر دیا اور یہ بکثرت کلام عرب میں موجود ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ معجزات مراد لیے ہیں جن کی شرط لگائی گئی تھی آسمان پر چڑھنا اور آپ کے ہمراہ فرشتے کا رہنا۔ اور اسی کے مشابہ۔ اللہ تعالیٰ پر شرط لگانے کا کسی کو حق نہیں۔
قول اول ہی ہمارا جواب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے سے کوئی شے نہیں روک سکتی۔

معجزۂ قرآنی

اسی طرح اگر کوئی معترض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتراض کرے کہ کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جس کو وہ چیز دی گئی ہے کہ اس کی مثل پر بشر ایمان لایا ہے۔ مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ محض وہ وحی ہے جو مجھے بھیجی جاتی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے متبعین تمام انبیاء کے متبعین سے زاید ہوں گے۔
بتوفیق الٰہی معترضین سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مراد وہ بہت بڑا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک رہے گا، جو آپ کی بعثت کا سب سے پہلا معجزہ ہے، اور وہ قرآن ہے۔ اس معجزے کے ابد تک باقی رہنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور انبیاء کے معجزات کے خلاف قرار دیا ہے اس لیے کہ ان معجزات کا اعجاز سمجھنے میں عالم و جاہل سب مساوی ہیں۔ لیکن اعجاز قرآن کو محض علماء عربیت ہی سمجھتے ہیں۔ باقی لوگ علماء کے

بتانے سے سمجھتے ہیں۔
توریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کھلی ہوئی پیشینگوئی ہے کہ "عنقریب میں بنی اسرائیل کے لیے ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی قایم کروں گا جس کی زبان پر اپنا کلام جاری کروں گا۔ پھر جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔"
یہ صفت سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی میں نہ تھی۔ برادران بنی اسرائیل سے مراد بنی اسماعیل ہیں۔
توریت کے سفر خامس میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ سینا سے آیا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوگیا"، سینا بلاشک وہ مقام ہے جہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ سعیر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقام ہے، اور فاران بلاشک مکہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقام ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو فاران میں آباد کیا۔ اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ابراہیم نے اسماعیل کو مکے ہی میں آباد کیا تھا۔ لہٰذا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بعثت کی نص و تصریح ہے۔

نبی اسلام جس نے سب کو ایک بنادیا

۹۱ وہ خواب جس کی تفسیر دانیال نے کی ہے اس پتھر کے متعلق جس کو بادشاہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس پتھر نے اس بت کو ریزہ ریزہ کر دیا جس کا کچھ حصہ سونے کا تھا، کچھ چاندی کا، کچھ تانبے کا کچھ لوہے کا، اور کچھ مٹی کا۔ اس نے ان سب کو ملا کر گوندھ ڈالا اور سب کو ایک ہی شے بنا دیا، اس کے بعد پتھر بڑھا، یہاں تک کہ اس نے تمام زمین کو بھر دیا۔
دانیال نے اس کی تعبیر یہ کی کہ ایک نبی ہوگا جو تمام اجناس

کو جمع کر دے گا اور اس کے حکم کا قبضہ آفاق بھر پر ہو گا۔ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ایسا کوئی نبی کہیں ہوا ہے جس نے تمام اجناس کو باوجود ان کے اختلاف کے اور باوجود اُن کی زبان، دین، وطن، اور ملک کے اختلاف کے جمع کر دیا اور اس نے اُن سب کو جنس واحد زبان واحد امت واحدہ مملکت واحدہ اور دین واحد بنا دیا۔ کیونکہ عرب وفارس۔ اور نبط (جو عرب وفارس کے درمیان تھے) اور کرد وترک ودیلم اور الجبل۔ بربر۔ قبط اور روم وہند وسود ان کے تمام مسلمان باوجود اپنی کثرت کے سب کے سب ایک ہی زبان میں بولتے ہیں، اسی میں قرآن پڑھتے ہیں، اور تمام مذکورۂ بالا اقوام امت واحدہ بن گئی ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ نبوت مذکورہ بلا اشکال ثابت ہو گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

فارقلیط

اس باب میں جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ مساوی طور پر اُن نصاریٰ پر بھی حجت ہے جو صرف نبوتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں، اور وہ اریوسیہ۔ مقدونیہ۔ بولقانیہ ہیں۔ اسی کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی وہ دعاء بھی ہے جو انجیل میں ہے کہ "اے اللہ فارقلیط کو بھیج کہ وہ لوگوں کو تعلیم دے کہ بشر کا بیٹا انسان ہے"

جس کو عقل ہو اس کے لیے یہ نہایت واضح ہے۔ اس لیے کہ مسیح علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اُن کی قوم اُن کے بارے میں حد سے بڑھ جائے گی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ وہ اس شخص کو مبعوث کرے جو لوگوں سے بیان کرے کہ وہ نہ آلہ ہے نہ آلہ کا بیٹا ہے۔ وہ محض انسان ہے جو ایک عورت سے پیدا ہوا ہے۔ تو آیا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی ایسا آیا جو اس کو بیان کرتا جس سلیم کے لیے اس بیان کے بعد کوئی حیلہ نہیں رہتا۔

اللہ شکر کی توفیق دے کہ اس نے ہدایت کی توفیق دی۔
اگر کوئی معترض یہ کہے کہ مجوس زردشت کی نبوت کو مانتے ہیں۔ اور یہود کی ایک جماعت ابوعیسیٰ الاصبہانی کی نبوت کو مانتی ہے۔ ایک قوم جو غالی کفار میں سے ہے وہ بزیع الحائک (جولاہہ) اور مغیرہ بن سعید و بنان بن سمعا التمیمی وغیرہ کی جو قبیلۂ کلاب کے غالی لوگوں میں سے تھے نبوت کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو بتوفیق الٰہی اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعیسیٰ و بنان و بزیع اور وہ تمام حد سے بڑھنے والے لوگ جن کی نبوت یا خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں جن میں اچھے برے سب ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی کسی طور بھی کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔
معجزات ثابت نہیں ہوتے تاوقتیکہ انھیں بڑے بڑے گروہ نقل نہ کریں۔ یہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے، ایسی خبر جس کے صدق پر دلائل قائم ہو چکے ہیں، کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ یہ دلیل اُن لوگوں کے بطلان کے لیے صحیح ہے جو ان کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں زردشت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے) بعض مسلمان بھی اُن کے قائل ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس کا معجزہ ثابت ہو جائے اس کی نبوت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے "وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر" (کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرانے والا (نبی) نہ گذرا ہو)۔ اور فرماتا ہے "ورسلا قد قصصناھم علیك من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک" (اور آپ سے پہلے بہت سے رسول ہیں جن کا ہم نے آپ سے ذکر کیا اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا)۔

مسلمان کہتے ہیں کہ مجوس جو غلط باتیں زردشت کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ سب باطل اور مجوس کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ "مانیہ" ان کی طرف اپنی باتیں منسوب کرتے ہیں اور ان سب کے اقوال ایسے متضاد ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ان اقوال کا کہنے والا خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا وقت واحد میں ان کو کہہ سکے۔ اسی طرح "ملکانیہ" اپنے قول تثلیث کو مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ "نسطوریہ" بھی اپنا قول انھیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی طرح "یعقوبیہ" بھی "مانیہ" بھی اپنا قول ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی طرح "مرقونیہ" بھی یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ان سب گروہوں نے زردشت و مسیح پر جھوٹ باندھا ہے، "غالیہ" نے قرآن میں بھی اسی قسم کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کتاب و شریعت جو اپنے ہی ماننے والوں تک محدود رہے اور غیروں سے بچائی جائے، اس میں تبدیل و تحریف شامل ہو جاتی ہے۔

مجوس کی کتاب و شریعت ان کی سلطنت کی درازی کی مدت تک موبد اور تیئیس[۲۳] خدام و متولیان آتش کدہ کے پاس رہی۔ اور ہر متولی آتش کدہ کی ایک کتاب تھی جو بلا شرکت غیرے تنہا اسی کے پاس رہتی تھی، نہ کوئی دوسرا متولی اسے دیکھ سکتا تھا نہ اور کوئی غیر۔ ان لوگوں کے سوا کسی اور کے لیے یہ جائز بھی نہ تھا۔ اس کے بعد ان کی کتاب میں سکندر کے جلا دینے سے رخنے پڑ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہ دارا بن دارا پر غالب آ گیا تھا۔ وہ لوگ بغیر آپس کے اختلاف کے اس کے مقر ہیں کہ اس کتاب کا ایک تہائی حصہ جاتا رہا۔ اس واقعے کو بشیر ناسک اور ان کے دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔

۹۲

اسی طرح توریت بھی بنی اسرائیل کی سلطنت کی مدت بھر تنہا کوہن اکبر ہارونی کے پاس رہی۔ جس کا سوائے جھوٹے بیجیا کے اُن میں بھی کوئی منکر نہیں۔

اسی طرح انجیل بھی چار مختلف کتابیں چار مختلف اشخاص کی تالیف سے تھیں۔ ان سب میں تبدیل کا امکان تھا۔

مجوس کے بڑے بڑے گروہوں نے زردشت کے علامات و معجزات نقل کیے ہیں مثلاً پگھلا ہوا جستہ اُن کے سینے پر اونڈیل دیا گیا مگر انھیں اس نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ یا گھوڑے کے چاروں قدم اس کے پیٹ میں گھس گئے تھے اور انھوں نے انھیں نکالا۔ اور اس کے علاوہ۔ جو لوگ مجوس کو اہل کتاب کہتے ہیں اُن میں علیؓ بن ابی طالب و حذیفہ رضی اللہ عنہما (صحابہ میں) اور سعید بن المسیب و قتادہ و ابو ثور (تابعین میں) اور جمہور اصحاب اہل ظاہر ہیں۔ ہم نے اس قول کی صحت کو ثابت کرنے والے دلائل اپنی کتاب مسمی بہ الایصال کی کتاب الجہاد اور کتاب الذبائح اور کتاب النکاح میں بیان کیے ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین۔ اور اس کی صحت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے جزیہ لینا کافی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ براۃ میں غیر کتابی سے جزیہ لینے کو حرام کر دیا ہے۔ (قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون) (سورۂ توبہ پارہ ۱۰) (یعنی اُن لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور نہ اُسے حرام سمجھتے ہیں جو اللہ و رسول نے حرام کیا۔ اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب ہیں۔ یہانتک کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔)

یہود کے عیسویہ سے کہا جائے گا کہ جب تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے قرآن کے منقول ہونے میں، آپ کے معجزات کے نقل کرنے میں اور آپ کی نبوت کی صحت میں بڑے گروہ کی تصدیق کر دی، تو قرآن میں جو کچھ ہے اُس کا ماننا تم پر لازم ہے، قرآن میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں اور آپ کو حکم ہے کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں "یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا" (اے لوگو میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں)۔

دوسری آیت یہ ہے "من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الآخرۃ من الخاسرین" (جو شخص سوائے اسلام کے کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا)۔

اسی باب میں یہ آیت ہے "وقاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الآخر۔ الی۔ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" (یہ پوری آیت مع ترجمہ اوپر بیان ہو چکی)۔ اس میں یہود کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ جس دین پر ہیں اُسے ترک کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کریں۔ یہ وہ امر ہے جس سے انھیں مفر نہیں۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ "قرآن میں تو یہود کے لیے یوم السبت (شنبہ) کو محترم قرار دیا گیا ہے اور اس کے التزام پر انھیں ابھارا گیا ہے" تو یہ تو انھیں محض زجر و توبیخ ہے کہ وہ اپنے جن اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں اُن سے ایسے افعال سرزد ہوئے تھے۔ اور اس کو نص قرآن جو اس آیت میں بیان کرتی ہے "ورسولا الی بنی اسرائیل لیحل لھم بعض الذی حرم علیھم (یعنی عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول بنا کر بھیجے گئے تاکہ وہ بعض حرام چیزیں ان کے لیے حلال کر دیں)۔ یہ یہود کی شریعت کے نسخ و بطلان پر نص جلی ہے۔

وہ امر جس سے نہ کوئی مومن انکار کر سکتا ہے نہ کافر، یہ ہے کہ آپ نے یہود بنی اسرائیل سے جنگ کی جو بنی قریظہ نضیر۔ ہذل و بنی قینقاع میں سے تھے۔ انھیں قتل کیا، گرفتار کیا۔ اُن پر جزیہ مقرر کیا۔ اور ان کو کافر بنایا جب وہ اسلام کی طرف رجوع نہ ہوئے۔ اُن میں سے جو اسلام لایا اس کا اسلام قبول فرمایا۔ لہٰذا اگر اُن کا دین منسوخ نہ ہو گیا ہوتا تو آپ کو انھیں اس کے ترک پر مجبور کرنا جائز نہ ہوتا۔ یا جزیہ لینا اور تحت بنا کے رکھنا روا نہ ہوتا۔ نہ آپ کو جائز ہوتا کہ اُن سے ترک دین بنی اسرائیل کو قبول فرمائیں۔ یہ محال و ممتنع ہے کہ جو شخص عیسویین کے نزدیک رسول صادق و نبی ہو وہ ظلم و ستم کرے اور دین حق کو بدل دے۔ لہٰذا اس سے اُن کے قول کا فساد و تناقض یقیناً بغیر کسی اشکال کے واضح ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

93

اسی طرح صابئین کے فرقوں میں سے جو لوگ بعض انبیاء کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں مثلاً ادریسؑ، اور دوسرے لوگ جن کے بارے میں ان کے قول کی صحت کا یقین بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عادمون۔ استقلابیوس و ایلون وغیرہ۔ اور مجوس جو صرف زردشت کو مانتے ہیں، ان سب سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ تم جن کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہو ان کی نبوت کس چیز سے ثابت ہوئی۔ سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ "اُن لوگوں کے لائے ہوئے معجزات ثابت ہیں۔" ان سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بارے میں آنحضرت تک نقل و روایت باعتبار زمانے کے بھی زیادہ قریب ہے، باعتبار صحت و ثبوت کے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ اور باعتبار عدد ناقلین و رواۃ بھی زیادہ ہے۔ اور زیادہ ظاہر و بدیہی ہے۔ نہ تو کوئی فرق ہے اور نہ اس سے انھیں قطعاً کوئی مفر ہے۔ اس لیے کہ وہ نقل ہی نقل ہے۔ مگر ہماری نقل زیادہ

شائع وظاہر ہے اور اشاعت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ باوجودیکہ صابیین کا دین باقی نہ رہا اُن کا اتصال بھی منقطع ہو گیا اور اُن کی روایت ونقل کا مرجع بھی ایسے لوگ ہیں جن کی قلت کی وجہ سے اُن سے حجت قایم نہیں ہوتی۔ بس اس دین کی بنیاد یہ ہے۔ شاید اس وقت روئے زمین پر اُن کی تعداد چالیس تک بھی نہ پہنچے۔

مجوس خود ہی اس کا اعتراف واقرار کرتے ہیں کہ اُن کی وہ کتاب جس میں اُن کا دین تھا سکندر نے جب دارا بن دارا کو قتل کیا اس کتاب کو بھی جلا دیا۔ اور اس کے دو ثلث یا زیادہ جاتے رہے۔ اس میں سے ایک ثلث سے بھی کم رہ گیا جو حصہ جاتا رہا شریعت اسی میں تھی۔ جب اُن کے دین کی یہ صفت ہے تو اُس کا بالکل قائل ہونا ہی باطل ہے اس لیے کہ اس کا اکثر حصہ جا چکا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہیں دیتا جس کی اُتنی حفاظت کا بھی وہ ذمہ نہ لے کہ وہ چیز اس شخص تک پہنچ جائے۔

ان کی ایک کتاب میں جس کا نام "خدائے بانہ" (خدائی نامہ) ہے جس کی یہ لوگ بے انتہا تعظیم کرتے ہیں یہ لکھا ہے کہ بادشاہ نوشیرواں نے ممانعت کر دی تھی کہ سوائے ازدشیر حزہ کے کہیں بھی یہ لوگ اپنا دین نہ سیکھیں۔ یہ دین ففط وانجرد (دارابجرد) سے پھیلا۔ اس کے قبل بھی یہ صرف اصطخر میں سیکھا جا سکتا تھا۔ اور وہ سوائے مخصوص لوگوں کے اور کسی کے لیے جائز بھی نہ تھا۔

اُن کی اس کتاب سے جو سکندر کے جلانے کے بعد بچ گئی تھی تیئیس[۲۳] جزو تھے ان لوگوں کے تیئیس[۲۳] ہی متولی و خادم آتش کدہ تھے، ہر متولی کے لیے ایک جزو تھا جو دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ موبذ موبذ ان ان تمام اجزائے کتاب سے واقف تھا۔

جس کتاب کی یہ شان ہو تو اس کی تبدیل و تحریف لازم ہے۔ اور جو نقل اس طرح کی ہو وہ فاسد ہے جس کی صحت پر یقین

نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کھلا ہوا جھوٹ جو اُن کی اُن کتابوں میں ہے جن پر ایمان لائے بغیر اُن کا دین صحیح نہیں ہوتا یہ ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ "شاہ جرم جب چاہتا تھا ابلیس پر سوار ہوا کرتا تھا"۔ اور "انسان کی ابتدا ایک ساگ سے ہوئی جس کا نام ریباس یعنی شہرالیہ ہے۔" اور بیروان کی ولادت کی وجہ سے سیاؤش بن کیکاؤس نے آسمان وزمین کے درمیان شہر گنگدژ بنایا اُس میں اہل بیتوتات کے اسی ہزار پیادوں کو بسایا اور وہ لوگ اس میں ابتک رہے۔ جب بہرام ہماوند گائے پر ظاہر ہوا کہ اُن کی سلطنت کو واپس لائے تو یہ شہر زمین پر اتر آیا۔ ان لوگوں نے اس کی مدد کی اور اپنے دین وسلطنت کو واپس کر لیا۔"

ہر کتاب جس میں جھوٹ کو جمع کیا جائے وہ باطل و موضوع ہے۔ اللہ عزوجل کی طرف سے نہیں ہے۔ دین مجوس کا فساد بھی اسی طرح مساوی طور پر ظاہر ہوگیا جس طرح دین یہود و نصاریٰ کا فساد ظاہر تھا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

مناقضات ظاہرہ وتکذیبات واضحہ

تورات وانجیل کے تناقض وتقائص

انشاء اللہ ہم کتب مذکورہ کا ایسا کذب بیان کریں گے کہ کسی صاحب تمیز کو شک نہ رہے گا کہ یہ اُن احبار کی طرف سے جو اُن کے

۹۴ مولف ہیں خود انھیں نے اللہ تعالیٰ پر اور ملائکہ علیہم السلام اور انبیا علیہ السلام پر کذب و افترا باندھا ہے۔ ان کتابوں کا کذب کسی پر اسی طرح مخفی نہ رہے گا جس طرح دن کی روشنی بصارت رکھنے والوں سے مخفی نہیں رہتی، ان متناقض و فاسد بیانات پر ان سب کے اتفاق کو دیکھ دیکھ کے ہمیں تعجب ہوا کرتا تھا، کیونکہ ان میں ایسی بے سر و پا باتیں ہیں جن کی بے حقیقتی کسی متنفس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ لیکن یہودیوں کے بیانات پڑھے تو معلوم ہوا کہ جس طرح انگلیوں کی درزیں یکساں ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابیں بھی ایک سی ہیں، اس سے انصاف پسند مخالفین کے نزدیک بھی ہمارے قول کی صحت ثابت ہو گئی کہ جو شخص دین اسلام و مذہب سنت و مسلک محدثین کے مخالف بھی ہے وہ بھی اسی دین کی گمراہی کو سمجھتا ہے جس کے معتقد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد ترک کر دی۔ اس لیے یہ اپنی عقول کی مخالفت کر رہے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہیں۔ اور ان کے گمان ان کے یقین پر محض اپنے اسلاف کی تقلید اور تعصب اور دنیوی ریاست کے برقرار رہنے کی وجہ سے غالب ہیں۔ ہم نے تو جہانتک ان کے روسار کو دیکھا ہے ایسا ہی پایا ہے۔ لہٰذا ہم اللہ کی حمد کثیر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام و مذہب سنت و اتباع آثار صحیحہ کی ہدایت فرمائی۔ اسی پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ہمیں اپنی ہی راہ کا داعی بنائے رہے کہ اپنی ملاقات کے وقت ہمیں اپنی رحمت و رضامندی کی دعوت دے آمین۔

اس کتاب کے ہر پڑھنے والے کو جاننا چاہیے کہ ہم نے کتب مذکورہ میں سے کسی شے کا استنباط اس طور پر نہیں کیا ہے کہ کسی اور وجہ پر اس کا استنباط ممکن ہو چاہے وہ دقیق و باریک ہی ہو۔ اس کے بعد اس قسم کے اعتراض کے کوئی معنی نہیں۔ (یعنی توریت و انجیل

کی عبارتیں ہم جس مطلب کے لیے لائے ہیں اُس کے سوا اُن کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہو سکتا)۔

ہم نے کسی ایسے کلام کا استنباط نہیں کیا جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اگرچہ یہ ان میں موجود ہے۔ اس لیے کہ معترض کو یہ کہنے کا حق ہوتا کہ اللہ نے اس سے جو بھی مراد لیا ہو وہ صحیح ہے۔ ہم نے محض ایسے مضامین کا حوالہ دیا ہے اور انہیں کو لیا ہے جن میں نہ کوئی حیلہ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اور وجہ۔ سوائے ان جھوٹے دعووں کے جن پر قطعاً نہ کوئی دلیل ہے، نہ وہ قابل احتمال ہیں، نہ خفی ہیں۔

توراتِ سامری

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو توریت سامریہ کے ہاتھ میں ہے وہ اس توریت کے خلاف ہے جو دوسرے یہودیوں کے پاس ہے۔ سامریہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہی توریت نازل کی گئی ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ جو توریت یہود کے پاس ہے وہ محرف و مبدل ہے۔ تمام یہود یہ کہتے ہیں کہ سامریہ کی توریت میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سامریہ کی توریت ہم تک نہیں پہنچی کیونکہ وہ لوگ فلسطین و اردن سے اس کا نکلنا قطعاً جائز نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ایسی بدیہی دلیل اس امر پر بھی لائے ہیں کہ وہ توریت بھی جو سامریہ کے ہاتھ میں ہے محرف و مبدل ہے۔ ان فصول کے آخر میں جہاں ہم نے ملوک بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے وہیں اس کا بھی ذکر ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

متداول تورات

یہود کی اُس توریت کے پہلے ورق میں جو ان کے ربانی۔ عانانی و عیسوی کے پاس ہے روئے زمین کے مشارق و مغارب میں وہ جہاں کہیں بھی ہوں اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ ایک ہی حال پر ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں ایک لفظ کا اضافہ کرنا چاہے یا دوسرا لفظ کم کرنا چاہے تو

وہ سب کے نزدیک رسوا ہو جائے۔ اس توریت کی انتہا ان کے ان علماء تک ہے جو ان لوگوں کی سلطنت ہارونیہ کے زمانے میں انقلاب ثانی سے پہلے تھے۔ اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند عذرا ہارونی وراق تک پہنچتی ہے

۹۵

آدم بشکل پروردگار عالم

اس توریت کے شروع میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "آدم کو شکل اپنی صورت و شباہت کے بناؤں گا"

اگر صرف "شکل اپنی صورت کے" فرماتا تو اس کے لیے اچھی وجہ اور صحیح معنی ہو سکتے کہ صورت کی اضافت اللہ کی طرف بطور اضافت ملک و خلق کرتے۔ جیسا کہ یہ کہتے ہوں کہ "یہ عمل اللہ کا ہے" اسی طرح کے لیے کہتے ہو کہ "یہ اللہ کی صورت ہے" "یہ اللہ کی تصویر ہے" یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت ہے اور ایسی صفت ہے جو تنہا اللہ ہی کی ملک و خلق میں ہے۔ لیکن "شکل اپنی شباہت یا شبہ کے" کہنا تو تمام تاویلات کا سد باب کر دیتا ہے۔ آدم کو اللہ کا مثل و شبہ ثابت کرتا ہے۔ اور اس کا بطلان بداہت عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شبہ و شکل کے ایک ہی معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت دور ہے کہ کوئی اس کا مثل یا شبہ ہو۔

روئے زمین پر بہشت کی نہریں

تذکرہ تخلیق آدم کے بعد ہی تورات میں ہے کہ ایک نہر عدن سے نکلے گی جو باغوں کو سیراب کرے گی اور وہیں سے متفرق ہو جائے گی، اس کی چار شاخیں ہو جائیں گی۔ پہلی کا نام نیل ہو گا اور وہ تمام بلاد زویلہ کو محیط ہو گی جس میں سونا ہے اس بستی کا سونا کھرا ہے۔ اس میں موتی اور بلور ہو گا۔ دوسری شاخ کا نام جیحان ہو گا اور وہ تمام بلاد حبشہ کو محیط ہو گی۔ تیسری کا نام دجلہ ہو گا اور یہ شرق موصل میں جاری ہے اور چوتھی کا نام

فرات ہے۔ اور اللہ نے آدم کو لیا اور انھیں جنات عدن میں رکھا۔

وجوہ کذب اس کلام میں کذب کے ایسے وجوہ فاحشہ ہیں جو اس کا یقین دلاتے ہیں کہ یہ کسی جھوٹے مسخرے کا بنایا ہوا ہے۔

پہلی وجہ اس امر کی خبر دینا ہے کہ یہ چاروں نہریں اس نہر سے منتشر ہوں گی کہ اسی جنات عدن سے نکلتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو رکھا۔ کیونکہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر اس نے انھیں اس جنت سے نکال دیا جب اُنھوں نے اس درخت میں سے کھایا جس کے کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا۔ جسے علم ہیئت سے ذرا سی بھی واقفیت ہے، جو ربع مسکون کا کچھ بھی حال جانتا ہے یا جو مصر و شام و موصل گیا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ سب کا سب ذلیل جھوٹ ہے۔

دریائے نیل کا مخرج جنوب کے ایک چشمے سے ہے جو آبادی سے باہر جبال قمر میں ہے۔

دریائے دجلہ و فرات کا مخرج شمالی جیحان سے ہے۔

دریائے جیحان بلاد روم سے نکلتا ہے اور مصیصہ اور اس کی بیرونی آبادی مسمی کفربینا کے درمیان سے گذرتا ہے یہانتک کہ مصیصہ سے چار میل پر بحر شام میں گر جاتا ہے۔

دریائے دجلہ کا مخرج اُن چشموں سے ہے جو آرمینیہ کی عملداری اور دیار بکر کے موضع آمد کی سرحدوں میں ہیں۔ اس کا پانی اُن پتھریلے میدانوں میں گرتا ہے جو مشہور ہیں اور جو بصرے کے قریب عربی و عراقی سرحدوں میں ہیں۔

دریائے فرات کا مخرج بلاد روم سے ہے جو آرمینیہ کے قریب قالی قلا سے ایک روز کی مسافت پر ہے۔ پھر وہ رقہ کی عملداری سے عراق تک کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں

اور دونوں دجلے میں گر جاتی ہیں۔ یہ بہت بڑا اور برا جھوٹ ہے جس سے مفر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔

دوسری وجہ۔ اُس کا یہ کہنا ہے کہ نیل بلاد زویلہ کو محیط ہے اور جیحان بلاد حبشہ کو محیط ہے۔ یہ بھی بہت برا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے کیونکہ تمام ملک سودان میں حبشہ وغیر حبشہ سوائے نیل کے قطعاً کوئی نہر نہیں ہے۔ اس کی سات شاخیں ہیں جن کا مخرج ایک ہی ہے۔ پھر وہ سب شاخیں بلاد نوبہ کے اوپر جمع ہو جاتی ہیں۔

تیسرا جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ بلاد زویلہ میں عمدہ قسم کے موتی ہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے اس لیے کہ اس میں موتی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ موتی صرف بحر ہند و فارس اور ہند و چین کے سمندروں میں ہوتے ہیں یہ سب رسوا کرنے والی باتیں ہیں جن کو ہرگز اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا ہو گا۔ ۹۶

دفع دخل

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نیل و فرات و سیحان و جیحان جنت کی نہریں ہیں۔ ہم کہیں گے کہ ہاں یہ صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ اور وہ بغیر کسی تاویل کے تکلف کے اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ وہ معنی یہ ہیں کہ یہ جنت کی نہروں کے نام ہیں، جیسے کوثر و سلسبیل۔

اگر کوئی معترض کہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے، اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیاں جنت کا ایک باغ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی حق ہے اور آپ کے علامات نبوت میں سے ہے۔ کیونکہ اپنے مقام قبر کی خبر دی ہے۔ آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ یہ مقام اپنی بزرگی کے باعث اور نماز کی عظمت کے

سبب سے ایسا ہے کہ یہاں کی عبادت ہم کو جنت تک پہنچا دے گی۔ یہی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ۔

یہ زبان کا محاورہ ہے کہ ہر بزرگ و پاکیزہ شے کو جنت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ہم جس کو کوئی خوشخبری سناتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی خبر ہے۔ اور شاعر کہتا ہے "روائح الجنۃ فی الشباب" یعنی جنت کی خوشبوئیں تو زمانہ شباب ہی میں آتی ہیں۔

توریت یہود میں جو کچھ ہے وہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے بنانے والے نے اپنے کذب کو کسی تاریکی میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ اس کی مراد نیل سے وہی دریا ہے جو زمین زویلہ کو کہ عمدہ سونے کا مقام ہے گھیرے ہوئے ہے اور دجلہ سے وہی مراد ہے جو موصل کی شرقی جانب ہے۔ اور جیحان سے وہی مراد ہے جو اس بلد حبشہ کو محیط ہے جو ابتک پیدا ابھی نہیں ہوا۔ اس نے اپنے کلام کی تاویل ڈھونڈھنے والے کے لیے نہ کوئی حیلہ چھوڑا نہ کوئی مخرج۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

توریت کے جھوٹ کی توجیہ و تاویل ناممکن ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ان کی توریت کی نص میں بیان کیا ہے کہ وہ جنت جس سے آدم اس کے ایک درخت سے کچھ کھانے کی وجہ سے نکالے گئے وہ وہی جنت ہے جو عدن کی شرقی جانب اسی زمین پر ہے نہ کہ آسمان پر جیسا کہ ہم لوگ قایل ہیں۔ لہذا ایسا جھوٹ ثابت ہوا جس سے ہرگز نجات نہیں۔

اگر ان کی توریت میں سوائے اسی ایک جھوٹ کے اور کوئی جھوٹ نہ ہوتا تو یہی کافی ہوتا کہ توریت موضوع ہے جس کو موسیٰ ہرگز نہیں لائے اور نہ وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اس کے بہت سے نظائر ہیں اور نظائر پر نظائر ہیں۔

سدذی القرنین

اگر کہا جائے کہ قرآن میں سد یاجوج و ماجوج کا ذکر ہے مگر نہ تو سد کا پتا معلوم ہے اور نہ یاجوج و ماجوج کا مقام۔

ہم کہیں گے کہ سد کا مقام معلوم ہے جو شمال کی انتہا پر آبادی کے آخر میں ہے۔ یاجوج ماجوج کا ذکر تو ان کتابوں میں بھی ہے جن پر یہود و نصاریٰ ایمان رکھتے ہیں۔

یاجوج و ماجوج وسد کا ارسطاطالیس نے بھی اپنی کتاب الحیوان میں ذکر کیا ہے جہاں بتوں پر کلام ہے۔

بطلیموس نے بھی اپنی کتاب مسمی جغرافیا میں بھی سد یاجوج و ماجوج کا ذکر کیا ہے۔ اس نے تو ان کی آبادی کا طول و عرض بھی بیان کیا ہے۔

امیر المومنین واثق نے سلام ترجمان کو مع ایک جماعت کے سد کی طرف بھیجا اور وہ لوگ اس کے پاس جا کے ٹھہر گئے۔ اس کا ذکر احمد بن طیبب سرخسی وغیرہ نے کیا ہے۔ قدامہ بن جعفر اور دوسرے علمائے جغرافیہ و تاریخ بھی اس کی تشریح کر چکے ہیں، لہٰذا اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اگر یاجوج و ماجوج وسد کا مقام پوشیدہ ہی رہتا اور کسی آبادی میں بھی اس کا ٹھکانا نہ معلوم ہوتا تب بھی یہ ہماری خبر کو کچھ نقصان نہ پہنچاتا۔ اس لیے کہ اس وقت یہ ہوتا کہ اس کا مقام خط استوار کے پیچھے ہوتا جہاں کہ میل شمس اور اس کا رجوع و بعد ہوتا ہے جیسا کہ وہ جہت شمالیہ میں ہے جہاں کے آفاق ہمارے بعض آفاق مسکونہ کے مثل ہوں گے۔ اور ہوا بھی اس ہوا کی طرح ہوگی جو ہماری بعض آبادیوں میں ہے جن میں نباتات اور توالد و تناسل ہوتا ہے۔

ممکن کو ناممکن بنانے والے

جو شے حد امکان میں ہو اسے بغیر دلیل کے اگر کوئی حد امتناع و محال میں داخل کرے تو وہ کاذب ہے،

باطل پرست ہے، اور جاہل یا متجاہل ہے (یعنی جاہل بن رہا ہے) خاصکر جس کی خبر ایسے شخص نے دی ہو جس کی سچائی پر دلیل قائم ہو۔ محال و ممتنع کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ حواس اور مشاہدہ اور بداہت عقل اُس کی تکذیب کرتی ہے۔ جو ایسی چیز کو لائے تو وہ ایسی دلیل کو لایا جو اس امر کا یقین دلانے والی ہے کہ وہ کذاب و مفتری ہے۔ ہم اس بلا سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

خدا کا خوف کہ آدم بھی اسی کی مثل ہو گئے

۹۷ توریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ آدم معرفت خیر و شر میں ہم دونوں مثل ایک کے ہو گئے۔ اور اب اُس غرض سے کہ وہ ہاتھ نہ بڑھائے اور درخت حیات کو نہ لے اور کہا کہ ہمیشہ نہ زندہ رہے اللہ نے اسے جنات عدن سے نکال دیا۔

یہ حکایت ان کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے کہ اُس نے کہا کہ یہ آدم ہے جو ہم سے مثل ایک کے ہو گیا جو مصائب دہر میں سے ایک مصیبت ہے۔ بدیہی طور پر یہ اس کا موجب ہے کہ وہ لوگ ایک سے زاید الٰہ ہیں۔

اس بنائے ہوئے قول خبیث نے بہت سے خواص یہود کو اس اعتقاد تک پہنچا دیا کہ جس نے آدم کو پیدا کیا وہ بھی آدم ہی کی طرح ایک مخلوق تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم سے پہلے پیدا کیا اور اُس نے بھی اسی درخت سے کھایا جس سے آدم نے کھایا، پھر اُس نے خیر و شر کو پہچانا، پھر اس نے درخت حیات سے کھایا تو وہ الٰہوں میں سے ایک الٰہ ہو گیا۔

ہم اس احمقانہ کفر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس کی حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایک چمکنے والے روشن و واضح دین کی ہدایت کی جس کا ہر اعتراض سے سالم رہنا اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

زندگی کا درخت فرشتوں کے پہرے میں

اس کے بعد ہے کہ کرو بیوں (یعنی مقرب فرشتوں) کی جنت عدن کی شرقی جانب ٹھیرائی درخت حیات کی حفاظت کے لیے الٹی تلوار کی سخت گرمی تھی۔

میں نے ایک دوسرے نسخے میں اس طرح دیکھا کہ اور جنتوں میں اس کو مقرر کیا گیا جو اسرافیل مشہور ہے اور اس نے اپنے آگے ایک نیزہ نصب کر لیا تاکہ وہ درخت حیات کے راستے کی حفاظت کرے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک بات مترجم کی غلطی نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیونکر ہوا۔ (یعنی کونسی بات سچ ہے)۔

قابیل کا خوں بہا

اس کے بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جسے قابیل نے قتل کیا میں سات آدمی کو اس کا فدیہ دلاؤں گا۔

یہودیوں کو اس سے انکار نہیں کہ لامک بن متوشائیل بن محویائیل بن عیراد بن حنوک بن قاین وہی شخص ہے جس نے اپنے باپ کے پردادا قابین کو قتل کیا تھا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک کذب منسوب کر دیا اس لیے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سات کو فدیہ دلائے گا اور نہیں دلایا۔ یہاں پر سات کا ذکر کرنا بھی حماقت ہے اس لیے کہ وہ لامک جس نے اسے قتل کیا وہ قابین کی اولاد میں پانچواں شخص ہے اور قابین آبار واجداد لامک میں پانچواں شخص ہے لہذا سات کو اس جگہ کوئی دخل نہ ہوا۔

پہلا چرواہا

اس کے قبل ہابیل بن آدم کا ذکر ہے کہ وہ بکری کا چرواہا تھا۔ پھر اس نے تقریباً دو ورق پہلے کہا ہے کہ وہ لامک جس کا ابھی ذکر ہوا ہے اس نے دو عورتیں کیں۔

ان میں سے ایک کا نام عادہ اور دوسری کا صلہ تھا۔ عادہ سے یابال پیدا ہوا اور وہ پہلا شخص ہے جو خیموں میں رہا۔ اور مویشی کا مالک ہوا۔

یہ دو جملے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی بدیہی تکذیب کر رہا ہے۔

خدا کے بیٹے آدم کی بیٹیاں

اس کے بعد کہا ہے کہ جب روئے زمین پر لوگوں کی کثرت شروع ہو گئی اور ان کے یہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ تو (معاذ اللہ) اللہ کے لڑکوں نے دیکھا کہ آدم کی لڑکیاں خوبصورت ہیں، انھوں نے ان میں سے بیویاں بنالیں۔

اس کے بعد کہا ہے کہ اللہ کے لڑکے آدم کی لڑکیوں کے پاس آتے تھے اور ان کے یہاں حرام اولاد پیدا ہوتی تھی اور یہ وہی ظالم لوگ ہیں جن کے نام ہمیشہ رہیں گے۔

یہ وہ حماقت ہے کہ اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ اور کذب عظیم ہے۔ کیونکہ اس نے اللہ کے لڑکے بنائے جو آدمی کی بیٹیوں سے نکاح کرتے ہیں۔ یہ وہ سمدھیانے کی رشتہ داری ہے جس سے اللہ بری و برتر ہے۔ یہانتک کہ ان کے بعض اسلاف نے کہا کہ اس سے اس کی مراد ملائکہ ہیں۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے سوائے اس کے کہ ظاہر لفظ میں جھوٹ سے کم معلوم ہوتا ہے۔

مدت عمر

اس کے درمیان کہا ہے کہ میری روح انسان میں ہمیشہ نہ رہے گی کیونکہ یہ لوگ پھیل جائیں گے۔ ان کی عمریں ایک سو بیس [۱۲۰] برس کی ہوں گی۔"

یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ہمیشہ کی مصیبت ہے اس لیے کہ اسی قول کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس کے بعد سام بن نوح چھ سو برس زندہ رہا۔ اور ارفخشاذ بن سام چار سو پینسٹھ برس زندہ رہا۔ اور شالح بن ارفخشاذ چار سو تینتیس [۴۳۳] برس زندہ رہا۔ اور عابر بن شالح چار سو چونسٹھ [۴۶۴] برس زندہ رہا۔ اور فالغ بن عابر دو سو تینتیس [۲۳۳] برس زندہ رہا۔ اور رعو بن فالغ دو سو انتیس [۲۲۹] برس زندہ رہا اور سروغ بن رعو دو سو تیس [۲۳۰] برس زندہ رہا۔ اور ناحور بن سروغ ایک سو اڑتالیس [۱۴۸] برس زندہ رہا۔

اور تارح بن ناحور دو سو پچاس ۲۵۰ برس زندہ رہا۔ اور ابراہیم بن تارح ایک سو پچھتر ۱۷۵ برس زندہ رہے اور اسحاق بن ابراہیم ایک سو اسی ۱۸۰ برس زندہ رہے۔ اور اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ ایک سو سینتیس ۱۳۷ برس زندہ رہے اور یعقوبؑ بن اسحاقؑ ایک سو سینتالیس ۱۴۷ برس زندہ رہے۔ اور لاوی بن یعقوبؑ ایک سو سینتیس ۱۳۷ برس زندہ رہے۔ اور عمران بن فاہت بھی اتنے ۱۳۷ ہی دن زندہ رہے۔ اور فاہت بن لاوی ایک سو تینتیس ۱۳۳ برس زندہ رہا۔ اور سارح بنت اشیر و مریم بنت عمران و ہاروںؑ بن عمران ان میں سے ہر ایک ایک سو بیس ۱۲۰ برس سے زاید زندہ رہے۔

ان رسوا کن باتوں اور ان عقول پر تعجب کرنا چاہیے جنھوں نے اس قسم کے اتہامات کی پیروی و تصدیق کی ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ متوشالح بن حنوک بن یارد نو سو انہتر ۹۶۹ برس زندہ رہا جب وہ ایک سو ستاسی ۱۸۷ برس کا تھا تو اس کے یہاں لامک پیدا ہوا۔ اور جب لامک مذکور ایک سو بیاسی ۱۸۲ برس کو پہنچا تو اس (متوشالح) کے یہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔

لہٰذا جب متوشالح کے یہاں نوحؑ پیدا ہوئے تو اس کی عمر بلاشک تین سو انہتر ۳۶۹ برس کی تھی۔ اس سے ضروری طور پر لازم آیا کہ جب متوشالح کی وفات ہوئی تو نوح علیہ السلام چھ سو ۶۰۰ برس کے تھے۔ اب اسے یاد رکھیے۔

پھر کہا ہے کہ ۱۷ ماہ ثانی سنہ ۶۰۰ عمر نوحؑ کو طوفان کا پانی ہٹ گیا۔ اس کے بعد ہے کہ ۲۷ ماہ ثانی سنہ ۶۰۱ عمر نوحؑ کو نوحؑ اور ان کے ہمراہی کشتی سے نکلے۔

اس سے لامحالہ بغیر کسی مفر کے یہ لازم آیا کہ متوشالح بن حنوک بھی کشتی میں سوار تھا۔ ان لوگوں کے کشتی سے اترنے کے تین دن کم دو مہینے پیشتر کشتی ہی میں اس کی وفات ہو گئی۔ حالانکہ یہ قطعی و یقینی ہے کہ کشتی میں سوائے نوحؑ اور ان کی بیوی اور ان کے تین بیٹوں

اور ان کی بیویوں کے کوئی شخص بھی سوار نہیں ہوا۔ یہ بھی قطعی ویقینی ہے کہ جو آدمی یا جانور کشتی میں سوار نہ تھا وہ غرق ہونے سے نہیں بچا۔ لہذا یہ جھوٹی باتیں ہیں۔

ایسی باتوں سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس لیے کہ نصوص توریت میں ہے کہ متوشالح غرق نہیں ہوا۔ اگر وہ غرق ہوتا تو وہ تمام سال پورے نہ کرتا جو نوحؑ کے چھ سو سال پورے کرنے والے ہیں۔ اور نص توریت میں ہے کہ اس نے یہ سال پورے کیے۔

متوشالح یہود کے نزدیک قابل مدح وستایش تھا، وہ ہرگز ہلاکت کا مستحق نہ تھا۔ حالانکہ ان لوگوں نے اس کے کشتی میں سوار ہونے کو باطل کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ کشتی میں سوائے نوحؑ اور ان کے تین بیٹوں اور ان سب کی عورتوں کے اور کوئی آدمی سوار نہیں ہوا۔

انھوں نے یہ بھی باطل کر دیا ہے کہ کوئی شخص کشتی کے علاوہ نجات پاتا۔ اس لیے کہ انھیں یقین ہے کہ کوئی انسان یا حیوان جو کشتی میں نہ تھا وہ نہیں بچا۔ متوشالح کے لیے بھی ان تین میں سے کسی ایک وجہ کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا بالبداہت توریت کے نقل کرنے میں ان لوگوں کا کذب خالص روشن و آشکارا ہو گیا۔ اور ہر صاحب عقل نے یقین کر لیا کہ یہ توریت اللہ کی نازل کی ہوئی نہیں ہے اور نہ اسے کوئی نبی لایا ہے۔ اس لیے کہ نہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے اور نہ انبیاء کوئی جھوٹ بات لاتے ہیں۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ کسی زندیق جاہل ذلیل کرنے والے یہود کے ساتھ کھیلنے والے کا کام ہے۔ ہم ان لوگوں کے سے مقام سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور یہ فصل کافی تھی مگر کیا کیا جائے کہ اس کے ہمراہ اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔

نوحؑ کی بد دعا

اس کے بعد ہے کہ نوحؑ کو جب اپنے بیٹے حام

والد کنعان کا فعل معلوم ہوا تو کہا کہ ملعون والدِ کنعان اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا جو اپنے دو بھائیوں کا غلام بنایا جائے گا۔ اللہ سام کو برکت دے گا۔ اور کنعان کا باپ ان لوگوں کا غلام ہوگا۔ اللہ کا احسان یافث کے لیے ہے اور وہ سام کے خیموں میں رہے گا۔ اور کنعان کا باپ ان کا غلام ہوگا۔

یہ تبدیل وتحریف کرنے والا اپنے آپ کو بھول گیا یا ان لوگوں کے ذلیل کرنے کے لیے تکبر کیا اور کلام میں طول نہیں دیا لیکن چھ سطر کے بعد جب اس نے اولادِ حام کا ذکر کیا تو کہا کہ حام کے بیٹے کوش و مصرایم و فوطا و کنعان تھے۔ کوش کے بیٹے دصبان و زویلہ و رغاوہ و رعمہ و اسفتخا تھے۔ رعمہ کے بیٹے سند و ہند تھے۔ کوش کے یہاں وہ نمرود پیدا ہوا جس نے ملک میں ظالم ہونے کی بنیاد ڈالی۔ یہی تھا جو اللہ عزوجل کے سامنے شکار پر جبر کرنے والا تھا۔ اس کی سب سے پہلی سلطنت بابل تھی۔ ۹۹

اس واقعے سے نوحؑ کی پیشینگوئی کی تکذیب ہوگئی حالانکہ وہ ان کے اقرار کے مطابق نہایت معظم نبی تھے انھوں نے خود بیان کیا تھا کہ والد کنعان کے لڑکے اولادِ کنعان کے بھائیوں اور بیٹوں پر بادشاہ ہوں گے۔ تعجب ہے کہ ان کی توریت کے بموجب نمرود بن کوش بن کنعان بن حام روئے زمین کا بادشاہ ہوگیا حالانکہ نوحؑ بھی زندہ تھے اور سام بن نوحؑ بھی۔ اس لیے کہ نص توریت میں ہے کہ نوحؑ زندہ رہے یہانتک کہ ابراہیم بن تارح اٹھاون سال کی عمر کو پہنچ گئے۔ اور سام بن نوحؑ زندہ رہے یہانتک کہ یعقوبؑ وعیصا فرزندان اسحٰقؑ بن ابراہیم علیہما السلام پینتالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے جیسا کہ اس نے ایک باپ کے بعد دوسرے باپ کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم کیا کہیں کہ ہمیں نوحؑ کی پیشینگوئی برعکس نظر آتی ہے۔

اگر وہ کہیں کہ آجکل تو سوڈان میں سلطنت کر رہے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ سوڈان تو بہت بڑا ملک ہے اور مختلف ممالک ہیں مثلاً غانہ۔ حبشہ۔ نوبہ۔ ہند و تبت، اور ان میں معاملہ مساوی ہے۔ بنی سام کے گروہوں کے بادشاہ ہوتے ہیں اور بنی سام اُن کے گروہوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور معاذ اللہ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔

بے حسابی

ان کی توریت کہتی ہے کہ جب نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی ہوئی تو ان کے یہاں یافث و سام و حام پیدا ہوئے۔

پھر بیان کرتی ہے کہ نوحؑ جب چھ سو برس کے ہوئے تو طوفان آیا اور اس وقت سام کی عمر سو برس کی تھی۔ اور اس کے بعد کہتی ہے کہ سام بن نوحؑ جب سو برس کے ہوئے تو طوفان کے دو سال بعد ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے۔ اور یہ کذب فاحش و تلون قبیح و جہل تاریک ہے۔ اس لئے کہ نوحؑ جب کہ اُن کے یہاں سام پیدا ہوئے پانچ سو برس کے تھے اور سو سال کے بعد طوفان آیا تو سام اس وقت سو برس کے ہوئے۔ اور جب طوفان کے دو سال بعد ان کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے تو سام جس وقت اُن کے یہاں ارفخشاذ پیدا ہوئے ایک سو دو سال کے ہوئے تھے حالانکہ نص توریت میں ہے کہ وہ سو برس کے تھے۔ اور یہ ایسا جھوٹ ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ ایسے جھوٹ سے خدا کی پناہ۔

واپس آنے والی نسل

اس کے بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے کہا کہ "تمہیں علم کے طور پر جاننا چاہیے کہ تمہاری نسل ایسے شہر میں مسافر ہوگی جو اس کا نہ ہوگا۔ چار سو برس تک یہ لوگ غلام بنائے جائیں گے اور ان پر ظلم کیا جائے گا۔ وہ قوم ان پر جو ظلم کرے گی ان پر حکومت کرے گی"، اس کے بعد بڑی شراح کے ساتھ ہے" اور تم اپنے آبا کی وجہ سے سلام میں چلے گئے اور شیبہ صالحہ میں

دفن ہو گئے۔ اور بیٹوں کا چوتھا گروہ یہیں واپس آجائے گا۔"

کس شمار میں

اس فصل میں باوجود اس کے اختصار کے دو بدترین اور کھلے ہوئے جھوٹ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کذب وخطا سے دُور ہے۔

پہلا جھوٹ یہ قول ہے کہ بیٹوں کا چوتھا گروہ یہیں واپس آجائے گا۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا پہلا گروہ اسحاقؑ اور ان کے بھائی علیہم السلام ہیں۔

دوسرا گروہ یعقوبؑ وعیصا (ان کا نام عیسو بھی ہے) اور ان کے چچاؤں کے بیٹے ہیں۔

تیسرا گروہ یعقوبؑ کی صلبی اولاد ہے اور وہ روبان[1]۔ شمعون[2] یہوذا[3]۔ لاوی[4]۔ ساخار[5]۔ زابلون[6]۔ یوسفؑ[7]۔ بنیامین[8]۔ دانی[9]۔ ہبٹاد[10]۔ عاذ[11]۔ اور اشارین[12]۔ اور عیصا کی اولاد ہے اور وہ لوگ ہیں جو پس ماندگان ابراہیمؑ میں انھیں دونوں کے شمار میں ہیں۔

چوتھا گروہ۔ مذکورۂ بالا اشخاص کی اولاد ہے۔

یہ لوگ (یعنی گروہ چہارم) اور گروہ سوم جن کے آبا ہیں اور یعقوبؑ جوان کے دادا ہیں مصر ہی میں رہے اور اس سے نہ نکلے۔ اس پر اُن کی توریت کی نص ہے اور بغیر کسی کے اختلاف کے ان سب کا اجماع ہے۔ البتہ ان سب کے اجماع ونص توریت کے مطابق جو گروہ ملک شام واپس آیا وہ اولاد ابراہیمؑ کا چھٹا گروہ تھا۔ اور یہ گروہ چہارم مذکور کی اولاد تھے۔ چوتھے یا پانچویں گروہ میں سے کوئی ملک شام واپس نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے دور ہے کہ وہ اپنی خبر میں جھوٹ بولے۔

اگر کہا جائے کہ گروہوں کا شمار تو اس گروہ سے ہوگا جس پر

ظلم و عذاب کیا گیا۔ ہم کہیں گے کہ یہ ان کی توریت کی تصریح کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ توریت کی نص ہے کہ گروہ چہارم بیٹوں میں سے ہوگا۔ نیز اولاد یعقوبؑ میں سے کسی پر بھی عذاب نہیں کیا گیا بلکہ یہ لوگ مقبول تھے۔ نص توریت کے مطابق حرفاً حرفاً وہ گروہ سوم تھا جیسا کہ انشاء اللہ ہم اس کے بعد وارد کریں گے۔ تعذیب وظلم کی ابتدا اولاد یعقوبؑ میں ہوئی وہی لوگ اپنے آباء کے ہمراہ وہاں داخل ہوئے تھے۔ اور ان کے آباء گروہ چہارم تھے۔ لہٰذا تم جہاں سے چاہو پلٹو مگر رسوا کن جھوٹ کے شرک سے نکل نہیں سکتے۔ اور اتنا ہی کافی ہے۔

دوسرا جھوٹ تو عظیم الشان مصائب میں سے ہے۔ اور وہ خدا کا ابراہیمؑ سے یہ کہنا کہ "تمھاری نسل ایسے شہر میں مسافر ہوگی جو اس کا نہ ہوگا اور چار سو برس تک یہ لوگ غلام بنائے جائیں گے اور ان پر ظلم و عذاب کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ لوگ نکلیں گے"

یہ نہایت قبیح اور زمانے کے لیے باعث شرم ہے۔

جب مصر میں بنی اسرائیل پر عذاب شروع ہونے کے وقت سے چار سو سال تک عذاب کیا گیا تو یہ یوسف علیہ السلام کی موت کے بعد سے موسیٰ علیہ السلام کے ان لوگوں کو نکال لیجانے کے وقت تک ہوا۔ کیونکہ سیاق توریت میں ہے کہ جب یوسف مر گئے اور اُن کے بھائی اور یہ تمام گروہ جمع ہو گئے تو بنی اسرائیل کی کثرت ہوگئی۔ یہ لوگ کثیر و قوی ہو گئے تو ملک کے مالک ہو گئے۔ اس وقت مصر میں ایک نیا بادشاہ ہو گیا جو یوسفؑ سے ناواقف تھا۔ اس نے اپنے اہل ملک سے کہا کہ "بنی اسرائیل کی کثرت ہوگئی اور یہ ہم سے زیادہ طاقتور ہو گئے۔ لہٰذا انھیں ذلیل کرو۔ کہ ان کی کثرت اور نہ بڑھے اور یہ اس شخص کے مددگار نہ ہو جائیں جو ہم سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے۔ اس نے اپنے اہل صنعت کو ان لوگوں کے قابو میں کرنے کا حکم دیا۔"

یہ نص توریت ہے جو ہمارے قول کی شاہد ہے۔ اسی میں اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو یعقوبؑ کے ساتھ اُن کے بیٹے اور پوتے داخل ہوئے کہ قاہاث بن لاوی بن یعقوبؑ والد عمران بن قاہاث اور یہ موسیٰ علیہ السلام کے دادا تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو شام میں پیدا ہوئے اور اپنے والد لاوی اور اپنے دادا یعقوبؑ کے ہمراہ مصر آ گئے۔

توریت ہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ قاہاث بن لاوی مذکور کی تمام عمر ایک سو تینتیس[۱۳۳] سال تھی۔ اور عمران بن قاہاث مذکور کی تمام عمر ایک سو سینتیس[۱۳۷] سال تھی۔

اسی میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عمر جب وہ مصر سے بنی اسرائیل کو لے گئے اسّی سال تھی۔

یہ سب اُن کی توریت کی نص و تصریح ہے جس کے حرف حرف پر اول سے آخر تک اُن سب کا اجماع ہے۔

لہٰذا قاہاث جب مصر میں داخل ہوئے اُن کی عمر ایک مہینے سے کم تھی۔ ان کے سال وفات میں عمران ان کے یہاں پیدا ہوئے۔ موسیٰؑ بھی عمران کے یہاں اُن کے سال وفات میں پیدا ہوئے۔

ان تمام عددوں کا مجموعہ ساڑھے تین سو[۳۵۰] برس ہوئے اس حساب کی بنا پر مصر میں اُن کے داخل ہونے سے نکلنے تک اتنی ہی مدت ہوئی۔ پھر چار سو[۴۰۰] برس کہاں ہوئے؟

اور چار سو سال کیونکر ہوں حالانکہ یہ ضروری ہے کہ قاہاث کی عمر کو منہا کر دیا جائے جب کہ وہ مصر میں اپنے والد کے ساتھ داخل ہوئے جو وہی مدت ہے جو عمران کے قاہاث کے یہاں پیدا ہونے سے قاہاث کی موت تک ہے اور وہ مدت ہے جو موسیٰؑ کی ولادت سے قاہاث کے بیٹے عمران کی موت تک ہے۔ اور کتب یہود میں ہے کہ قاہاث جب مصر میں آئے ان کی عمر تین سال تھی۔ اور جب اُن کے

یہاں عمران پیدا ہوئے ان کی عمر ساٹھ برس ہوئی۔ عمران کی عمر جب ان کے یہاں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اسی سال تھی۔ اس حساب سے مصر میں بنی اسرائیل کا قیام جب سے وہ یعقوبؑ کے ساتھ وہاں آئے اور موسیٰؑ کے ساتھ وہاں سے چلے گئے صرف دو سو سترہ[۲۱۷] برس ہوا پھر چار سو برس کہاں ہوئے؟ اور کیونکر ہوں حالانکہ یہ ضروری ہے کہ اس عدد اخیر میں سے یوسفؑ کی مدت حیات سے جب سے وہ اور ان کے بھائی اور ان سب کے والد اور ان سب کے لڑکے مصر میں داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کی موت تک کی مدت منہا کر دی جائے۔ اس تمام مدت تک وہ لوگ نہ تو خادم بنائے گئے نہ ان پر عذاب کیا گیا، اور نہ وہ غلام بنائے گئے بلکہ وہ سب معزز و مکرم رہے۔

ان کی توریت کی نص ہے کہ یوسف علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے ان کی عمر تیس برس تھی۔ پھر سات سال مصیبت کے ہوئے اور سات سال بھوک کے شروع ہوئے۔ ان کے پاس قحط سالی کے دو سال بعد یعقوبؑ اور ان کا خاندان مصر میں آیا۔ اس وقت یوسفؑ کی عمر انتالیس[۳۹] برس تھی۔ ان کی توریت کی نص ہے کہ یوسفؑ کی جب وفات ہوئی ان کی عمر ایک سو دس[۱۱۰] برس تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ جب سے وہ لوگ مصر میں آئے یوسف علیہ السلام کی وفات تک صرف اکہتر[۷۱] سال ہوئے۔ باقی ایک سو چھیالیس[۱۴۶] برس اس میں سے منہا کیے جائیں اور ان کی تورات کی نص کی وجہ سے یہ ضروری ہے یوسفؑ کی وفات کے بعد ان کے بھائیوں کے قیام مصر کی یہ مدت ہوئی۔ اور اس سے ہمیں صرف لاوی کی عمر معلوم ہوئی۔ کیونکہ نص توریت کی بنا پر ان کی عمر یوسفؑ سے تین چار سال زیادہ تھی۔ پھر وہ یوسفؑ کے بعد صرف تیئیس[۲۳] برس زندہ رہے اور یہی عدد ضروری ہے۔ چنانچہ ایک سو تیئیس[۱۲۳] سال باقی رہے جو ان کے عذاب اور خادم و غلام بنائے جانے کی

۱۰۱

زاید سے زاید مدت ہوئی اور کم بھی ہو سکتی ہے۔ پھر اب چار سو برس کہاں گئے؟۔

شاید کوئی یحییا کہے کہ اس مدت کا شمار اسی وقت سے ہوگا جب یوسفؑ مصر میں بحیثیت خادم و غلام و قیدی داخل ہوئے۔ جان لو کہ یہ مدت بھی ان دوسو سترہ [۲۱۷] برس سے زاید نہیں ہوتی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ سوائے بائیس [۲۲] سال کے فقط۔ اور یہ دوسو انتالیس [۲۳۹] سال ہوئے اور چار سو سال کہاں ہوئے۔

وہ ذلیل و رسوا کذب ظاہر ہو گیا جو گروہ کے بعد گروہ پر کیسا مخفی رہا کہ جانا بھی نہ گیا۔

میں نے دیکھا ہے کہ اُن میں سے ایک نے ظرافت کی بات کہی ہے یہ قصہ بیان کیا اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ یہ چار سو سال اس وقت سے شمار کیے جائیں جب سے اللہ عزوجل نے ابراہیم کو اس کلام کا مخاطب بنایا۔

اس گرنے والے نے گوبر پھینکنے کی جگہ سے نکلنا چاہا اور پاخانے کی ٹٹی میں گر پڑا۔ اس لیے کہ اُس نے باطل کا اعلان کر دیا اور اللہ کی جانب کذب کی نسبت کرنے اور رسوائی میں عجلت کی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو حکایت کی ہے اس کی تصریح یہ ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تمھاری نسل چار سو برس تک غلام بنائی جائے گی۔ یہ ہرگز نہیں کہا کہ اب سے اور اُن کی غلامی کے ختم ہونے تک چار سو برس ہوں گے۔

نیز ان کی توریت کی نص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کی ولادت سے پہلے ابراہیمؑ سے یہ فرمایا۔ اس وقت ابراہیمؑ چھیاسی [۸۶] برس سے کم کے ہوئے۔ اس کے بعد وہ چودہ برس زندہ رہے اور اُن کے یہاں اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ اسحاقؑ ایک سو اسی [۱۸۰] برس زندہ رہے۔ اسحاق کی وفات کے وقت یعقوبؑ کی عمر ایک سو بیس [۱۲۰] برس تھی۔ جب یعقوبؑ مصر میں داخل ہوئے اُن کی عمر ایک سو تیس [۱۳۰] برس تھی کہ یہ سب

اُن کی توریت کی نصوص ہیں اُن میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
اسحاقؑ کی وفات یعقوبؑ کے مصر آنے سے دس سال پہلے ہوئی۔
جس وقت سے ان لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام
ابراہیمؑ سے فرمایا اُس وقت سے یعقوبؑ کے مصر میں داخل ہونے تک
دو سو چار سال ہوئے۔ یعقوبؑ کے داخل ہونے سے موسیٰؑ کے وہاں
سے نکلنے تک جیسا کہ ہم نے بیان کیا ایک سو ستره سال ہوئے۔
اور یہیں چار سو چوبیس سال حاصل ہوئے۔ اور پھر بھی کذب سے نجات
نہ ملی، نہ بیشی سے نہ کمی سے۔

اللہ اس سے بری ہے کہ وہ حساب میں ایک منٹ کی بھی
غلطی کرے چہ جائیکہ برسوں کی۔ اللہ حساب کا خالق اور اپنے بندوں
کو اس کا سکھانے والا ہے۔ معاذ اللہ کہ موسیٰ جھوٹ بولیں یا اس
وحی میں غلطی کریں جو اللہ نے انھیں بھیجی۔ لہذا یقیناً ہر اس شخص کو
جسے ادنیٰ سی فہم بھی ہے واضح ہو گیا کہ جس طرح گذشتہ کل آج سے پہلے ہے
یہ توریت اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور نہ کسی نبی کی جانب سے ہے،
نہ کسی ایسے عالم کی تالیف ہے کہ جھوٹ سے پرہیز کرتا ہو۔ اور نہ
کسی ایسے شخص کا عمل ہے جو حساب جانتا ہے اور اس میں غلطی نہیں
کرتا جس میں ایک ایسا بچہ بھی غلطی نہیں کرتا جو جمع و ضرب تفریق
تقسیم اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ توریت بلا شک ایسے کافر کی بنائی
ہوئی ہے جو ذلیل کرنے والا۔ پاگل ہے، جس نے یہود سے تمسخر کیا،
ان سے دل لگی کی، اُن کے لیے ایسی کتاب لکھی کہ اللہ تعالیٰ نور آ
دنیا میں رسوائی سے اُن کا منھ کالا کرے اور آیندہ آخرت میں
دوزخ اور اس کی دوامی زندگی سے۔ یا کسی بزدل کا کام ہے، یا
کسی ایسے جاہل نے اس کے لکھانے کی تکلیف کی ہے جو اپنی یاد
کو قایم نہ رکھ سکا اس کے ساتھ ہی توریت میں علم ہیئت و علم زمین و
حساب کے نہ جاننے کی بھی تاریکی ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولوں

(صلی اللہ علیہم) سے بھی ناواقف ہے۔ جو پاک و ناپاک اس کی سمجھ میں آیا اس نے لکھوا دیا۔ بیشک یہ فصل اس کے لیے کافی ہے جو اپنا خیر خواہ ہے، اگرچہ اور مضمون نہ بھی ہو۔ اور کوئی ضرورت بھی نہیں۔ اسی سب کے ساتھ بہت سے عجائب ہیں۔ ہم نعمت اسلام پر اللہ کی بیجد حمد کرتے ہیں۔

وسعت حکومت کا وعدہ جو پورا نہ ہوا

۱۰۲ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم[۴] سے کہا کہ میں تمھاری ہی نسل کو یہ شہر مصر کی نہر کبیر سے نہر فرات تک دوں گا۔"

یہ کذب ہے اور رسوائیوں میں سے ایک رسوائی۔ اس لیے کہ اگر اس سے اس کی مراد بنی اسرائیل ہوتی، اور یہی ان لوگوں کا گمان ہے تو وہ نہر مصر سے تقریباً دس روز کی مسافت تک جو اس سے زاید ہے ایک بالشت کے بھی مالک نہ ہوتے۔ یہ نیل کے گرنے کے مقام سے بیت المقدس تک ہے۔ اس مسافت میں بڑے بڑے مشہور جنگل اور آبادیاں ہیں۔ اس کے بعد فج وغزہ وعسقلان اور شراۃ کے وہ گروہ ہیں جو ان کی تمام مدت سلطنت میں ان سے جنگ کرتے رہے اور سلطنت کے اختتام تک مزہ چکھاتے رہے۔ یہ لوگ فرات کے پاس سے دس روز کی مسافت تک کے ہرگز مالک نہیں ہوئے۔ بلکہ جو بنی اسرائیل سے فرات کے قریب تر مقام کے درمیانی حصے کے مالک ہوئے۔ جو نوے[۹۰] فرسخ ہے (ایک فرسخ تقریباً تین میل کا ہوتا ہے) جس میں قنسرین ہے اور وہ حمص ہے جس کے یہ لوگ قریب بھی نہ جا سکے۔ پھر دمشق وصور ہے اور وہ صیدا ہے کہ خود ان کے اقرار اور ان کی کتب کی نصوص کے مطابق وہاں کے باشندے ان سے ان کے زمانۂ سلطنت بھر جنگ کرتے رہے اور ان کو ذلیل کرتے رہے اللہ عزوجل اس سے دور ہے کہ وہ سراب کے ایک باریک ذرے کے برابر بھی وعدہ خلافی کرے چہ جائیکہ تقریباً نوے[۹۰] فرسخ

شمال میں اور تقریباً اتنا ہی جنوب میں۔ پھر اس کا "نہر کبیر کہنا" یہ بھی غلط ہے اُن کے بلاد محروسہ میں سوائے اردن کے ایک بھی نہر نہیں جس کا ذکر کیا جائے، اور وہ بھی نہر کبیر نہیں ہے۔ اس کے بہنے کی مسافت صرف بحیرۂ اردن سے اس کے گرنے کے مقام بحیرۂ منتنہ (بحیرۂ مردار) تک تقریباً ساٹھ میل ہے۔

اگر کوئی معترض کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے میں بنی اسماعیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ زمین کی جو مقدار یہاں بیان کی گئی ہے وہ اس کے سوفیصدی سے بھی کم ہے جس کا مالک اللہ عزوجل نے بنی اسماعیل علیہ السلام کو بنایا ہے "دریائے نیل کے رتنیس کے پاس گرنے کے مقام اور فرات کے درمیان میں اور آخر اندلس سے ساحل بحر محیط اور بلاد بربر اسی طرح آخر سندھ وکابل سے سرحد ہند تک اور ساحل یمن سے ارمینیہ وآذربیجان کی سرحدوں تک" کہاں واقع ہوتا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اور کیونکر واقع ہو حالانکہ یہ دعویٰ ہی جھوٹا ہے اس لیے کہ اس کلام میں بعض کا عطف بعض پر ہے۔ جن سے اس ملک کی سلطنت کا وعدہ کیا گیا ہے اُنھیں کو دوسرے ملک میں غلام بنائے جانے اور عذاب کیے جانے کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیلؑ کو بزرگی دی ہے اور انھیں اسی سے محفوظ رکھا ہے۔ لہذا اخبار مذکورہ میں کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ یہ ہرگز اللہ عزوجل کی جانب سے نہیں ہے اور نہ کسی نبی کا کلام ہے بلکہ یہ کسی ایسے جاہل کی تبدیل وخیانت ہے جو گدھے کی طرح کند ذہن ہے یا دین سے کھیلنے والا اور بدعقیدہ ہے۔ اور بدنصیبی ورسوائی سے خدا کی پناہ۔

کیا نبی کو خدا کے وعدے پر بھروسا نہ تھا

منجملہ اس کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ میں وہی اللہ ہوں جس نے تمھیں کروانیوں کے آتشکدے سے

نکالا کہ میں تمھیں یہی شہر واپس کر کے دیدوں۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں اسی شہر کا مالک ہوں گا۔

معاذ اللہ ابراہیمؑ اپنے رب سے یہ کیوں کہنے لگے۔ کیونکہ یہ تو اس شخص کا سا کلام ہے جو اللہ عزوجل کی خبر پر اعتماد نہ کرے یہاںتک کہ اس سے اس پر دلیل مانگے۔

اگر کوئی جاہل معترض یہ کہے کہ قرآن میں بھی تو ہے کہ ابراہیمؑ نے کہا کہ "رب ارنی کیف یحی الموتی" (اے رب مجھے دکھا دے کہ تو کس طرح مردہ زندہ کرتا ہے) اور زکریاؑ سے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند یحییٰؑ کی ولادت کا وعدہ کیا تو انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے کہا کہ "رب اجعل لی آیۃ" (اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت مقرر کر دے) (تاکہ مجھے فرزند کی ولادت کا پہلے سے علم ہو جائے)۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں جوابوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مشرق و مغرب میں۔

۱۰۳ ابراہیم علیہ السلام کا احیائے موتیٰ کے دیکھنے کی درخواست کرنا محض اس لیے تھا کہ ان کا قلب جو ان سے اس کی کیفیت دیکھنے کے لیے جھگڑ رہا تھا مطمئن ہو جائے۔ اس کا ثبوت خود اللہ تعالیٰ کا انھیں یہ جواب دینا ہے کہ" اولم تومن؟ قال بلی ولکن لیطمئن قلبی" (کیا تمھیں یقین نہیں آیا؟۔ انھوں نے کہا کہ بیشک۔ مگر تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے) لہذا واضح ہو گیا کہ ابراہیمؑ نے اس کی درخواست بطور ایسی برہان کے نہیں کی جو ان کے دل سے شک دور کر دے۔ محض اس لیے کہ مردے کے زندہ ہونے کی کیفیت دیکھیں۔

زکریا علیہ السلام نے علامت کی جو درخواست کی وہ اس لیے تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے ان کی سچائی کی علامت ہو کہ لوگ ان کی تکذیب نہ کریں۔ یہ اُن کے کلام کی تصریح ہے۔ اور جو

کلام ان لوگوں نے ابراہیمؑ سے نقل کیا ہے وہ ایسے شک کرنے والے کا کلام ہے جو ایسی دلیل طلب کرتا ہے جس سے اپنے رب کے وعدے کی صحت معلوم کرے۔ اللہ بھی اس سے برتر ہے اور ابراہیمؑ بھی اس سے دور ہیں۔

خدا اور پیغمبرؑ کے درمیان

اس کے بعد کہا ہے کہ اور دوپہر کے وقت جب ابراہیمؑ خیمے کے دروازے کے قریب بیٹھے تھے اللہ نے بلوطات ممرا کے قریب انہیں تجلی دی۔ ابراہیمؑ نے نظر اٹھا کے دیکھا تو انھیں تین شخص اپنے آگے نظر آئے۔ ابراہیمؑ نے دیکھا اور ان کے استقبال کے لیے خیمے کے دروازے تک بڑھے اور زمین پر سجدہ کیا اور کہا کہ اے میرے آقا اگر میں نے تجھ میں کوئی نعمت پائی ہوتی تو وہ تیرے بندے سے آگے نہ بڑھتی۔ پانی لے کے تم لوگ اپنے پاؤں دھولو اور اس درخت کے نیچے تکیہ لگا لو۔ اور میں تمھارے لیے ٹکڑا روٹی لاتا ہوں جس سے تمھارے قلوب مضبوط ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تم چلے جانا۔ کیونکہ اسی کے لیے اپنے بندے کے پاس تمھارا گذر ہوا ہے۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ تم نے جیسا کہا ہے کرو۔ ابراہیمؑ جلدی سے خیمے کی طرف سارہؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تین صاع (ایک صاع ۲½ سیر) میدہ گوندھو اور روٹی تیار کرو۔ ابراہیمؑ گائے کے پاس آئے ایک نرم اور موٹا بچھڑا لے کے غلام کو دیدیا اور اسے اس کے تیار کرنے کی تاکید کر دی۔ گھی اور دودھ اور وہ بچھڑا لیا جس کو ان لوگوں نے (پکا کے) تیار کر دیا تھا اور اُن لوگوں کے آگے رکھ دیا اور خود اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ کھاؤ۔

اس فصل میں مصیبت کی بہت بری نشانیاں ہیں۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔

تثلیث بجائے توحید غیر خدا کو سجدہ

سب سے پہلی مصیبت تو یہ خبر دینا ہے کہ

اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور انھوں نے تین شخص دیکھے تو ان کی طرف دوڑے اور سجدہ کیا اور ان سے عبادت کی سی گفتگو کی۔ اگر یہی تینوں شخص اللہ تھے تو یہی وہ چیز ہے جو بلا کلفت تثلیث ہے۔ بلکہ وہ تثلیث سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ یہ تو تین شخصوں کی خبر ہے۔ حالانکہ نصاریٰ بھی تشخیص سے بھاگتے ہیں۔

میں نے بعض کتب نصاریٰ میں دیکھا ہے کہ انھوں نے اس واقعے سے اثبات تثلیث میں استدلال کیا ہے۔ اور یہ جیسا کہ تم دیکھتے ہو انتہائی رسوائی میں ہے۔ اگر یہ تینوں ملائکہ ہوں، اور وہ لوگ یہی کہتے بھی ہیں، تو اس میں بھی ان پر بہت سی ذلتیں بھی عاید ہوتی ہیں، اور چند وجوہ سے یہ جھوٹ بھی ہے۔

سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ محال و کذب ہے کہ یہ خبر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوا حالانکہ صرف تین ملائکہ جلوہ گر ہوئے تھے۔

دوسری یہ ہے کہ تین ملائکہ سے ایک کا خطاب کیا جائے اور یہ اس فصل میں اُن امور میں سے ہے جو نصاریٰ کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے۔ اور نیز یہ خطاب میں بھی محال ہے۔

تیسری وجہ ابراہیمؑ کا ملائکہ کو سجدہ کرنا ہے۔ کیونکہ یہ غلط ہے کہ اللہ کا رسولؑ و خلیلؑ غیر اللہ اور اپنی ہی جیسی مخلوق کو سجدہ کرے۔ لہذا یہ جھوٹ ہوا۔

اگر وہ کہیں کہ (ملائکہ کو نہیں) بلکہ ابراہیمؑ نے اللہ کو سجدہ کیا تو یہ جھوٹ ہے اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ یا یہ ہو کہ وہی تینوں جلوہ دینے والے اُن لوگوں کے نزدیک اللہ ہوں۔ ایک میں سے کوئی وجہ ضروری ہے۔ اور مصیبت جیسی کہ پہلے تھی اس سے بھی سخت ہو کے آ گئی۔

چوتھی وجہ یہ کہ ابراہیمؑ کا اُن سے یہ کہنا کہ وہ ان کے بندے ہیں۔

اگر اس سے اللہ تعالیٰ ہی کو خطاب کیا گیا ہو تو اللہ وہی ہوا جو جلوہ گر ہوا، پھر وہی مصیبت آ گئی۔ اگر اس کلام کے مخاطب ملائکہ ہوں تو معاذ اللہ ابراہیمؑ کبھی غیر اللہ اور اپنی سی مخلوق سے عبودیت کا خطاب نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی محال ہے کہ تین کو ایک کر کے خطاب کیا جائے۔

پانچویں وجہ ان کا یہ کہنا کہ تھوڑا پانی لیا جائے اور اپنے پاؤں دھو ڈالو۔ میں ٹکڑا روٹی لاتا ہوں کہ تمھارے دلوں کو قوت ہو۔ کیا یہ اللہ سے خطاب ہے؟ کیا اللہ کا نبی اپنے معبود کو ایسے خطاب سے مخاطب کر سکتا ہے؟

اگر ابراہیمؑ نے اس سے ملائکہ کو خطاب کیا تو یہ سب سے زیادہ جھوٹ ہے، اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ روٹی کا ٹکڑا کھانے سے ملائکہ کے دلوں کو طاقت نہیں پہنچتی۔ یہ بہر حال تاریک وبیہودہ جھوٹ ہے۔ ۱۰۴

اگر وہ کہیں کہ ابراہیمؑ نے انھیں انسان سمجھا۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ اور بھی جھوٹ ہے کیونکہ خبر کے شروع ہی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ جلوہ گر ہوا۔ ابراہیمؑ ایک راہ گیر کو کیسے سجدہ کر سکتے ہیں اور کیونکر اس کی عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ اس گمراہی سے بری ہیں۔

چھٹی وجہ ان کا یہ خبر دینا ہے کہ ان لوگوں نے روٹی، بھنا گوشت، دودھ اور گھی کھایا، اللہ اس سے دور ہے کہ یہ واقعہ اس کا ہو یا ملائکہ کا ہو۔

کہاں یہ ذلیل وبیہودہ جھوٹ جو اس کی تصدیق کرنے والے یہود کی عقول کے مشابہ ہے۔ اور کہاں وہ نور پھیلانے والا حق جس پر یقین کی روشنی واضح ہے جو اسی قصے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشری قالوا سلاما قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنیذ فلما رای ایدیھم لا تصل الیہ نکرھم و

اوجس منھم خیفۃ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط" (اور ہمارے رسول یعنی فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لائے۔ اُن لوگوں نے سلام کہا ابراہیمؑ نے بھی سلام کہا۔ پھر تھوڑی دیر بھی نہ ٹھیرے کہ ابراہیمؑ بھنا ہوا گوشت لے آئے۔ پھر جب انھوں نے دیکھا کہ اُن لوگوں کے ہاتھ گوشت تک نہیں پہنچتے تو انھیں یہ لوگ غیر مانوس یا انوکھے معلوم ہوئے۔ اور ابراہیمؑ نے ان کی طرف سے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجیے۔ ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے۔)

نورِ حق ظلمات کذب سے دور ہے۔ والحمد للہ رب العالمین کثیرا۔

اس میں ایک ساتویں وجہ بھی ہے جو خرابی اور برائی میں ان وجوہ کی سی نہیں ہے۔ اور وہ ان لوگوں کا یہ اقرار کرنا ہے کہ ابراہیمؑ نے ملائکہ کو گوشت گھی اور دودھ ساتھ ساتھ کھلایا۔ حالانکہ یہود کے ربانی لوگ آج تک اس کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس میں جو کم از کم کہا جا سکتا ہے وہ نسخ ہے۔ اس بنا پر مصائب کے قلعے سے سلامت رہے۔ حالانکہ سلامتی بخدا ان سے بعید ہے۔

بشارت فرزند پر تعجب

اسی فصل کے متصل کہا ہے کہ "اُن تینوں (ملائکہ) نے کہا کہ تمھاری بیوی سارہؑ کہاں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ یہ کیا خیمے میں ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ کل میں پھر اسی وقت تمھارے پاس واپس آؤں گا۔ اور ان کے بیٹا ہوگا۔ سارہؑ خیمے میں سن رہی تھیں اور وہ شخص اُن (سارہؑ) کے پیچھے تھا۔ ابراہیمؑ و سارہؑ بوڑھے تھے جن کی عمر پر طعنہ زنی کی جاتی تھی۔ سارہؑ کی وہ عادت ختم ہو چکی تھی جو عورتوں کی ہوتی ہے (یعنی حیض)، سارہؑ اپنے دل میں یہ کہتی ہوئی ہنسیں کہ مجھے اس کا ملنا بہت بعید ہے۔ یہ میرے لیے کیونکر ہوگا حالانکہ میرے

سردار بوڑھے ہیں۔ اللہ نے ابراہیمؑ سے کہا سارہؑ یہ کہہ کر کیوں ہنسیں کہ کیا میرے لیے ممکن ہے کہ میرے یہاں بچہ ہو حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور کیا اس وقت اللہ سے میری حالت پوشیدہ ہے۔ جبکہ ایک طاقتور کہنے والے نے کہا کہ سارہؑ کے بیٹا ہوگا تو سارہؑ نے انکار کیا اور کہا کہ میں تو نہیں ہنسی۔ اس لیے کہ وہ ڈر گئیں۔ اور سردار (اللہ) نے کہا کہ ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتی ہو بلکہ تم ہنسی ہو پھر وہ قوم وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔"

خدا کے وعدے کی ہنسی

سارہؑ و ابراہیمؑ اور اللہ عزوجل کے درمیان والی خبر پھر واپس آگئی اور گذشتہ بات پلٹ آئی اس میں ایک اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سارہؑ ہنسیں۔ اور سارہؑ نے کہا کہ میں نہیں ہنسی۔ اللہ نے کہا کہ بلکہ تم ہنسی ہو۔ یہ برابر کے فریق کا سا سوال وجواب ہے۔ اور برابر والوں کا سا ردو قدح۔ بزرگ سارہؑ اس سے دور ہیں کہ انھیں اللہ عزوجل کی جانب سے خوشخبری دیجائے اور وہ اللہ عزوجل کے کہنے کی تکذیب کریں۔ اس معاملے میں جھوٹ بولیں۔ اپنے فعل سے انکار کریں۔ اور دو برائیوں کو جمع کریں (یعنی تکذیب اور کذب) جن میں سے ایک تو بڑے گناہوں سے بھی بڑی ہے اور اللہ عزوجل نے صالحین کو اس سے پاک رکھا ہے چہ جائیکہ انبیاء۔

دوسری خرابی زیادہ مصیبتناک اور زیادہ قابل ذمہ داری ہے۔ جس کو مومن تو مومن روئے زمین کا فاسق ترین انسان بھی نہ کرے گا اس لیے کہ وہ کفر ہے۔ اور گمراہی سے خدا کی پناہ۔

فرشتوں کو سجدہ

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ دونوں فرشتے لوطؑ کے پاس سو گئے اور انھوں نے ان کے پاس سادہ روٹی کھائی۔ لوطؑ نے دونوں کو زمین پر سجدہ کیا اور عبادت کی۔

اسی کے مثل اوپر گذر چکا ہے۔ اور یہ کذب ہے۔ ملائکہ نہ خمیری روٹی کھاتے ہیں نہ سادہ روٹی۔ انبیاء علیہم السلام غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے اور نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کراتے ہیں۔

دعا جو قبول نہ ہوئی

بیان کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام سے قوم لوطؑ کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا تو اس کے بارے میں انھوں نے اللہ عزوجل سے بہت کچھ کہا کہ تو ہی پناہ دینے والا ہے۔ اس سے کہ تو یہ کام کرے۔ بدکار کے ساتھ نیکوکار کو قتل نہ کر۔ کیونکہ اے تمام عالم کے حاکم تو ہی اس سے پناہ دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عرض سے انکار نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کہا ہے کہ دونوں فرشتوں نے لوطؑ سے کہا کہ دیکھو یہاں تمھاری بیٹیوں کے جو شوہر ہوں اور اس بستی میں جو کچھ تمھارا ہو سب کو یہاں سے نکال لے جاؤ اس لیے کہ ہم لوگ اس مقام کو ہلاک کریں گے۔" اس کے بعد کہا ہے کہ "لوطؑ نے اپنے ان اصحاب سے گفتگو کی جنھوں نے ان کی بیٹیوں سے شادی کی تھی اور اُن سے کہا کہ اس مقام سے نکل جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہے۔ لوطؑ ان لوگوں کے نزدیک مثل ایک مسخرے کے تھے۔" اس کے بعد کہا ہے کہ "ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کی وجہ سے لوطؑ کا، ان کی بیوی اور بیٹیوں کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کو بستی کے باہر کر آئے۔" پھر بستی کی ہلاکت مع ان کے جو وہاں تھے بیان کی ہے۔

خدا کی بدعہدی

اس سے خالی نہیں کہ لوطؑ کے داماد بیٹے اور نکاح کرنے والی بیٹیاں یا تو نیکوکار تھے یا بدکار۔ پھر اگر نیکوکار تھے تو وہ بدکاروں کے ساتھ ہلاک ہو گئے اور اللہ کا وہ عہد باطل ہو گیا جو اس معاملے میں ابراہیمؑ سے ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس (بدعہدی) سے بری ہے۔ اور اگر وہ سب بدکار تھے تو ملائکہ کس طرح بدکاروں کے نکالنے کا مشورہ دے سکتے ہیں حالانکہ وہ ان کے ہلاک کرنے ہی کو بھیجے گئے تھے۔ بہر حال دو میں سے

۱۰۵

کسی ایک کذب کا لازم آنا ضروری ہے۔ اور آخر کار ان کی خبر نہایت بدبودار ہے۔

نبی پر بہتان

اس کے بعد کہا ہے کہ لوطؑ اور ان کی دونوں بیٹیوں نے گھاٹی میں قیام کیا۔ بڑی بیٹی نے چھوٹی بیٹی سے کہا کہ ہمارے والد تو بوڑھے ہیں اور کوئی شخص اس سرزمین میں ایسا نہیں ہے جو ہمارے پاس عورتوں کی راہ سے آئے۔ آؤ ہم اپنے والد کو شراب پلائیں، ان کے پہلو میں لیٹیں اور ان سے نسل حاصل کریں۔ اس شب کو اُن دونوں نے اپنے والد کو شراب پلائی، بڑی لڑکی آئی اور اپنے والد کے پہلو میں لیٹ گئی، اُنھیں علم نہیں ہوا۔ جب صبح ہوئی تو بڑی نے چھوٹی سے کہا کہ کل شب کو میں اپنے والد کے پہلو میں لیٹی تھی۔ آؤ ہم انھیں اس شب کو بھی شراب پلائیں اور تم ان کے پہلو میں لیٹو اور والد سے نسل حاصل کرو۔ ان دونوں نے اُس شب کو بھی انھیں شراب پلائی چھوٹی لڑکی آئی اور اُن کے پہلو میں لیٹ گئی اور اُنھیں اس کے سونے اور اُٹھنے کا علم نہیں ہوا۔ لوطؑ کی بیٹیاں اپنے والد سے حاملہ ہوگئیں۔ بڑی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے مواب رکھا۔ وہی موابین کا باپ ہے جو آج تک ہیں چھوٹی کے یہاں جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام اُس نے ابن عمی رکھا اور وہی عمونیین کا باپ ہے جو آج تک ہیں۔

ان کی بنائی ہوئی توریت کے سفر خامس (جلد پنجم) میں ہے کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جب ہم صحرائے بنی مواب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ بنی مواب سے نہ جنگ کرنا نہ خونریزی کیونکہ جو کچھ اُن لوگوں کے تحت ہے اس میں میں نے تمہارا کوئی حصہ نہیں رکھا ہے۔ اس لیے کہ میں نے بنی لوطؑ کا وارث بنا کے اُس کو میں نے ان کا مسکن بنایا ہے۔

یہ بھی ہے کہ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم آج موضع بنی مواب چھوڑ دو گے جو ایک بستی ہے جس کا نام عاد ہے۔ اور موضع بنی عمون میں اترو گے۔ مگر ان میں سے نہ کسی سے جنگ کرنا نہ خونریزی کرنا کیونکہ جو کچھ ان کے تحت ہے اس میں تمہارا حصہ نہیں رکھا ہے۔ اس لیے کہ وہ بنی لوطؑ میں سے ہیں۔ اور میں نے انھیں اس سرزمین کا مالک بنایا ہے۔

پیمبرزادی کی بے ادبی

ان فصول میں رسوا کن امور اور ایسی بری باتیں ہیں جن سے اللہ پر ایمان لانے والوں اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق پہچاننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو وہ ہے جو دختران لوط علیہ السلام کی گفتگو کے متعلق بیان کی گئی ہے کہ اس سرزمین میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے پاس عورتوں کی راہ سے آئے، آؤ ہم تم اپنے والد کو شراب پلائیں اور ان کے پہلو میں لیٹیں اور ان سے نسل حاصل کریں۔" یہ کسی احمق کا کلام ہے جو انتہائی کذب و کمزور ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کل اولاد آدم کی نسل منقطع ہو چکی تھی اور دنیا میں کوئی نہ رہا تھا جو ان کے پہلو میں لیٹتا۔؟ یہ عجیب بات ہے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے۔ حالانکہ وہ مقام آج تک مشہور ہے۔ اس گھاٹی کے جس میں لوط علیہ السلام مع اپنی دونوں بیٹیوں کے تھے، اور اس گاؤں کے کہ جس میں ابراہیم علیہ السلام کی سکونت تھی، درمیان میں صرف ایک فرسخ کا فاصلہ تھا۔ جو صرف تین میل ہوتے ہیں۔ لہذا یہ بدترین بےحیائی ہے۔

پیمبر پر افترا

دوسری بات یہ ہے کہ اس کذاب و مفتری کا ان خرافات کا جن پر اللہ کی لعنت ہو اللہ عزوجل پر اطلاق کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول کو

۱۰۶

اس فاحشۂ عظیمہ کے لیے آزاد کردیا کہ وہ اپنی بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے جماع کرے۔

اگر وہ کہیں کہ جب انھوں نے نشے میں ایسا کیا تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دونوں کون ہیں تو، ہم کہیں گے کہ جب انھوں نے ان دونوں کو حاملہ دیکھا، ان دونوں کو ناجائز بچے جنتے دیکھا۔ ان دونوں کو اولاد زنا کو پرورش کرتے دیکھا۔ تو کیا کیا؟ یہ ہمیشہ کی رسوائیاں ہیں اور ان منکرین کا بیدا کرنا ہے جو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ تمسخر کرنے میں مبالغہ کرنے والے ہیں۔

تیسری[۳] خرابی ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر اس امر کا اطلاق کرنا ہے کہ اس نے ان دونوں حرامیوں زنا کے بچوں کو لوطؑ علیہ السلام کی ولدیت کی طرف منسوب کیا۔ یہانتک کہ اس نے مساوی طور پر ان دونوں کو دو شہروں کا وارث بنایا جس طرح بنی اسرائیل و بنی عیسو فرزندان اسحاقؑ کو وارث بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے انتہا بلند وبرتر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اس وقت وہ (زنا) مباح تھا تو ہم کہیں گے کہ وہی نسخ بلا وقت ثابت ہو گیا جس کا تم انکار کرتے تھے۔ (اسی توریت میں) اس کے قبل یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیمؑ کو حران سے کنعان جانے کا حکم دیا تو انھوں نے اپنے ہمراہ اپنی بیوی سارہؑ اور اپنے بھتیجے لوط[۴] ابن ہاران کو بھی لے لیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی توریت کے بعض نسخوں میں بیان کیا ہے کہ ملائکہ نے لوطؑ سے کلام کیا اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ لہٰذا ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بھی اللہ عزوجل کے نبی تھے۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ لوط[۴] اس گھاٹی میں اس طرح رہے کہ نفرت کے ساتھ چھوڑ دیے گئے تھے کہ کوئی ان کی طرف رخ نہ کرتا تھا

اور وہ فقیر ہو گئے تھے۔ بھلا یہ اس کی عقل میں کیونکر سما سکتا ہے جس کو ذرا سا بھی ایمان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے ایسے بھتیجے کو جس نے ان کے ہمراہ ترک وطن کیا ہو اور پھر وہ بھی انھیں کی طرح نبی بنا دیا گیا ہو، برباد ہونے کو چھوڑ دیں گے اور اسے ایک گھاٹی میں اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ فقیری کی حالت میں ہلاکت کے لیے رہنے دیں گے۔ حالانکہ وہ ان سے تین ہی میل پر تھے۔ اور ابراہیمؑ جیسا کہ توریت میں مذکور ہے بڑے مالدار نہایت امیر اور بہت سی دولت سونا چاندی لونڈی غلام اونٹ گائے بکری، گدھے کے مالک تھے۔

وہ اپنی توریت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ تین سو اٹھارہ ۳۱۸ سپاہیوں کے ساتھ سوار ہو کے اُن لوگوں سے جنگ کرنے گئے جنھوں نے لوط کو قید کر لیا تھا اور ان کا مال چھین لیا تھا یہانتک کہ ان لوگوں نے لوط کو بھی چھڑا یا اور ان کے مال کو بھی۔ اس کے بعد بھی ابراہیمؑ انھیں اس طرح کیسے برباد ہونے دیں گے۔ نہ یہ انبیاء کی صفات میں سے اور نہ ان کے کرم میں سے۔ اور نہ اس کی صفات میں سے ہے جس میں کچھ بھی خیر ہو۔ بلکہ یہ اُن کتوں کی صفات میں سے ہے جنھوں نے یہ ایسے ضعیف خرافات بنائے جن میں نہ کوئی فائدہ ہے نہ نصیحت نہ عبرت۔ یہانتک کہ ان لوگوں نے ان کے ذریعے سے گمراہ کیا۔ بدنصیبی سے اللہ کی پناہ۔

ابراہیم علیہ السلام پر افترا

ان کی تبدیل شدہ توریت میں دو مقام پر ہے کہ سارہ

زوجۂ ابراہیم علیہ السلام کو پادشاہ مصر فرعون نے پکڑ لیا اور دو بارہ انھیں ابو مالک پادشاہ خلص نے پکڑ لیا۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان دونوں پادشاہوں کو خواب میں کوئی ایسی بات دکھائی جس سے ان دونوں نے سارہ کو ابراہیم علیہ السلام کو واپس کر دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حران چھوڑنے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچھتر سال تھی۔ اور جب اسحاق اُن کے یہاں پیدا ہوئے وہ سو برس کے تھے۔ اور جب وہ پیدا ہوئے سارہ نوّے برس کی تھیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ابراہیمؑ سارہؑ سے دس سال بڑے تھے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ خلص نے اُن کے یہاں اسحاقؑ پیدا ہو چکے تھے جب پکڑا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت نہایت سن رسیدہ بڑھیا تھیں، جب انھیں اسحاقؑ کی بشارت دی گئی تو انھوں نے خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا ہے۔ پھر اسحاقؑ کے پیدا ہونے کے بعد یہ واقعہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ اس وقت نوّے سال سے بھی متجاوز ہو چکی تھیں۔ یہ محال ہے کہ اس عمر میں وہ کسی بادشاہ کو فریفتہ کر سکتیں۔ اور ابراہیمؑ نے دونوں بار یہ کہا ہو کہ وہ میری بہن ہیں۔

ابراہیم سے یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے پادشاہ سے کہا کہ یہ میری بہن ہیں۔ میرے باپ کی بیٹی ہیں لیکن میری ماں کی بیٹی نہیں ہیں اس لیے وہ میری زوجہ ہو گئی ہیں۔ نص توریت میں ان لوگوں نے ابراہیمؑ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انھوں نے اپنی بہن سے نکاح کر لیا۔

میں نے یہ کلام ایک یہودی کو بتایا۔ اس کا نام اسماعیل بن یوسف کاتب عرف ابن النغرالی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ توریت میں تصریح (نص) لفظ "اخت" (یعنی بہن) ہے مگر یہ لفظ عبرانی زبان میں بہن اور قرابتدار دونوں کے لیے آتا ہے میں نے کہا کہ یہاں پر اس لفظ کو قرابتدار کے معنی میں پھیرنے سے ان کا یہ کہنا مانع ہے کہ

تمہیں اس گمراہی و نابینائی سے بچا لیا جس میں غیروں کو مبتلا کیا۔
پھر بیان کیا ہے کہ "اسحاقؑ نے اپنے بیٹے عیسو سے کہا کہ اے میرے بیٹے میں بوڑھا ہو گیا اور مجھے اپنی وفات کا دن نہیں معلوم۔ لہذا جاؤ اور میرے لیے شکار کر لاؤ اور اس سے میرے لیے وہ کھانا تیار کرو جو میں چاہتا ہوں۔ اور اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اُسے کھاؤں۔ تاکہ میری جان تمہیں دعا دے قبل اس کے کہ میں مروں۔ رفقہ والدۂ عیسو و یعقوبؑ نے اپنے فرزند یعقوبؑ کو حکم دیا کہ وہ دو مینڈھے لائیں اور وہ (رفقہ) ان دونوں سے کھانا تیار کریں۔ یعقوبؑ اپنے والد اسحاقؑ کے پاس لائیں کہ وہ اُسے کھائیں اور انھیں دعا دیں۔ یعقوبؑ نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرے بھائی عیسو کے بال ہیں اور میں بغیر بال کا ہوں شاید میرے والد مجھ سے ناگواری محسوس کریں اور میں اُن کے نزدیک ٹھلاڑی ثابت ہوں اور اپنے لیے بد دعا حاصل کروں نہ کہ دعا۔ والدہ نے کہا کہ تم پر سے بد دعا کو دفع کرنا میرے ذمے ہے۔ یعقوبؑ نے وہی کیا جو ان سے ان کی والدہ نے کہا تھا۔ پھر انھوں نے اپنے فرزند اکبر عیسو کے کپڑے لے کے یعقوبؑ کو پہنا دیے۔ اور مینڈھوں کی کھال اُن کے ہاتھوں اور گردن پر پہنا دی اور انھیں کھانا دیدیا۔ یعقوبؑ اُسے اپنے والد کے پاس لائے اور کہا کہ اے میرے والد۔ اسحاقؑ نے اُن سے کہا کہ اے میرے فرزند تم کون ہو یعقوبؑ نے کہا کہ میں آپ کا پہلا بیٹا عیسو ہوں۔ میں نے وہ سب کچھ تیار کیا جو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ لہذا بیٹھیے اور میرا شکار کھائیے تاکہ آپ میرے لیے دعا کریں۔ اسحاقؑ نے یعقوبؑ سے کہا کہ آگے آؤ تاکہ اے میرے فرزند میں تمہیں ٹٹولوں کہ آیا تم میرے بیٹے عیسو ہو یا نہیں۔ یعقوبؑ آگے بڑھے اور انھیں اسحاقؑ نے ٹٹولا تو کہا کہ آواز تو یعقوبؑ کی سی ہے اور ہاتھ عیسو کے سے ہیں۔ کیا تمہیں میرے بیٹے عیسو ہو؟

۱۰۸

یعقوبؑ نے کہا کہ میں ہی ہوں۔ انھوں نے ان کے لیے دعا کی اور اپنی اس دعا میں یہ کہا کہ امتیں تمھاری خدمت کریں اور قبائل تمھارے آگے جھکیں۔ اور تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو اور تمھارے بھائی تمھیں سجدہ کریں۔

پھر بیان کیا ہے کہ عیسو اسحٰاقؑ کے پاس شکار لائے جب اسحٰاقؑ کو واقعہ معلوم ہو گیا تو انھوں نے یعقوبؑ کے متعلق عیسو سے کہا کہ میں نے انھیں بادشاہ بنا دیا ہے اور ان کے سب بھائیوں کو غلام بنا دیا ہے۔ عیسو نے بھی ان سے خواہش کی کہ وہ ان کے لیے بھی دعا کریں۔ انھوں نے دعا کی اور اپنی دعا میں جو کہا وہ یہ تھا۔ کہ "خراب زمین تمھارا مسکن ہو گی، اوپر سے آسمان کی شبنم گرے گی، اپنی تلوار کے بھروسے پر زندگی گذارو گے اور اپنے بھائی کے غلام رہو گے۔ لیکن ایسا ہو گا کہ تم جب اسے چھوڑنا چاہو گے تو اس (کی غلامی) کا جوا اپنی گردن سے توڑ دو گے۔"

خرافات کے نمونے اس فصل میں رسوا کن باتیں اور کئی جھوٹ اور وہ اشیاء ہیں جو خرافات کے مشابہ ہیں۔

سب سے اول ان کا یعقوبؑ نبی اللہ علیہ السلام پر اس کا اطلاق کرنا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے ساتھ دغا و فریب کیا۔ اور یہ اس شخص سے بھی بعید ہے جس میں یہ نسبت اور لوگوں کے خیر ہے کہ وہ کافر یا دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا کرے۔ چہ جائیکہ ایک نبی سے کہ فریب بھی کرے تو اپنے باپ کے ساتھ اور باپ بھی وہ جو نبی ہو۔ یہ وہ برائیاں ہیں جو بڑھتی چلی گئی ہیں۔ کہاں یہ ظلمت کذب اور کہاں وہ نور صدق جو اس آیت میں ہے "یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخادعون الا انفسھم" (اللہ کو اور مومنین کو فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنے آپ ہی کو فریب دیتے ہیں) یعنی منافقین۔

دوئم۔ اُن کا یہ خبر دینا ہے کہ یعقوبؑ کی دعاو برکت چرائی ہوئی اور فریب و دغا و خباثت سے حاصل کی ہوئی تھی۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت دور ہیں۔ بیشک یہود کا البتہ یہی طریقہ ہے، ان میں تم جس کسی سے ملو گے وہ خبیث و دغا باز ہو گا، سوائے چند کے۔

سوئم اُن کا یہ خبر دینا ہے کہ مکرو فریب کے طریقے پر بھی اللہ نے اپنا حکم جاری کر دیا اور اپنی نعمت عطا کر دی حالانکہ اللہ اس سے بری ہے۔

چہارم یہ ہے کہ اس میں کوئی شخص شک نہ کرے گا کہ اس کمینے کے دعوے کے مطابق جس نے ان یہود کے لیے یہ ہذیان لکھا ہے جب یعقوبؑ نے اسحاق علیہ السلام کو دھوکا دیا اور انھوں نے یعقوبؑ کے لیے دعا کی تو اس دعا میں انھوں نے عیسو کی نیت کی تھی اور انھیں کے لیے دعا کی تھی نہ کہ یعقوب کے لیے۔ پھر فریب سے یہاں کیا فایدہ ہوا۔ کاش انھیں عقل ہوتی۔

یہ واقعہ اُن غالی روافض کی حماقت کے مشابہ ہے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو علیؑ کے پاس بھیجا تھا مگر جبرئیلؑ غلطی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلے گئے۔ اسی طرح اسحاقؑ نے عیسو کے لیے دعائے برکت کی مگر برکت غلطی سے یعقوب کے پاس چلی گئی۔ دونوں گروہوں پر خدا کی لعنت ہو۔

جھوٹی باتیں

اس واقعے میں یہ تو دغا و فریب کے وجوہ تھے۔ لیکن وجوہ کذب تو اس سے بہت زیادہ ہیں۔ اُن کا یعقوب کی طرف کذب کو منسوب کرنا حالانکہ وہ اللہ کے نبی و رسول تھے چار مقام پر ہے۔

اول اُن کا اپنے والد اسحاقؑ سے یہ کہنا کہ میں آپ کا پہلوٹھی کا بیٹا عیسو ہوں۔ ایک ہی نظام میں دو جھوٹ ہیں اس لیے کہ یعقوبؑ

نہ تو اُن کے بیٹے عیسو تھے اور نہ وہ پہلونٹھی کے تھے۔
سوم ان کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ آپ نے جو کچھ کہا تھا وہ سب میں نے تیار کیا ہے۔ بیٹھیے اور میرا شکار کھائیے ایک ہی عبارت میں یہ بھی دو جھوٹ ہیں۔ اس لیے کہ نہ تو اسحاق نے اُن سے کسی چیز کی فرمائش کی تھی۔ اور نہ یعقوبؑ نے انھیں اپنا شکار کھلایا۔
علاوہ بریں دوسرے جھوٹ بھی ہیں، مثلاً:۔
اسحاقؑ کی دعا کا غلط ہونا جو انھوں نے یعقوبؑ کو دی تھی کہ امتیں تمھاری خدمت کریں گی اور قبائل جھکیں گے۔ اور تم اپنے بھائیوں کے سردار ہو گے اور تمھیں تمھارے بھائی سجدہ کریں گے۔
اُن کا عیسو سے یہ کہنا کہ تم اپنے بھائی کے غلام ہو گے۔
یہ سب پے در پے جھوٹ ہیں۔ واللہ نہ کبھی امتوں نے یعقوبؑ اور ان کے بعد اُن کے بیٹوں کی خدمت کی اور نہ ان لوگوں کے آگے قبایل جھکے اور نہ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے سردار ہوئے اور نہ یعقوبؑ کے بیٹوں کو اور نہ یعقوبؑ کو یعقوبؑ کے بھائیوں نے سجدہ کیا بلکہ بنی اسرائیل (یعنی اولاد یعقوبؑ) ہی نے ہر شہر میں اور ہر وقت میں امتوں کی خدمت کی اور یہی لوگ اپنے زمانۂ سلطنت میں بھی اور اس کے بعد بھی زمانۂ قدیم و جدید میں قبایل کے آگے جھکتے رہے۔ اگر یہ کہیں کہ عنقریب ہوگا تو ہم کہیں گے کہ یہ بہت دور ہے۔ ؎

قد حصلتم علی الصغار یقیناً ؛	والامانی بضائع السخفاء
(تمھیں ذلت تو یقینی طور پر حاصل ہو گئی	اب یہ امید کہ پھر عزت حاصل ہو گی تو ایسا خیال خام احمقوں کا ہوتا ہے)

۱۰۹ ترجی ربیع ان سنجیا صغارہا ؛ بخیر وقد اعیار بیعا کبارہا

(ربیع کو امید ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کو بخیر و خوبی جلائے گی حال آں کہ بڑوں کو تو پال ہی نہ سکی)
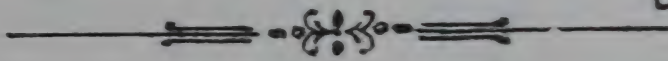
خاصکر باوجود اُن تمام مدتوں کے گذر جانے کے جن کے متعلق یہ لوگ خبر دیا کرتے تھے کہ یہ نہ گذرے گی تاوقتیکہ ان کی حکومت عود نہ کرے۔

جاننا چاہیے کہ ہر امت جو بدقسمت ہو جاتی ہے تو وہ پہلی حالت کی واپسی کا انتظار کرتی ہے اور اپنے آپ کو واپسی کی امید دلاتی ہے جس طرح بنی اسرائیل اپنے آپ کو امید دلاتے ہیں۔ اور ان بارہ وعدوں کو یاد کرتے ہیں جس طرح اُن لوگوں کے وعدے ہیں تو یہ آرزو ہے جیسے آرزو ہوتی ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔ جس طرح مجوس فارس بہرام و گاؤسوار ہماوند کے منتظر ہیں، اور جس طرح روافض مہدی کے منتظر ہیں۔ اور جس طرح وہ نصاریٰ جو ابر میں مسیح کے منتظر ہیں۔ اور جس طرح صابئین ایک دوسرے قصے کے انتظار میں ہیں اور غیر صابئین سفیانی کے۔ سہ

تمنی یلذ المستہام بمثلہ ؛ وان کان لا یغنی فتیلا ولا یجدی

(یہ ایسی تمنا ہے کہ متحیر آدمی ایسی تمناؤں کے مزے لیا کرتا ہے اگرچہ نہ اس سے کوئی کام نکلتا ہے نہ کوئی آرزو بر آتی ہے)

وغیظ علی الایام کالنار فی الحشا ؛ ولکنہ غیظ الاسیر علی القد

(زمانے کے خلاف سینے میں آگ کی طرح غیظ و غضب بھڑک رہا ہے یہ اس قیدی کا غیظ و غضب ہے جو اپنی مصیبت پر مشتعل ہو رہا ہو)

سرداری کے بدلے خواری

اسحاق کا یہ کہنا کہ تم اپنے بھائیوں کے سردار ہوگے اور تمہیں تمہارے بھائی سجدہ کریں گے تو بخدا اس کی ضد صریحاً ثابت ہے۔ کیونکہ ان کی توریت میں ہے کہ یعقوبؑ اپنے چچازاد بھائی لابان بن ناحور بن لامک کے بیس برس تک خادم اور چرواہے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے اور ان کی تمام اولاد نے سوائے ان کے کہ جو ان میں ابتک پیدا نہیں ہوئے تھے بارہا عیسو کو سجدہ کیا۔ اور عیسو نے کبھی یعقوبؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ اور نہ اولاد یعقوبؑ میں سے کبھی کوئی اولاد عیسو کا مالک ہوا۔

یعقوبؑ نے اپنے ہر خطاب میں جو عیسو سے کیا اس میں ان کے ساتھ اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔ اور عیسو نے کبھی یعقوبؑ کی بندگی و غلامی نہیں کی۔

عیسو نے ان کے لڑکوں کو دریافت کیا تو یعقوبؑ نے انھیں جواب دیا کہ وہ چھوٹے ہیں۔ اللہ کی طرف سے آپ کے غلام پر ان کی ذمہ داری ہے۔

یعقوب عیسو کی رضا کے طالب ہوئے اور اُن سے کہا کہ میں آپ کے چہرے کی طرف اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح کوئی اللہ کے حسن کی طرف دیکھتا ہے۔ آپ مجھ سے راضی ہو جائیے اور میں جو ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اُسے قبول فرمائیے۔ عیسو حرامیں تھے اُس وقت انھوں نے یعقوبؑ کا ہدیہ قبول کر لیا۔

ہم تو عیسو اور اُن کی اولاد کو یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کا سردار ہی دیکھتے ہیں۔ اور اسی طرح باقرار توریت بنی عیسو ساعیر میں اپنی میراث کے مالک ہوئے۔ یہ شراۃ کے پہاڑ ہیں بنی لوطؑ اپنی میراث کے مواب میں مالک ہوئے۔ عمان قبل اس کے کہ بنی اسرائیل مالک ہوں زمانہ دراز تک فلسطین واردن میں اپنی میراث کے مالک رہے۔

اُنھیں کی کتابوں کے اقرار کے مطابق بنی اسرائیل کی سلطنت بھر اولاد عیسو برابر یا تو بنی اسرائیل پر غالب رہے یا ان کے مساوی رہے۔ بنی اسرائیل نہ کبھی بنی عیسو کے مالک ہوئے نہ بنی لوط کے نہ بنی اسماعیل کے۔ دولت بنی اسرائیل کی تباہی کے بعد بنی عیسو و بنی لوط ساعیر و مواب وعمان میں اپنی میراث میں باقی رہے۔ بنی اسرائیل کو بنی اسماعیل نے ان کی میراث سے نکال دیا پھر آج تک ان کے مالک رہے۔

ہم تو اس دعائے برکت کو الٹا ہی دیکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے خدا کی پناہ۔ لیکن اس برکت کا جو اُن کے گمان کے مطابق چرائی گئی اور خباثت سے حاصل کی گئی حق یہی ہے کہ وہ اوندھی اور الٹی ہو کر نکل جائے۔

زنا کی نسبت (!)

پھر بیان کیا گیا ہے کہ جب یعقوبؑ اپنے ماموں لابان بن بتوال کے پاس گئے تو انھوں نے ان کی بیٹی راحیل کے ساتھ اپنا پیام نکاح دیا اور کہا کہ میں آپ کی چھوٹی بیٹی راحیل کے لیے سات برس تک آپ کی خدمت کروں گا۔ لابان نے جواب دیا کہ میں اسے تمھیں ہی دوں گا کیونکہ تم اس دوسرے شخص سے جس کو میں اسے دوں اچھے ہو۔ تم میرے پاس رہو۔ یعقوب نے راحیل کے لیے سات برس تک خدامت کی۔ راحیل کی محبت میں تھوڑے دن تک اُن کے پاس رہے۔ اور لابان سے کہا کہ میری زوجہ مجھے دیجیے۔ کیونکہ میں نے اپنی مدت پوری کر دی تاکہ میں اُنھیں بیوی بناؤں۔ لابان نے تمام اہل مقام کو جمع کیا اور ولیمہ کیا۔ جب رات ہوئی تو لابان نے اپنی بیٹی لیئہ (لیا) کو لیا اور اُسے دلھن بنا کے یعقوب کے پاس بھیجدیا یعقوبؑ نے اُس کے ساتھ ہم بستری کی۔ جب صبح ہوئی اور انھوں نے دیکھا کہ یہ لیئہ ہے تو لابان سے کہا کہ آپ نے کیا کیا۔ کیا میں نے راحیل کے

۱۱۰ متعلق آپ کی خدمت نہیں کی تھی۔ آپ نے مجھے دھوکا کیوں دیا۔ لابان نے کہا کہ ہم لوگ اپنی بستی میں ایسا نہیں کرتے کہ بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی کی شادی کردیں۔ تم اس کے بھی سات سال پورے کرو۔ اور میں مزید سات سال کی خدمت کے عوض میں جو تم کروگے تمھارے ساتھ اس کی بھی شادی کردوں گا۔ یعقوبؑ نے ایسا ہی کیا۔ لیئہ کے سات سال پورے کیے اور لابان نے اپنی بیٹی دیدی تاکہ وہ یعقوب کی زوجہ بنے۔

اولاد زنا

اس فصل میں دائمی مصیبت ہے اور وہ اُن کا یہ اقرار ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے نکاح تو راحیل سے کیا مگر ان کے پاس دوسری عورت بھیجی گئی۔

لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ لیئہ بغیر نکاح کے ان کے پہلو میں رہیں اور ان سے ان کے یہاں چھ بیٹا بیٹی بھی پیدا ہوئے۔ اور یہ بعینہ زنا ہے کہ فریب کی وجہ سے ایک ایسی عورت کو لے لیا جس سے نکاح نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اللہ نے ایسی بدکاری سے اپنے نبی کو پناہ دی ہے اور اپنے انبیاء علیہم السلام موسیٰ و ہارون و داؤد و سلیمان کو اس قسم کی اولاد بننے سے بچایا ہے۔ اور یہ اس امر کی بدیہی شہادت ہے کہ یہ مضمون کسی ایسے بددین کا بنایا ہوا ہے جو دیانات کا کھیل کرتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جب یعقوبؑ کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ وہ عورت نہیں ہے جس سے انھوں نے نکاح کیا ہے تو انھوں نے ضرور اس سے نکاح کرلیا ہوگا۔ ہم کہیں گے کہ اگر ہم تمھارے لیے اس سے چشم پوشی بھی کرلیں تو پھر نسخ ثابت ہوگا اس لیے کہ ایک ہی ساتھ دو بہنوں سے نکاح کرنا تمھاری توریت میں بھی حرام ہے۔

بعض یہود نے مجھ سے اس کے متعلق کہا ہے کہ موسیٰؑ سے پہلے اللہ کی طرف سے شرائع نازل نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ کیا تمھاری توریت کی نص میں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ہر زندہ جانور کا کھانا تمہارے لیے ایسا ہی ہے جیسے ہری گھانس میں تم کو دیتا ہوں لیکن گوشت اس کے خون کے ساتھ نہ کھاؤ لیکن تمہارے خون جو خود تمہارے اندر ہیں تو میں عنقریب انھیں طلب کروں گا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے قبل کی شریعت ہے۔ اباحت بھی ہے تحریم بھی ہے۔

خدا کے ساتھ کشتی لڑتے رہے

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ یعقوبؑ اپنے ماموں لابان کے پاس سے اپنی بیویوں اور بچوں کو لے کے واپس آ گئے۔ جب صبح ہو گئی تو یعقوبؑ نے اپنی دونوں بیویوں کنیز اور گیارہ بچوں کو روانہ کر دیا اور خود تنہا رہ گئے۔ صبح تک ایک شخص ان سے کشتی لڑتا رہا۔ جب وہ یعقوبؑ سے ہار گیا تو اس نے یعقوبؑ کے چڈھے کے جوڑ پر (یعنی کولے کے قریب) مارا۔ یعقوبؑ کے چڈھے کا جوڑ اس کی کشتی میں اکھڑ گیا۔

داؤ پیچ

اس نے یعقوبؑ سے کہا کہ اب مجھے جانے دو کیونکہ صبح ہو گئی ہے۔ یعقوبؑ نے کہا کہ میں نہ چھوڑوں گا تا وقتیکہ تم میرے لیے دعا نہ کرو اور برکت نہ دو۔

خدا نے ہار مان لی

اس نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یعقوبؑ۔ اس نے کہا کہ آج سے تم یعقوبؑ نہیں کہلاؤ گے بلکہ اسرائیل کہلاوگے اس لیے کہ تم اللہ سے قوی ہو۔ چہ جائیکہ انسانوں سے۔ یعقوبؑ نے اس سے کہا کہ مجھے اپنا نام تو بتا دو۔ تو اس نے کہا کہ مجھ سے میرا نام نہ پوچھو۔ اسی مقام پر اس نے یعقوبؑ کے لیے دعائے برکت کی اور یعقوبؑ نے اس مقام کا نام فنیئیل رکھا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھا اور میں سلامت رہا فنیئیل سے گذرنے کے بعد آفتاب خوب روشن ہو گیا۔ اور وہ اپنے پاؤں سے لنگڑاتے تھے۔ اور اسی لیے اب بھی بنی اسرائیل چڈھے کے جوڑ کا پچھلا حصہ (کسی جانور کا) نہیں

کھاتے اس لیے کہ یعقوبؑ کے چڈھے کا جوڑ خدا کے چھونے اور پکڑنے کی وجہ سے چنپیلا ہو گیا تھا۔

کفریات

اس فصل میں تو وہ خرابی ہے کہ گذشتہ خرابیوں کو بھی مات کر دیا جس سے اہل عقول کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بخدائے لایزال اگر اللہ عزوجل نے خود ہی ان الفاظ میں ان کا کفر نہ بیان کیا ہوتا کہ "ید اللہ مغلولۃ" (اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں) اور "ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء" (اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ امیر ہیں) تو ہماری زبانیں ان بدترین کفریات کی حکایت میں ہرگز گویا نہ ہوتیں۔ لیکن ہم باوجود اس (کفر) کے منکر ہونے کے اسی طرح اس کی حکایت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اللہ عزوجل نے ہمیں ان کے کفر و تہمت سے بچانے اور خوف دلانے کے لیے اس آیت میں تصریح فرمائی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس مقام پر یعقوبؑ اللہ عزوجل سے کشتی لڑے۔ اللہ اس سے اور ہر ایسی چیز سے بری ہے جو اس کی مخلوق کے مشابہ ہے۔ بھلا وہ کشتی کا کھیل کھیلے گا جس کو صرف بیکار لوگ کھیلا کرتے ہیں۔ اور اہل عقول بلا ضرورت اس کو نہیں کرتے۔

111

ان لوگوں نے اسی عیب پر کفایت نہیں کی بلکہ یہانتک کہدیا کہ اللہ عزوجل یعقوبؑ کو پچھاڑنے سے عاجز رہا۔ جیسا کہ ان کی توریت کی نص ہے۔ اور اس کو ان کے اس قول نے ثابت کر دیا جو وہ اللہ کی جانب سے بتاتے ہیں کہ اس نے یہ کہا کہ "تم اللہ سے قوی ہو چہ جائیکہ انسانوں سے"

اسرائیل کے معنے

مجھے بعض عبرانی جاننے والوں نے بتایا کہ اسی لیے اس نے ان کا نام اسرائیل رکھا۔ "ایل" بلاشک ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس میں کوئی

اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اسرائیل کے معنی اسرائیل ہوئے جو اس وقت کی یادگار ہے جو کشتی لڑنے کے بعد حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس نے یعقوب سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تو یعقوبؑ نے کہا کہ میں تمہیں نہ چھوڑوں گا تاوقتیکہ تم میرے لیے دعائے برکت نہ کرو۔

اس فصل پر ہر محفل میں یہود کے لڑکوں کی پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے۔ وہ اس پر جمے کہ توریت کی تصریح یہ ہے کہ یعقوب نے وہیم سے کشتی لڑی۔ اور وہیم کے معنی فرشتے کے ہیں۔ لہذا کسی فرشتے نے کشتی لڑی تھی۔

میں نے اُن سے کہا کہ سیاق کلام یقینی طور پر تمہارے قول کو باطل کرتا ہے کیونکہ اس میں یہ جو ہے کہ "تم اللہ سے قوی ہو چہ جائیکہ انسانوں سے" اور اس میں یہ بھی ہے کہ یعقوبؑ نے کہا کہ میں نے آمنے سامنے اللہ کو دیکھا اور میں سلامت رہا" یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ جب فرشتہ دیکھیں تو اپنے سلامت نفس پر مسرت ظاہر کریں۔ (کیونکہ انبیاء کو تو ہر وقت فرشتوں ہی سے سابقہ رہتا ہے اور پھر فرشتہ کوئی شیر تو تھا نہیں کہ وہ کھا جاتا) یعقوبؑ نے تصریح کر دی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل پر ران کی رگوں کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسی وجہ سے یعقوبؑ نے اس مقام کا نام فنیئیل رکھا۔ اس لیے کہ اس میں آگے ایل ہے اور وہ بغیر کسی احتمال کے تم لوگوں کے نزدیک اللہ عزوجل ہے۔ اگر وہ فرشتہ ہوتا جیسا کہ مناظرے کے وقت تم لوگ دعویٰ کیا کرتے ہو تو بھی غلطی ہی تھی کہ ایک نبی و فرشتہ نے فضول کشتی لڑی۔ یہ صفت تو اُن لوگوں کی ہے جو عنصر میں باہم متحد ہیں نہ کہ ملائکہ و انبیاء کی۔

حضرت رکانہ کی روایت

اگر کہا جائے کہ تم روایت کرتے ہو کہ تمہارے نبی نے رکانہ بن عبدیزید سے

کشتی لڑی۔ تو ہم کہیں گے ہاں۔ اس لیے کہ رکانہ کی قوت میں وہ حیثیت تھی کہ جزیرہ عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں پاتے تھے جو ان کا مقابلہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زاید قوت میں تعریف نہ تھی۔ آپ نے رکانہ کو اسلام کی دعوت دی انھوں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں گے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ انھیں یقین نہ تھا کہ یہ معجزہ ہو گا۔ آپ نے انھیں اس کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا پھر اسی وقت انھیں پچھاڑ دیا۔ رکانہ ایک مدت کے بعد اسلام لائے۔

اِن دونوں امور میں ایسا ہی فرق ہے جیسا عقل و حماقت میں۔ اور ہر مقام کے لیے ایک (علیحدہ) گفتگو ہے لیکن جب تمھارے نزدیک ملائکہ روٹی کے ٹکڑے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کے دل مضبوط ہوں اور بکریاں اور دودھ اور گھی اور چپاتیاں تو پھر ملائکہ کے انسانوں سے کشتی لڑنے سے کیوں انکار کرنے لگے۔ یہ وہ مصائب ہیں جو ان کی گمراہی و بدنصیبی اور اس یقین کی صحت پر شاہد ہیں کہ ان کی توریت بدل دی گئی ہے۔

خدا اپنی بات پر قایم نہ رہا

فصل مذکور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوبؑ سے کہا کہ آج سے تم یعقوبؑ نہیں کہلاؤ گے بلکہ اسرائیل کہلاؤ گے۔ پھر ان کی توریت کے سفر ثانی (دفتر دوم) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "آل یعقوبؑ سے کہدو" اور بنی اسرائیل کی تعریف کی۔ اس کے بعد بھی انھیں یعقوبؑ کے نام سے پکارا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبتِ کذب ہے۔

پیمبر کی بیوی اور بیٹی کی رسوائی

پھر کہا ہے کہ اسرائیل (یعنی یعقوب) جس وقت اس مقام پر تھے کہ روابین ابن لیئہ نے اپنے والد (یعقوب) کی کنیز بلہہ کے ساتھ ہمبستری کی۔ جو دان و نفتالی کی ماں تھیں اور یہ دونوں روابین کے بھائی اور

یعقوبؑ کے بیٹے تھے۔ پھر اسی کو اس طرح مؤکد کیا ہے کہ سفر اول کے اختتام کے قریب یعقوبؑ علیہ السلام کی وفات اور اپنے بیٹوں سے فرداً فرداً ان کے کلام کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یعقوب نے اپنے بیٹے روابین سے کہا کہ تو اپنے والد کے تخت پر چڑھ گیا اور ان کا فرش میلا کر دیا اور تو نے جو میرا فرش استعمال کیا ہے اس سے نجات نہیں پائے گا" (یعنی اس میں یعقوبؑ نے اپنے لڑکے کو اپنی کنیز کے ساتھ ہم بستری کرنے پر سرزنش کی ہے اور بد دعا دی ہے)۔ بعد اس کے کہ ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ شکیم بن حمور الحوی نے دنیہ بنت یعقوب علیہ السلام کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہم بستری کی اور اسے ذلیل کیا۔ اس کے بعد اس کے والد یعقوبؑ کو اس کے نکاح کا پیام دیا۔ یہاں تک بیان کیا کہ لادی و شمعون نے حمور اور اس کے بیٹے شکیم اور اس کے تمام شہر والوں کو قتل کر دیا اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کے ان سب کو قتل کرنے کو ناپسند کیا۔

خدا کی پناہ اس سے کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ترک کر دے اور اس کی بیوی اور بیٹی کی حرمت کی ان رسوا کن باتوں سے حفاظت نہ کرے۔ پھر کمزور سزا سے زائد اس کا انکار نہ کرے۔

جھوٹ اور خدا کی کتاب میں ربا

اس کے بعد کہا ہے کہ یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔ لیئہ کی اولاد میں رؤابین۔ جو یعقوبؑ کے پہلوٹھی کے بیٹے تھے اور شمعون و لاوی و یہوذا و یساخر و زبولون تھے اور راحیل کے بیٹے یوسف و بنیامین تھے اور بلہہ کنیز راحیل کے بیٹے دان و نفتالی تھے اور زلفہ کنیز لیئہ کے بیٹے جاد و اشیر (اشار) تھے۔ یعقوب کے کل یہی بیٹے تھے جو فدان ارام میں پیدا ہوئے

۱۱۲

یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ اس کے قبل بیان کیا ہے کہ

بنیامین یعقوب کے یہاں افراشاہی میں پیدا ہوئے جو بیت لحم سے چار میل کے فاصلے پر بیت المقدس کے قریب ایک مقام ہے۔ اور یعقوب کے فدان ارام سے کوچ کرنے کے ایک زمانے کے بعد پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو عمداً جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس طرح بھول کر۔ (اس لیے یہ توریت کلام خدا نہیں ہو سکتی)۔ اس کے بعد کہا ہے کہ اسرائیل (یعقوب) یوسف سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے بڑھاپے میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ علت تو بنیامین کی محبت کو واجب کرتی ہے اس لیے کہ نص توریت کے مطابق وہ یوسف سے چھ سال سے زاید بعد پیدا ہوئے تھے۔ اور یوسف کی محبت میں "یساکرو" "زبولون" کی شارکت کو بھی واجب کرتی ہے اس لیے کہ اس کے قبل بیان کیا گیا ہے کہ یعقوب نے اپنے ماموں لابان سے کہا کہ میں نے آپ کی بیس برس خدمت کی۔ چودہ برس تو آپ کی دونوں بیٹیوں کے لیے اور چھ برس آپ کے متعلقین کی۔

بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے چند سال بعد یعقوب کو لیئہ کو دیدیا اور سات دن کے بعد انھوں نے اُن کو راحیل کو بھی دیدیا۔ ان دونوں میں سات دن سے زیادہ فرق نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ صرف لیئہ والے سات سال کا زمانہ تھا۔ لیئہ کے یہاں اُن سے روابین پیدا ہوئے۔ پھر شمعون پھر لاوی پھر یہوذا۔ پھر وہ اولاد کے قابل نہ رہیں۔ اس کے بعد راحیل نے یعقوبؑ کو اپنی کنیز بلہہ دیدی اور انھوں نے اس سے شادی کرلی۔ اُن سے اُس کے یہاں دانا (دان) و نفتالی پیدا ہوئے۔ پھر لیئہ نے اپنی کنیز زلفہ یعقوب کو دیدی۔ یعقوب نے اس سے بھی شادی کرلی اور اُن سے اس کے یہاں جادا پھر اشیر پیدا ہوئے۔ پھر راحیل نے یعقوب کو لیئہ کی ہم بستری کی آزادی دیدی اُن دودھ والی اونٹنیوں کے عوض میں جو راحیل نے

لیئہ سے لی تھیں۔ یعقوب کے یہاں راحیل سے یوسف پیدا ہوئے۔
یوسف کی ولادت کے بعد یعقوب نے اپنے ماموں لابان کے اجرت کے معاملے کی ابتدا کی جو انھوں نے اپنی بکریاں چرانے کے لیے کی تھی۔ یعقوب نے چھ سال تک ان کی بکریاں چرائیں یہ سب ان کی توریت کی نص ہے۔
ثابت ہو گیا کہ بلا شک ان چھ سالوں کے ختم کے وقت یوسف بھی چھ ہی سال کے تھے۔ یعقوب کی تمام اولاد سوائے بنیامین کے یقیناً انھیں سات سالوں کے اندر پیدا ہوئی جو ان مذکورۂ بالا چھ سالوں سے پہلے گذر چکے تھے سات لڑکے تھے ہر دس مہینے میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہو گا۔ اس سے کم میں ناممکن ہے۔
اس میں کوئی شک نہ رہا کہ زابلون یوسف سے صرف ایک برس بڑے ہوں گے اور ایسا کر دو سال۔ کم از کم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مدت بھی جوڑ لی جائے جس میں ہم نے بیان کیا ہے کہ لیئہ اولاد کے قابل نہ رہی تھیں۔ اور وہ مدت بھی شامل کر لی جائے جس میں یعقوب نے ان سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ لامحالہ اس مدت کی بھی کوئی مقدار ضرور ہو گی۔ اس حساب سے زابلون و یوسف کی ولادت ساتھ ہی ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس واقعے میں بھی یقینی و بدیہی کذب ہے اور کذب خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، نہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے اور نہ اس کے انبیاء کے لیے۔ بنا بریں ثابت ہو گیا کہ یہ توریت بنائی اور بدلی ہوئی ہے۔ اگر اس کے لیے کوئی توجیہ ہوتی چاہے وہ باریک ہی ہوتی، کوئی نکلنے کا راستہ ہوتا خواہ دور ہی کا ہوتا، یا اس میں کوئی حیلہ ممکن ہوتا یا کسی تاویل کی گنجائش ہوتی، تو ہم اس کو بیان نہ کرتے۔ ہم اللہ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔
ان کی توریت میں اولاد عیسو کے بیان کے قریب شدید فساد اور ناموں اور ماؤں میں شدید غلطیاں ہیں مگر اکثر وجوہ بعیدہ ضعیفہ

سے نکلنے کی گنجائش ہے اس لیے ہم اس کے بیان کی زحمت نہیں دیتے لیکن اس پر بھی ہم نے خبردار کر دیا ہے۔ کیونکہ زیادہ ظاہر غالب اس میں بھی کذب ہی ہے، اور بلاشک وہ واقعہ بھی کسی جاہل ہی کا بیان کیا ہوا ہے۔

۱۱۳

یہوذا سے زنا کا واقعہ

پھر یوسف کے بھائیوں کے یوسف کو بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ان کے سب بھائی اس وقت مجتمع تھے اور اپنی بکریاں چرارہے تھے۔ اس کے بعد کہا ہے اس زمانے میں یہوذا اپنے بھائیوں سے علٰحدہ ہو گئے تھے اور اہل عدلام میں سے ایک شخص کے ساتھ رہتے تھے جس کا نام حیرہ تھا۔ انھوں نے اس مقام پر ایک کنعانی شخص کی لڑکی دیکھی جس کا نام شوع تھا، اس سے شادی کر لی اور اس کے ساتھ ہم بستری کی، وہ حاملہ ہو گئی اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عیر اتھا۔ پھر وہ حاملہ ہوئی اور دوسرا بچہ پیدا ہوا تو یہوذا نے اس کا نام انان رکھا۔ پھر حاملہ ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام شیلہ رکھا۔ اس کے بعد سلسلۂ ولادت بند ہو گیا۔ یہوذا نے اپنے پہلوٹھی کے بیٹے عیر ا کی شادی ایک عورت سے کر دی۔ عیر افرزند اکبر یہوذا اپنے والد کے سامنے ہی بدکار تھا۔ اور اسی لیے وہ قتل کیا گیا۔

پھر یہوذا نے اپنے بیٹے انان سے کہا کہ تم اپنے بھائی کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس کے ساتھ ہم بستری کرو کہ تم اس کی نسل کو زندہ کر دو۔ جب انان کو یہ معلوم ہوا کہ اس سے اس عورت کے یہاں جو بچہ پیدا ہو گا وہ اس کی طرف منسوب نہ ہو گا تو وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس گیا مگر وہ اس سے علٰحدہ رہتا تھا کہ اس سے اس کے بھائی کے لیے بچہ ہی پیدا نہ ہو۔ اس لیے اسے اس کے والد نے قتل کر دیا جب اسے اس کی یہ بےحیائی کی بات

معلوم ہوئی۔ اس وقت یہوذا نے (اپنی بہو) ثامار کنتہ سے کہا کہ تم اپنے والد کے گھر میں بیوہ رہو یہاں تک کہ میرا لڑکا شیلہ بڑا ہو جائے۔ یہوذا کو یہ امید تھی کہ اگر یہ بھی اس کے ساتھ ہمبستری کرے گا تو اس پر بھی اپنے بھائی ہی کی طرح موت کی مصیبت آجائے گی۔ وہ اپنے والد کے گھر میں رہنے لگی۔ بہت زمانے کے بعد شوع کی بیٹی کی جو یہوذا کی بیوی تھی وفات ہو گئی اور یہوذا کو صبر آگیا اور بیوی کا غم فرو ہو گیا۔ وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ہمراہ اپنی بھیڑوں کے بال کاٹنے کے لیے تمنہ روانہ ہو گئے۔

ثامار سے کہا گیا کہ تمھارے سسرے اپنی بھیڑوں کے بال کاٹنے تمنہ جارہے ہیں۔ ثامار نے اپنی بیوگی کا لباس اتار دیا اور برقع اوڑھ کر تمنہ کے چوراہے پر بیٹھ گئی۔ جب شیلہ بڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی شادی نہیں کی گئی یہ یہی کیا کرتی تھی۔ جب یہوذا نے اسے دیکھا تو سمجھے کہ یہ زانیہ ہے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا تاکہ پہچانی نہ جاسکے۔ یہوذا اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ مجھے اپنے ساتھ ہمبستری کی اجازت دو۔ وہ یہ نہیں پہچانتے تھے کہ یہ ان کی بہو کنتہ ہے۔ کنتہ نے ان سے کہا کہ اگر میں تمھیں اپنے ساتھ ہمبستری کرنے دوں تو تم مجھے کیا دو گے۔ انھوں نے کہا کہ میں تمھیں ایک بھیڑ کا بچہ بھیج دوں گا۔ اس نے کہا اچھا بشرطیکہ تم جب وعدہ اس کے بھیجنے تک کے لیے میرے پاس کوئی چیز رہن رکھدو۔ یہوذا نے کہا کہ میں تمھارے پاس کیا چیز رہن رکھدوں۔ اس نے کہا کہ اپنی انگوٹھی اور اپنا کمر بند اور عصا جو تمھارے ہاتھ میں ہے میرے پاس رہن رکھدو۔ وہ ایک ہی ہمبستری میں حاملہ ہو کے چلی گئی، جس شکل میں تھی اسے تبدیل کر دیا اور بیوہ عورتوں کی شکل میں آگئی۔

یہوذا نے اپنے عدلامی دوست کے ہمراہ بھیڑ کا بچہ بھیجا کہ وہ

اس عورت سے رہن کا سامان لے لے جو یہوذا نے اس کے پاس رکھا تھا۔ جب عدلامی نے اس کو وہاں کے باشندوں میں نہ پایا تو دریافت کیا کہ وہ عورت جو چوراہے پر بیٹھتی تھی کہاں ہے۔ تو لوگوں نے جواب دیا کہ اس مقام پر کوئی زانیہ نہیں۔ وہ یہوذا کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا کہ مجھے وہ عورت نہیں ملی۔ اور وہاں کے باشندوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں کوئی زانیہ نہیں ہے۔ یہوذا نے اس خوف سے کہ ہنسی نہ ہو اس سے کہا کہ اس سے وہ اشیاء تو لے لیتے جو اس کے پاس ہیں۔ میں نے تو اسے بھیڑ کا بچہ بھیجا اور تم کہتے ہو کہ وہ مجھے نہیں ملی۔

تین ماہ کے بعد یہوذا سے کہا گیا کہ ثامار کنتہ نے زنا کیا ہے اور اب تو اس کا پیٹ بھی ظاہر ہو گیا ہے۔ یہوذا نے کہا کہ نکال لاؤ کہ اسے جلا دیا جائے۔ جب وہ نکالی گئی تو اس نے یہوذا کو بلا بھیجا کہ میں اسی شخص سے حاملہ ہوئی ہوں جس کی یہ اشیاء ہیں تم پہچانو کہ یہ انگوٹھی اور کمر بند اور عصا کس کا ہے۔ جب یہوذا نے پہچانا تو کہا کہ یہ مجھ سے زیادہ انصاف والی ہے۔ کیونکہ میں نے اسے اپنے بیٹے شیلہ سے روکا اور اس کے بعد اُس نے اس کے ساتھ ہمبستری نہیں کی۔

جب اس کے وضع حمل کا وقت آیا تو اس میں جوڑواں بچے معلوم ہوئے۔ ان دونوں کے نکلنے کے وقت ان میں سے ایک نے سبقت کی اور اپنا ہاتھ نکالا تو دایہ نے اس کے ہاتھ میں ایک سرخ تاگا باندھ دیا اور کہا کہ یہ پہلے نکلے گا۔ مگر اس نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور دوسرے بچے نے نکالا۔ دایہ نے اس سے کہا کہ تو نے اپنے بھائی کو (پہلے نکلنے کی) فرصت کیوں نہ دی اس کا نام فارص رکھا گیا۔ اس کے بعد وہ بچہ نکلا جس کے ہاتھ میں سرخ تاگا باندھا گیا تھا اس کا نام زارح رکھا گیا۔ یہ فصل ختم ہو گئی۔ 114

ولد الزنا کو اپنا بیٹا مان لیا	بعد چند فصول و قصص کے اس اولاد یعقوب کا

ذکر ہے جو شام میں پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ اس وقت مصر میں آئے جب ان سب کو یوسف علیہ السلام نے بلا بھیجا تھا یہوذا وران کے ان تین زندہ بیٹوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شیلہ۔ فارص۔ اور زارح۔ اور خود فارص کے بھی دو بیٹوں کا ذکر ہے اور وہ دونوں حصرون وحامول فرزندان فارص بن یہوذا مذکور ہیں۔

اس کلام میں عار و ننگ وشرم اور جھوٹی رسوا کن باتیں اور بکثرت بدترین کھلے کھلے جھوٹ ہیں۔

عار تو وہ ہے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا کا راستے میں ایک عورت سے ملنا اور اس سے اس شرط پر زنا کی خواہش کرنا کہ بھیڑ کا بچہ دیا جائے گا۔

پھر اس پر یہ ستم کہ اس کے جلانے کا حکم دینا۔

پھر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ وہ خود ہی اس حرکت کے مرتکب ہیں تو انھوں نے اس حکم کو اپنے سے اور اس سے منسوخ کر دیا۔

پھر یہ دوسری بدترین حرکت ہے ان کا یہ کہنا کہ انان بن یہوذا کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے بھائی کی وفات کے بعد جب اس کی بیوی سے شادی کرے گا اور اس کے یہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کی طرف منسوب نہ ہوگا تو وہ اس عورت سے الگ رہنے لگا۔

یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ ایک شخص کی بیوی کے یہاں اپنے شوہر سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ ایک ایسے دوسرے شخص کی طرف منسوب ہو جو اس شخص کے اس عورت سے شادی کرنے سے پہلے مر چکا ہو۔ شاید اب بھی ان یہودیوں میں ایسی ہی ولادتیں اور نسب ہوتے ہوں جیسے کہ ان کی کتابوں میں ہیں۔

بس واللہ یہ نہایت قبیح امور ہیں۔

سلسلۂ اولادِ زنا میں ایک پیغمبر

خیر یہوذا کو تو چھوڑو کیونکہ وہ نبی نہ تھے اور جو نبی نہ ہو اس سے اس قسم کے افعال ناممکن نہیں ہیں۔ تعجب تو اس پر ہے کہ

یہ سب لوگ قطعی طور پر اس پر متفق ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام اشمائی بن عوذین بن یوغز بن یشائی بن محشون ابن عمینا ذاب بن لورام بن حصرون بن فارص المذکور ابن یہوذا کے بیٹے تھے۔ انھوں نے ان دو فاضل رسولوں کو اس ولادت خبیثہ کی پیدائش بنا دیا جو زنا کی طرف رجوع کرتی ہے۔ پھر زنا میں بھی بدترین وہ زنا ہے جو آدمی اپنی بہو کے ساتھ کرے۔ اس بنائی ہوئی تہمت سے خدا کی پناہ۔

جب میں نے اس فصل پر تقریر کی ہے تو مجھ سے بعض یہود نے کہا کہ اس زمانے میں یہ حلال تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ پھر یہوذا اس کے بعد اس سے ہمبستری کرنے سے کیوں باز رہے۔ اور یہ کیسے حلال ہو سکتا ہے حالانکہ اس معاملۂ خبیثہ کے وقت جو مکروہ بھیڑ کے بچے اور ملعون رہن سے طے کیا گیا تھا، نہ تو اس عورت نے اپنے آپ کو پہچنوایا اور نہ یہوذا نے اسے خود پہچانا، محض شہوت سے مجبور ہو کے اس بنا پر اس سے مجامعت کی کہ وہ ایک زانیہ عورت ہے، نہ یہ کہ وہ اپنے مردہ بیٹے کی بیوی ہے سوائے اس کے کہ تم لوگ اس زمانے میں زنا کو ہر طرح حلال مان لو تب تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہودی شرمندہ و ترشرو ہو کے خاموش ہو گیا۔

این خانہ تمام آفتاب است	واللہ میں نے کوئی ایسی قوم نہیں دیکھی جو نبوت کا اقرار کرے اور انبیاء کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جیسی یہ کفار منسوب کرتے ہیں۔

کبھی تو ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی بہن سے شادی کر لی اور ان سے ان کے یہاں اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

پھر یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک عورت سے شادی کی مگر فریب سے ان کے پاس دوسری عورت بھیجدی گئی جو ان کی بیوی نہ تھی اور اس سے ان کے یہاں

دو لڑکے پیدا ہوئے جن سے موسیٰ و ہارون و داؤد و سلیمان وغیرہم علیہم السلام کی نسل چلی۔

پھر روبان بن یعقوب کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی سوتیلی ماں اپنے نبی باپ کی بیوی اور اپنے علاتی بھائیوں کی ماں سے زنا کیا۔

پھر اپنے نبی یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے مجبوراً اس عورت سے بدکاری کی اور جبراً اس کے ساتھ مجامعت کی۔

پھر یہوذا کی طرف یہ امور منسوب کرتے ہیں جن میں دو بیٹوں کی بیوی کے ساتھ ان کا زنا کرنا پھر وہ حاملہ ہوئی اور زنا سے اس کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے جن سے داؤد و سلیمان علیہما السلام کی نسل چلی۔

پھر یوشع بن نون کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے رحب سے شادی کی جو ایک مشہور زانیہ تھی اور اس نے شہر اریحا میں اپنے آپ کو زنا کے لیے ہر ایسے شخص کے لیے جو رینگے یا چلے وقف کر دیا تھا۔

پھر عمران بن فہث بن لاوی کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی پھوپھی یعنی اپنے والد کی بہن سے جن کا نام یوحاند تھا شادی کر لی جو ان کے دادا کے یہاں مصر میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان سے اُن کے یہاں ہارون و موسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔ رحب کا نسب سفر رابع کے ختم کے قریب اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ ۱۱۵

پھر داؤد علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے لشکر کے ایک شخص کی بیوی کے ساتھ علانیہ زنا کیا جو پاکدامن تھی اور اس کا شوہر زندہ تھا۔ اس عورت کے یہاں داؤد سے اسی زنا کی وجہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پھر یہ پاک جوزہ مر گیا، پھر اس سے شادی کر لی اور یہی عورت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ماں ہوئی

پھر امثون بن داؤد علیہما السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے علانیہ لوگوں کے سامنے اپنے والد کی کنیزوں سے بدکاری کی۔

پھر سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی بدکاری منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کیا جن سے نکاح کرنا اُن کے لیے حلال نہ تھا۔ ان عورتوں کے لیے بتخانے بنائے اور اُن عورتوں کی وجہ سے بتوں پر قربانیاں چڑھائیں۔ مع اُس کذب کے جو ہم نے پہلے بھی بیان کیا اور انشاء اللہ بیان کریں گے جس کی نسبت ان لوگوں نے ابراہیم واسحاق ویعقوب ویوسف علیہم السلام کی طرف کی ہے۔

لیکن اُس کذب کی اُس سے آگے کیا حقیقت ہے جو اُن کی توریت میں ہے کہ اللہ نے یعقوب کے ساتھ کشتی کا کھیل کیا اور اس نے یعقوب سے جو وعدہ کیا تھا اور جو خبریں انھیں دی تھیں ان میں نہایت ذلیل جھوٹ بولا اور خلاف کیا۔ جو اُس بہتان کی تصدیق کرے اس پر خدا کی لعنت وغضب ہو۔

اس قوم کے کفر سے تعجب کرو اور اُس سے جو اُن کے پیش رو کافروں بدمعاشوں نے اللہ اور اس کے رسل علیہم السلام پر افترا کیا ہے۔ پھر اس کتاب پر جس میں اس میں سے کچھ بھی ثابت کیا گیا ہو اور اس کے کاتب پر اتنی ہی بار خدا کی لعنت وغضب ہو۔ جتنی اللہ کی مخلوق ہے۔ اے گروہ مسلمین اس پر اللہ کا شکر وحمد کرو کہ اُس نے تمھیں ایسی روشن وتابناک ملت کی رہنمائی کی جس میں تبدیل وتحریف کی آمیزش نہیں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بے شمار محالات | وہ کھلا ہوا رسوا کن جھوٹ جو محال محض وافترائے خالص ہے اُسے انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کرتے ہیں، تم اُس میں غور کروگے تو عجب چیز دیکھوگے۔ ان کی توریت میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا ابن یعقوبؑ اپنے اُن بھائیوں کے ساتھ تھے جو اپنی بکریاں چرارہے تھے جب انھوں نے اپنے بھائی یوسف کو بیچا ہے۔

اور یہوذا ہی نے اپنے بھائیوں کو اُن کے فروخت کرنے اور انھیں کنوئیں سے نکالنے کا مشورہ دیا تھا کہ وہ اس طریقے سے یوسف کو موت سے بچالیں۔

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ یہوذا اپنے بھائیوں سے علٰحدہ ہو کے حیرۂ علامی کے ساتھ چلے گئے تھے۔ انھوں نے شوع کنعانی کی بیٹی کو دیکھا تو اس سے شادی کرلی اس سے ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عیر تھا، پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اونان (انان ونان) تھا، پھر ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیلہ تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی حرفاً حرفاً بیان کیا ہے۔

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ عیر نے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام تامار تھا اور اس سے ہمبستری کی، یہ گنہگار تھا اور اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی اونان نے شادی کرلی اور وہ اس سے علٰحدہ رہا کرتا تھا پھر وہ اسی حالت میں مرگیا۔ وہ بیوہ ہی رہی کہ شیلہ بڑا ہو تو وہ شیلہ سے شادی کرلے۔ شیلہ بڑا ہو گیا اور اس عورت سے اس نے شادی نہیں کی۔ اس کا اقرار یہوذا ہی نے کیا ہے کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ عورت مجھ سے زیادہ انصاف والی ہے کیونکہ میں ہی نے اسے اپنے بیٹے شیلہ کے لیے روکا تھا۔

اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ اس نے مکاری کی یہانتک کہ اپنے شوہر کے والد یہوذا سے وہ زنا کرا کے حاملہ ہوگئی انھیں سے اس کے یہاں جڑواں بچے فارص وزارح پیدا ہوئے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

اس کے بعد یعقوب کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے جو ملک شام میں پیدا ہوئے اور یعقوب کے ساتھ مصر میں آئے۔ انھیں میں حصرون کو حامول پسران فارص بن یہوذا کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بس اسے یاد رکھو۔

ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب سولہ برس کے ہو گئے تو وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ اپنے والد ہی کے پاس بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے انھیں فروخت کر دیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جب اُن لوگوں نے انھیں فروخت کیا ہے ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ اُن کی توریت میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام فرعون کے پاس گئے ہیں، انھوں نے گایوں اور بالیوں والے خواب کی اُسے تعبیر بتائی ہے اور اس نے انھیں والی مصر بنایا ہے، اُن کی عمر تیس برس کی تھی۔

پھر ان کی توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کے والد اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر آئے تو اُن کی عمر انتالیس برس کی تھی۔ یہ مصرح ہے اور اس میں ان میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ لہذا یہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ یعقوب کے اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر میں جانے اور یوسف کے فروخت کرنے کے درمیان میں صرف بائیس برس کا زمانہ تھا۔ نہ اس سے بہت کم نہ بہت زیادہ۔ یہ ظاہری حساب ہے جو جاہل سے پوشیدہ ہے نہ عالم سے۔

۱۱۶ ان کی توریت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اسی مدت میں یہوذا نے شوع کی لڑکی سے نکاح کیا اور ان کے یہاں پہلا دوسرا اور تیسرا بچہ پیدا ہوا۔ بڑا لڑکا بالغ ہو گیا اور ایک عورت سے اُس کی شادی کر دی گئی اس کے ساتھ ہمبستری کرنے کے بعد وہ مر گیا پھر اس عورت کی شادی اُس کے بھائی سے کر دی گئی۔ وہ بھی اس سے علیحدہ رہتا تھا، پھر وہ بھی مر گیا۔ وہ عورت تیسرے کے بڑے ہونے تک بیوہ رہی، پھر اس سے اُس کی شادی نہیں کی گئی تو اُس نے اپنے شوہر کے والد یہوذا سے زنا کرائی اور ان سے اس کے یہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے، پھر ان دونوں میں سے ایک کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔

یہ محال وممتنع ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ طبیعت بشر میں قطعاً ناممکن اور فطرت وخلقت میں قطعاً اس کی کوئی گنجایش نہیں جس کے چند وجوہ ہیں۔

تم غور کرو کہ یہوذا یوسف کی بیع کے ایک روز بعد اپنے بھائیوں سے جدا ہو گئے۔ انھوں نے دختر شوع سے شادی کر لی۔ اور ان کی زوجہ حاملہ ہوگئیں جن سے اُن کے یہاں پہلے ہی سال میں فرزند اکبر پیدا ہوا، پھر دوسرے سال دوسرا لڑکا، اور تیسرے سال تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔

اس پر بھی غور کرو کہ فرزند اکبر نے جس وقت شادی کی اس کی بائیس سال کی کل عمر میں سے بارہ سال ہوئے تھے۔ اور بقیہ عمر تک بیوی کے ساتھ رہا۔

پھر اُس عورت کی شادی دوسرے لڑکے سے کر دی گئی اور وہ بھی بارہ ہی سال کا تھا۔ وہ اُس سے برابر علیحدہ رہا کہ جو اولاد پیدا ہو وہ اس کے بھائی کی طرف منسوب نہ ہو۔

پھر وہ مر گیا اور وہ انتظار کرتی رہی کہ شیلہ بڑا ہو جائے اور یہ اُس سے شادی کر لے۔ یہاں تک کہ مدت دراز گذر گئی۔

اُس نے دیکھا کہ وہ بڑا بھی ہو گیا اور اس سے اس کی شادی نہیں کی جاتی۔ یہ خیال قطعاً ایک سال سے کم میں نہیں ہو سکتا۔

اب یہ چودہ سال ہوئے۔

پھر اُس نے یہوذا کے ساتھ زنا کیا اور حاملہ ہو گئی اور اس کے یہاں ولادت ہوئی۔ اور یہ بھی ایک ہی سال یا کچھ کم ایک سال ہوا۔

اب بارہ برس میں سے سات سے آٹھ سال تک رہ گئے اور اس سے زاید نہیں ہو سکتے۔ لہذا عقل میں محال وممتنع ہے کہ کسی سات یا آٹھ برس کے آدمی کے دو بیٹے پائے جائیں۔

میں نے اس شخص سے زاید حساب کا جاہل نہیں دیکھا جس نے ان کی توریت بنائی۔ معاذاللہ ایسی جھوٹی لچر خبر اللہ کی یا موسیٰ علیہ السلام کی یا

کسی ایسے انسان کی نہیں ہو سکتی جو اُسے سمجھتا ہے جو کہتا ہے اور عمداً رسوا کن جھوٹ بولنے سے شرماتا نہیں۔ ہم اللہ سے عافیت کے طالب ہیں۔

غلط اولاد شماری

اس کے بعد یعقوب کے اُن بیٹوں کی تعداد بیان کی گئی ہے جو اُن کے ماموں لابان کے یہاں ملک شام میں پیدا ہوئے۔ اور مصر میں اُن کے ساتھ گئے۔ انھیں بیان کیا ہے جو لیئہ سے پیدا ہوئے اور وہ چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی ان چھ لڑکوں کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور ان کے نام بتائے ہیں روابین کے چار بیٹے بیان کیے ہیں شمعون کے چھ۔ لاوی کے تین۔ یہوذا کے تین۔ یہوذا کے بیٹے کے دو بیٹے ملا کر پانچ ہوئے۔ یساخر کے چار اور زابلون کے تین۔ جو سب کے سب ان کی توریت کی تصریح کے مطابق لیئہ کے بیٹوں میں تھے۔ اُن کے نام ذکر کرنے کے بعد یہی لیئہ کے لڑکے ہیں اور ان کی اولاد بنات کی تعداد تینتیس[۳۳] ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی توریت میں تصریح ہے۔ یہ حساب کی غلطی ہے۔ اللہ اس سے برتر ہے کہ وہ حساب میں غلطی کرے یا موسیٰ علیہ السلام اس میں غلطی کریں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ توریت کسی جاہل مسخرے کی بنائی ہوئی ہے یا کسی کھیلنے والے کی جس نے ان لوگوں سے ہنسی کی ہے اور ان کے عیوب کھولے ہیں۔ اس کے بعد اولاد راحیل کا ذکر ہے۔ پھر یوسف و بنیامین اور ان کی اولاد کا ذکر ہے کہ وہ چودہ تھے۔ زلفی عاد اور اشار اور ان دونوں کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سولہ تھے۔ بلہہ کی ولاد دان و نفتالی اور ان دونوں کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سات تھے پھر ان سب کو جوڑا ہے اور کہا ہے کہ اس خاندان یعقوب کی تعداد جو ان کے ہمراہ مصر آئے سوائے ان کی لڑکیوں کے چھیاسٹھ تھی۔ یوسف کے وہ دونوں لڑکے جو ان کے یہاں مصر میں پیدا ہوئے دو تھے چنانچہ مصر میں آنے والوں کی میزان ستر تھی۔

غلط در غلط

یہ کھلی ہوئی غلطی ہے اس لیے کہ اعداد مذکورہ کی میزان انہتر[۶۹] ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے یوسف کے ان دونوں لڑکوں کو نکال ڈالا جائے جو ان کے یہاں مصر میں پیدا ہوئے تو سڑسٹھ[۶۷] باقی رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ چھیاسٹھ کہتا ہے۔ اور یہ جھوٹ ہے۔

پھر کہا ہے کہ ان کے ہمراہ مصر میں آنے والوں کی مجموعی تعداد ستر تھی۔ اور یہ دوسرا جھوٹ ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جس نے ان کی توریت بنائی حساب میں اس کی استعداد کمزور تھی۔ یہ اللہ عزوجل کی صفت نہیں ہے اور نہ اس شخص کی ہے جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے جو اُسے جھوٹ بولنے سے اور خدا پر عمداً جھوٹ لگانے سے اور جس کام کو اچھی طرح نہ کر سکتا ہو اور نہ اُسے قایم کر سکتا ہو اس میں تکلیف کرنے سے روکتی ہے۔ ۱۱۷

خطاے مزید

اس فصل میں ایک اور قصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو قابل اعتراض ہے لیکن کسی طور پر اس کا مخرج نکل سکتا ہے اور اسی لیے ہم نے اس کے لیے علٰحدہ فصل قایم نہیں کی۔

وہ یہ ہے کہ اولاد بنیایمن کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بالع و باکرد و اشبیل و اجیر و نعمان و ابحی و روش و مفیم و حفیم و ارد تھے۔

پھر ان کی توریت کے سفر رابع میں بیان کیا ہے کہ صرف بالع و اشبیل و اجبر و مفیم و حفیم تھے۔

پھر کہا ہے کہ بالع کے دو بیٹے ازد و نعمان تھے۔

پھر اگر یہ اس کے علاوہ نہ ہو کہ ان دس سے سوائے ان پانچ کے نہ پیدا ہوئے ہوں جن کا ذکر سفر رابع میں ہے اور ازد و نعمان پسران بالع ازد و نعمان پسران بنیایمن کے علاوہ ہوں، ورنہ یہ جھوٹ ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر وہ چیز جس سے کسی طور پر بھی نکلنا ممکن ہو گا اگرچہ وہ بعید ہی ہو ہم اُسے ان کی جھوٹی کتاب کی رسوا کن باتوں میں نہیں لائیں گے۔

نبی کی بات اور خرافات (!)

پھر یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کے حق میں دعاے برکت کا ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنا داہنا ہاتھ افرایم بن یوسف کے سر پر اور بایاں منسی بن یوسف کے سر پر رکھا۔ یوسف علیہ السلام کو یہ ناگوار ہوا۔ انھوں نے

کہا کہ اے میرے والد یہ اچھا نہیں ہے اس لیے کہ یہ میرا فرزند اکبر ہے اس لیے آپ اپنا داہنا ہاتھ اس کے یعنی منسی کے سر پر رکھیئے۔ مگر یعقوب کو یہ ناگوار ہوا اور انھوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے اے میرے فرزند مجھے معلوم ہے۔ اور اس کی ذریت کثیر و عظیم ہوگی لیکن اس کے چھوٹے بھائی کی نسل و تعداد اس سے زیادہ ہوگی یعنی افرایم کی نسل کی تعداد منسی کی نسل سے زیادہ ہوگی۔

پھر مصحف یوشع میں بیان کیا گیا ہے کہ منسی کے لڑکے جب شام میں آئے اور ان پر زمین تقسیم کی گئی تو وہ باون ہزار سات[۵۲۷] سو سپاہی تھے اور افرایم کے لڑکے اس زمانے میں تینتیس ہزار پانچ سو[۳۲۵] تھے۔

ان کی ایک کتاب میں جو ان کے یہاں بہت ہی باعظمت ہے اور اس کا نام "سفطیم" ہے بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں قبل داؤد علیہ السلام چار بادشاہ اولاد منسی میں اور چار بادشاہ اولاد افرایم میں تھے۔

مذکورۂ بالا اولاد منسی میں ایک شخص تھا جس کا نام مفتاح بن علفاذ تھا۔ اس نے اولاد افرایم کے بیالیس[۴۲] ہزار سپاہیوں کو قتل کر دیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کی بنیاد ہی ختم کر دے۔

ان کی ایک دوسری کتاب جو ان کے نزدیک بہت ہی باعظمت ہے اور اس کا نام "ملاخیم" ہے اس میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے دس خاندان بادشاہ ہوئے یہاں تک کہ مذکورۂ بالا خاندان سے گئے اور انھوں نے اولاد افرایم کے دو بادشاہوں کو جن کی پوری مدت صرف چھبیس[۲۶] برس تھی گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں یار یعام اور اس کا بیٹا باباط تھے اولاد منسی کے پانچ بادشاہ ان کے والی ہو گئے اور ایک سو دو[۱۰۲] سال تک برابر ان کی سلطنت رہی۔ یہ لوگ زخر یا بن یربعم بن یوآش بن یہو یا حازب بن یہو تھے جو سب کے سب بادشاہ ابن بادشاہ ابن بادشاہ ابن بادشاہ ابن بادشاہ تھے۔

دس اسباط (یعنی اولاد یعقوب) میں سے جو لوگ بادشاہ ہوئے وہ ان منشانیں سے زائد طاقتور بادشاہ نہیں ہوئے۔

یہ یعقوب کے اس قول کی بالکل ضد ہے جس کو ان لوگوں نے

اُن سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بالکل بعید ہے کہ کوئی نبی جو خبر اللہ کی طرف سے دے اس میں وہ جھوٹ بولے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ یوشع بن نون و ربورانسہ وملحی موشی سب کے سب نبی تھے اور افرائیم کی اولاد میں سے تھے۔ اور بنی افرائیم جب مصر سے نکالے گئے ہیں ان کی تعداد چالیس ہزار سات سو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اور بنی منشا اس زمانے میں بتیس ہزار دو سو سپاہی تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ تم لوگوں نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ یعقوب نے کہا کہ شرف افرائیم کی نسل میں ہوگا۔ بلکہ تم نے یہ روایت کی ہے کہ یعقوب نے کہا کہ ہمیشہ کے لیے اور بالعموم افرائیم کی نسل تعداد منشا سے زیادہ ہوگی۔ برکت کا پہنچنا کسی خاص و قلیل وقت کے لیے نہ تھا کہ پھر حالت اس کے خلاف ہو جائے گی۔ اور برکت ہمیشہ کے لیے باطل ہو جائے گی اور جو مبارک ہوگا وہ بدنصیب ہو جائے گا اور بدنصیب مبارک۔

وہ دعا جو قبول نہ ہوئی

پھر یعقوب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اسی وقت روابین سے کہا کہ تم سب سے پہلے شخص ہو گے جو عطا کرنے میں سب پر غالب ہو گے۔ شرف میں تمھیں فضیلت ہو گی عزت میں تمھیں فضیلت ہو گی۔ اور تمھاری فضیلت پانی بہنے کی جگہ کی سی نہ ہو گی۔

یہ وہ کلام ہے جس کی ابتدا اس کے انتہا کی تکذیب کرتی ہے۔

برکت جو نامبارک نکلی ۱۱۸

پھر بیان کیا گیا ہے کہ اسی زمانے میں یعقوب علیہ السلام نے یہوذا سے فرمایا کہ یہوذا سے سرسبز مقام ترک نہ ہو گا اور نہ اُن کی نسل سے سرداری ختم ہو گا تاوقتیکہ وہ نبی نہ آجائیں جو تمام امتوں کی امید گاہ ہیں۔

یہ جھوٹ ہے اس لیے کہ یہوذا کی اولاد سے سرسبز مقام بھی منقطع ہو گیا تھا اور ان کی نسل سے سرداری بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ نبی بھی نہیں آیا جو ان کی امید گاہ تھا۔ یہوذا کی اولاد سے بخت نصر کے عہد سے

سلطنت منقطع ہو گئی جس کو ڈیڑھ ہزار برس سے بھی زاید گزر گیا، سوائے ایک قلیل مدت کے جو زربابیل بن صلتائیل کی مدت تھی۔

میں نے اس فصل پر یہود کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے مناظر کے سامنے سنہ ۴۰۴ھ میں تقریر کی۔ وہ اشموال ابن یوسف اللاوی کاتب عرف ابن نغروال تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ جالوتوں کے سردار خاندان داؤد سے سلسلۂ نسب رکھتے تھے اور اولاد داؤد یہوذا کی اولاد میں تھے۔ یہی سرداری وسلطنت وریاست ہے۔

میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ جالوت کا سردار کسی پر بھی اپنا حکم نافذ نہیں کر سکتا تھا نہ یہود پر نہ غیر یہود پر۔ یہ سرداری تو برائے نام تھی جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ نہ اس کی سرگردہی تھی، نہ اس کے ہاتھ میں کوئی سرسبز مقام تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ابن ہرام کے ساتھ چند لڑائیوں کے بعد چھ سال تک اولاد یہوذا میں سے ایک بھی والی نہ تھا۔ اس کے بعد ایک شخص پیدا ہوا جس کا لقب صدقیا بن یوشیا تھا۔ اولاد یہوذا میں سے ایک شخص بھی اس کا معین و مددگار نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا شخص ہوا جو مسلسل بہتر سال کسی ایک شخص پر بھی بادشاہ رہا ہو۔ یہاں تک کہ زربابیل پیدا ہوا (صرف یہی چھ سال تک مسلسل بادشاہ رہا) پھر ان لوگوں میں والی بالکل منقطع ہو گئے، نہ تو سردار جالوت ہوا اور نہ کوئی اور۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب دو سو سال تک ایک ایک ہارونیئیں میں سے ہوا۔ اور مسلمانوں کی سلطنت تک یا اس کے کچھ ہی قبل تک اس زمانے میں اولاد یہوذا میں سے کسی کی حکومت نہ رہی۔

اب تک انھوں نے راس جالوت کا نام ایک ایسے شخص کو دیدیا جو اولاد داؤد میں سے تھا۔

سوائے اس کے کہ بعض قدیم مورخین نے بیان کیا ہے کہ ہردوس اور اس کے دو بیٹے اور ایک پوتا اعریفاس بن اعریفاس یہ لوگ بنی یہوذا میں سے تھے۔ ہر مورخ کے نزدیک زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ رومی تھے۔

لہذا یقیناً ان کمینوں کا کذب ظاہر ہوگیا اور خدا کی پناہ کہ کوئی نبی جھوٹ بولے۔

ایک اور جھوٹ نسبت

پھر بیان کیا گیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے لاوی و شمعون سے کہا کہ میں ان دونوں کو یعقوب میں پھیلاؤں گا اور اسرائیل میں دونوں کو پھیلاؤں گا۔

لاوی کی نسل تو بنی اسرائیل میں پھیلی ہوئی تھی جیسا کہ بیان کیا گیا۔ لیکن اولاد شمعون نہیں پھیلی۔ بلکہ وہ لوگ ایک ہی بستی میں جو ان کے لیے تھی اکھٹا رہے جیسا کہ تمام اسباط (اولاد یعقوب) اور کوئی فرق نہ تھا۔

نبوت کی پیشینگوئی ایسی نہیں ہوتی کہ ایک قصے میں سچی ہو اور دوسرے میں جھوٹی۔ یہ تو ان لوگوں کے حساب کی پیشینگوئیوں کی صفات ہیں جو عورتوں اور بیوقوفوں کے لیے راستوں میں بیٹھتے ہیں۔

یہودی خدا کا بیٹا

توریت کے سفر ثانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون سے کہو کہ "سید" (یعنی آقا و سردار جس سے مراد خدا ہے) کہتا ہے کہ اسرائیل میرا فرزند اکبر ہے، اور تجھ سے کہتا ہے کہ میرے فرزند کو اجازت دے کہ وہ میری خدمت کرے اور اگر اب بھی تو ناپسند کرے گا تو میں تیرے فرزند اکبر کو ہلاک کردوں گا۔

یہ عجیب امر ہے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہود اس کے بعد کس منہ سے نصاریٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کیا ان کتب ملعونہ و مبدلہ کے سوا کسی اور چیز نے نصاریٰ کے لیے اس کفر کا راستہ بنایا کہ وہ اللہ کا بیٹا بنائیں اور انھیں تثلیث کا راستہ بتایا؟ جیسا کہ ہم اس کے قبل بھی بیان کرچکے ہیں۔ سوائے اس کے کہ نصاریٰ نے تو صرف ایک ہی شخص کے متعلق معجزات عظیمہ کی وجہ سے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا، مگر ان ذلیل کتابوں نے اور ان کے ماننے والوں نے تمام بنی اسرائیل کو خدا کا بیٹا بنادیا حالانکہ تمام امتوں میں سب سے زیادہ رذیل اور سب سے زیادہ گندے بھی

۱۱۹

لوگ ہیں۔ اور ان کا کفر بھی نہایت وحشتناک ہے اور ان کا جہل بھی سب سے زیادہ کھلا ہوا ہے۔

جادو معجزے کے برابر (!)

پھر بیان کیا گیا ہے کہ ہارون نے فرعون اور اُس کے غلاموں کے سامنے عصا ڈال دیا تو وہ سانپ بن گیا۔ پھر فرعون نے عالموں اور ساحروں کو بلایا اور انھوں نے بھی اسی طرح مصری منتر کیا۔ لیکن موسیٰ کا عصا ان کے عصاؤں کو لے گیا۔

پھر بیان کیا ہے کہ موسیٰ و ہارون نے وہی کیا جو "سید" نے انھیں حکم دیا تھا۔

پھر موسیٰ نے عصا اٹھا لیا اور اسے نہر کے پانی پر مارا جو فرعون اور اس کے غلاموں کے آگے جاری تھا۔ وہ پانی خون بن گیا اور اس کی تمام مچھلیاں مر گئیں اور نہر سڑ گئی۔ مصریوں کو اس کا پانی پینے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ تمام ملک مصر میں پانی خون بن گیا۔ پھر مصر کے ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا۔

پھر بیان کیا ہے کہ ہارون نے مصر کے ہر پانی پر اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس سے مینڈک نکلے اور تمام ملک مصر پر چھا گئے۔ ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا۔ اور وہ بھی مصر کی سرزمین پر مینڈکوں کو لے آئے۔

پھر بیان کیا گیا ہے کہ ہارون نے اپنا ہاتھ عصا پر ڈالا اور اُسے زمین کی گرد پر مارا۔ اُس سے تمام آدمیوں اور جانوروں میں مچھر پیدا ہو گئے۔ اور پورے ملک مصر میں پورا گرد و غبار مچھر بن گیا۔ مگر ساحر اپنے منتروں سے ایسا نہ کر سکے۔ اور انھوں نے مچھر بنانے کا ارادہ تو کیا مگر اس پر قادر نہ ہوئے۔ ساحروں نے فرعون سے کہا کہ یہ کام تو خدا کا ہے۔

یہ نہایت شدید و دائمی مصیبت اور قائم رہنے والا وبال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر موسیٰ علیہ السلام بلکہ ہر نبی کی نبوت ہی باطل ہو جائے۔

اگر ساحر ایسی چیز پر قادر ہو جائیں جو اسی کی جنس سے ہو جو نبی لاتا ہے تو پھر ساحرین و مدعیانِ نبوت کا ایک ہی دروازہ ہو گا۔

یقیناً موسیٰ اپنے عصا سے اُن کے عصاؤں کے ذلیل کرنے اور اُن لوگوں کے مسحور بنانے سے عاجز رہنے کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اور وہ بھی عصاؤں کو سانپوں کی شکل میں بدلنے اور پانی کو خون بنا دینے اور مینڈک لانے پر قادر ہو گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت کی وجہ سے اس سے زیادہ فوقیت نہ حاصل ہوئی کہ وہ فقط اس اعلی میں اُن سے زیادہ علم والے ہیں۔ اگر ایسا ہو جیسا یہ کذاب وملعون کہتے ہیں تو فرعون کا یہ کہنا سچ ہو جائے "انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر" (بیشک وہ موسیٰ تم سب سے بڑے ہیں جنھوں نے تم کو سحر سکھایا ہے)۔

مسحوروں کے بارے میں ساحروں کے یہ کہنے میں اُن لوگوں کا کوئی فایدہ نہیں کہ یہ خدا کا کام ہے۔

بنی اسرائیل سے کہا جا سکتا ہے کہ ساحروں کے اس قول کے بموجب عصا کو سانپ کی شکل میں بدل دینا پانی کا خون بنا دینا اور مینڈک لانا خدا کا کام نہ تھا بلکہ غیر خدا کا کام تھا۔ اور یہ وہ بڑی بات ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

بھلا اس کمزور اور بنائی ہوئی تہمت کا اس روشن نورِ حق سے کیا مقابلہ ہے جو اللہ عز وجل فرماتا ہے "انما صنعوا کید ساحر" (اُن لوگوں نے جو کچھ کیا وہ محض ساحر کا مکر تھا)

اور فرماتا ہے "وجاء السحرۃ فرعون قالوا اِن لنا اجرا ان کنا نحن الغالبین۔ قال نعم وانکم لمن المقربین۔ قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین۔ قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاؤا بسحرٍ عظیم۔ واوحینا الی موسیٰ ان الق عصاك فاذا ھی تلقف ما یأفکون۔ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون۔ فغلبوا ھنالك وانقلبوا صاغرین۔ والقی السحرۃ

ساجدین۔ قالوا آمنا برب العلمین رب موسیٰ وھارون"
(اور ساحر لوگ فرعون کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اجرت تو ضرور ملے گی اگر ہم غالب آئیں گے۔ فرعون نے کہا کہ ہاں۔ اور تم لوگ مقربین میں ہو جاؤ گے۔ ساحروں نے کہا کہ اے موسیٰ تم ڈالتے ہو کہ ہم ڈالیں۔ انھوں نے کہا تم لوگ ڈالو۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا۔ اور لوگ ان سے ڈر گئے۔ اور وہ لوگ ایک بڑا بھاری سحر لائے۔ اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ تم اپنا عصا ڈال دو چنانچہ وہ اسے لینے لگا جو وہ فریب دے رہے تھے۔ چنانچہ حق ثابت ہو گیا اور وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے وہ باطل ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ وہیں مغلوب ہو گئے۔ اور ذلیل ہو کے واپس گئے۔ اور ساحر لوگ (بتوفیق الٰہی) سجدے میں گرا دیے گئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم پروردگار عالم پر جو موسیٰ و ہارون کا پروردگار ہے ایمان لاتے ہیں۔)

چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی" (اتفاق سے ان کی رسیوں اور عصاؤں کے متعلق ان کے سحر کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دوڑتے ہیں)۔ اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ موسیٰ کا عمل حق تھا اور ان کا عصا درحقیقت سانپ بن گیا تھا۔ ارشاد ہے "فاذا ھی ثعبان مبین" (کہ وہ کھلم کھلا سانپ ہو گیا)۔ ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کے لیے جس نے اسے دیکھا یہ یقیناً واضح ہو گیا تھا۔ اللہ نے خبر دی کہ ساحرین نے جو کچھ کیا تھا وہ محض کذب و تخئیل و کید تھا۔

یہی وہ حق ہے جس کی عقول شہادت دیتی ہیں نہ وہ جو مبدل و محرف کتاب (توریت) میں ہے۔

ثابت ہو گیا کہ ساحرین کا فعل ایک حیلہ تھا جس میں فریب کاری تھی اور اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

دلیل بھی اسی کی تصحیح کرتی ہے۔ کیونکہ طبائع اشیاء کو سوائے خالق طبائع کے کوئی نہیں بدل سکتا۔ وہ اپنے نبی و رسول کی شہادت اور

۱۲۰

صدق و کذب میں فرق کرنے کے لیے بدلتا ہے۔ اُن لوگوں کے قول کی عقل تصحیح نہیں کرتی کہ ساحرین نے ویسا ہی عمل کیا جیسا موسیٰ نے کیا تھا جس وقت موسیٰ سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ موسیٰ کے قول کے صدق کی دلیل ہے اُس وقت جب کہ وہ اُنھیں اس پر ابھارتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اگر سچے ہیں اور موسیٰ کاذب ہیں تو موسیٰ ہی جیسا عمل کر دکھائیں۔ اور وہ موسیٰ ہی جیسا کر لائے تو ذرا نتیجہ تو سوچو۔ خدا تم پر رحم کرے۔

توارت کا مصنف

یہ ایسی خرابی ہے جو اسی بات کی قطعی اور سچی شہادت دیتی ہے کہ اس کتاب کا بنانے والا وہ ملعون اور جھوٹا شخص ہے جس کا نام حماس ہے۔ حالانکہ اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت ہے۔

وہ (حماس) محض ایک زندیق (بددین) جو باری تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور کتابوں کی توہین کرتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے بعید ہیں۔

استحالہ

یہودی آج تک یہ گمان کرتے ہیں کہ طبایع کا بدلدینا اور اجناس کا اپنی صفات ذاتیہ سے دوسرے اجناس میں پلٹ دینا اور معجزات مبینہ میں چیزوں کا ایجاد کرنا ان سب پر نتر اور صنعت و حرفت سے قابو پایا جاسکتا ہے جاننا چاہیے کہ جو اس کی تصدیق کرے بلاشک وہ نبوت کا باطل کرنے والا ہے۔ کیونکہ نبی و غیر نبی میں جو فرق ہے وہ محض اسی باب میں فرق ہے۔ اگر غیر نبی کے لیے بھی یہ ممکن ہو جائے تو پھر نبوت کا دعویٰ بے دلیل رہ جائے گا۔ گمراہی سے خدا کی پناہ۔

ہم نے آج تک یہود کو اس امر پر متفق دیکھا ہے کہ اُن کے علماء میں سے ایک شخص جو بغداد میں تھا بغداد سے ایک دن قرنیطہ (قرطبہ) گیا اور نبی الاسکندری کے ایک شخص کے سر میں دو سینگ پیدا کر دیے یہ شخص یہود کے مکان کے قریب جو خندق المحرقہ کے نزدیک تھا رہتا تھا اور وہاں کے یہود کو ستاتا تھا اور ان سے تمسخر کیا کرتا تھا۔

یہ وہ جھوٹ اور رسوا کن بات ہے جس کی نظیر نہیں۔ جو مقام ہمارے نزدیک قرطبہ کے نام سے مشہور ہے وہ شہر کے اندر داخل ہے اور عبد الواحد بن یزید الاسکندری کا بلند و مشہور مکان ہے۔ ہم نے ان لوگوں کا آخری وقت پایا ہے۔ ان لوگوں میں وزارت و تعلقداری (کلکٹری) تھی۔ ان میں کوئی شخص غیر معروف و غیر مشہور نہیں ہے۔

یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کے مرنے تک ان میں سے کسی کے بھی اس بنائی ہوئی حماقت کا کسی کو پتا نہ لگا (کہ ان کے یہاں کسی کے سینگ نکلا ہو)۔ یہ پوری قوم ان کے اگلے پچھلے سب کے سب مخلوق میں سب سے زائد جھوٹے ہیں۔ اور باوجود بکثرت ان لوگوں کا مشاہدہ کرنے کے ہم نے ان میں سے کبھی کسی کو سچ بولنے کی کوشش کرتے نہیں دیکھا سوائے دو شخصوں کے۔

خون پانی

پانی کو خون بنانے کے قصے میں ایک اور فضیحت و خرابی بھی ہے کہ وہ کھلا ہوا جھوٹ ہے وہ یہ کہ جس کلام کو یہ توریت سمجھتے ہیں اس میں تصریح ہے کہ "پھر آقا نے موسیٰ سے کہا کہ تم ہارون سے کہو کہ تم اپنے ہاتھ سے عصا کو مصر کے پانی پر اور نہروں وادیوں اور میدانوں اور اس کے باغوں پر پھیرو کہ وہ خون ہو جائے اور جو پانی مٹی اور لکڑی کے برتن میں ہے وہ بھی خون ہو جائے۔ موسیٰ و ہارون نے ویسا ہی کیا جیسا کہ ان کے آقا نے انھیں حکم دیا تھا۔ سرزمین مصر میں تمام پانی خون بن گیا۔ مصر کے ساحروں نے بھی اپنے منتروں سے ایسا ہی کیا۔ فرعون کا دل اور سخت ہو گیا اور اس نے موسیٰ و ہارون کی بات کسی حال میں نہ سنی۔ پھر فرعون واپس ہوا اپنے گھر میں چلا گیا اور اس طرف بھی اس نے اپنے قلب کو متوجہ نہ کیا۔ تمام مصریوں نے نہر کے اطراف میں کنویں کھود دے تاکہ ان سے پانی حاصل کریں اس لیے کہ وہ نہر کا پانی پینے پر قادر نہ تھے"۔

یہ ان کی کتاب کی نص ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر پانی جو مصر

میں تھا نہروں میں۔ وادیوں میں۔ میدانوں میں باغوں میں مٹی اور لکڑی کے برتنوں میں۔ غرض کہ سرزمین مصر میں جتنا اور جیسا پانی تھا سب کا سب خون بن گیا تھا۔ پھر وہ کونسا پانی باقی تھا کہ اُسے ساحروں نے خون بنا دیا جیسا کہ موسیٰ و ہارون نے بنایا تھا۔ ان جھوٹوں کی ذلت و رسوائی کے سوا اللہ کو بھی کچھ اور منظور نہیں ہے۔

۱۲۱

اگر وہ کہیں کہ ساحروں نے کنوؤں کا پانی بدلدیا تھا۔ یہاں تک کہ مصریوں نے نہر کے اطراف میں کنوئیں کھودے۔ تو ہم کہیں گے کہ قطعی پانی نہ رہنے پر لوگ کیسے زندہ رہے۔ کیا یہ ذلیل و مردود باتیں نہیں ہیں اور کیا یہ اب بھی پوشیدہ ہے کہ یہ یا تو کسی بیوقوف کی بنائی ہوئی ہیں اور یا کسی ذلیل بد دین شخص کی ہیں جو جھوٹ بولنے کی پروا نہیں کرتا۔ گمراہی سے خدا کی پناہ۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ فرعون سے کہیں کہ تیری کمائی جگہ پر جو زراعتی میدانوں میں ہے اور تیرے گھوڑوں گدھوں اونٹوں گایوں اور بکریوں پر سخت وبا کے ذریعے سے عنقریب میرا قبضہ ہوگا۔ "سید" اسے پورے ملک میں ظاہر کرے گا۔ "سید" نے دوسرے روز یہی کیا۔ مصریوں کے تمام جانور مر گئے اور بنی اسرائیل کے جانور نہیں مرے۔ فرعون کو بہت رنج ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کو (ترک وطن کی) اجازت نہ دی۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ مٹھی بھر بھٹی کی راکھ لیں اور اسے فرعون کے آگے آسمان کی طرف ڈال دیں کہ تمام سرزمین مصر میں غبار ہی غبار ہو جائے اور آدمیوں اور جانوروں کے پھوڑے پھنسیاں اور ورم پیدا ہو جائیں۔ موسیٰ نے کسی بھٹی سے راکھ لی اور فرعون کے آگے کھڑے ہو کر آسمان کی طرف پھینکدی۔ اُس سے آدمی اور جانوروں میں پھوڑے پیدا ہو گئے۔ ساحر موسیٰ کے قریب کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوئے اس لیے کہ انھیں بھی پھوڑوں کی تکلیف پہنچ چکی تھی۔ اور ایسا ہی

تمام ملک مصر اور ساحروں میں ہوا۔ پھر اللہ نے فرعون کا دل سخت کر دیا۔ اور "سید" نے موسیٰ و فرعون کو جو حکم دیا اس کو فرعون نے کسی حال میں نہ سنا۔

اس کے بعد کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ فرعون سے کہدیں کہ کل اسی وقت اس قدر زیادہ اولے برساؤں گا کہ جب سے مصر کی بنیاد رکھی گئی ہے اس وقت سے آج تک ایسے اولے نہ پڑے ہوں گے۔ لہذا تو اپنے جانور اور تمام اشیائے مملوکہ کو کھیتی والے میدان میں بھیجدے اور جمع کر دے۔ کیونکہ ہر وہ شے کہ کھیتی والے میدان میں ہو گی اسے اولے لگیں گے اور گھروں میں (اولے) نہیں جائیں گے۔ فرعون کی رعایا میں سے جو "سید" کی دھمکی (وعید) سے ڈرا اس نے اپنے غلام اور جانور گھروں میں داخل کر دیے۔ اور جس نے "سید" کی وعید کو لچر سمجھا اس نے اپنے غلام اور جانور کھیتی والے میدان میں رہنے دیے۔ "سید" نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنا ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاؤ کہ تمام سرزمین مصر میں اولے پڑیں۔ موسیٰ نے عصا کے ساتھ اپنا ہاتھ پھیلایا۔ "سید" گرج اور اور اولے لایا جو زمین پر بکھر رہے تھے۔ پھر "سید" نے تمام سرزمین مصر میں آگ ملے ہوئے اولے برسائے۔ جب سے یہ سرزمین آباد ہوئی اتنے بڑے اولے نہیں گرے تھے اولوں نے تمام سرزمین مصر کی ہر وہ شے جو میدانوں میں کھلی ہوئی تھی آدمی جانور دونوں کا غلہ چار اسپ ہلاک کر دیا اور اس کے تمام درختوں کو اکھاڑ دیا۔ اور سرزمین قوس میں جہاں بنی اسرائیل تھے وہاں ایک بھی اولہ نہیں گرا۔

سراسر بے فروغ

۱۴۲ اس دروغ بیفروغ پر غور کرو۔ پہلے تو یہ بیان کیا کہ موسیٰ وبا لائے اور انھوں نے اللہ کی طرف سے خبر دی کہ اس نے فرعون سے فرمایا کہ میں عنقریب تیری کمائی کا مقام جو میدانوں میں ہے اور تیرے گھوڑے گدھے اونٹ گائیں اور بکریاں سب ہلاک کر دوں گا۔ یہ سب لوگوں کو شامل ہے جو گھروں

یں داخل کیے گئے ہوں اور جو نہ داخل کیے گئے ہوں۔ اور ہر حیوان کی ہر ایک صنف کو شامل ہے۔

پھر خبر دی ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے اور بنی اسرائیل کا ایک جانور بھی نہیں مرا۔

پھر پھوڑے پھنسی کا حال بیان کیا ہے۔

پھر اولے کا واقعہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کو خدا کا خوف دلایا اور اُسے اپنے جانوروں کو گھروں یں داخل کرنے کا حکم دیا کہ اس یں سے جو چیز اولوں کو میدان یں ملے گی تباہ ہو جائے گی۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ فرعون اور اہل مصر کا کونسا جانور بچ گیا تھا۔ حالانکہ بیان کیا گیا ہے کہ وبا نے سب کو ہلاک کر دیا تھا۔ کہاں تھے اونٹ گدھے گھوڑے اور بکریاں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں؟

یہ ناممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ آخر یں بنی اسرائیل کے وہی جانور ہلاک ہو گئے جو شروع یں بچ گئے تھے۔ اس لیے کہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ سرزمین توس یں جہاں بنی اسرائیل کی سکونت تھی کوئی اولا نہیں گرا۔

ایک نشانی (معجزہ) اور دوسری نشانی یں خود اُن لوگوں کے اقرار کے مطابق اتنا وقت نہ تھا کہ جس یں دوسرے شہر سے ان لوگوں کے پاس جانوروں کا لانا ممکن ہو۔ اس لیے کہ ایک نشانی سے دوسری نشانی تک ایک یا دو دن یا اسی کے قریب وقفہ تھا۔ مصر کے علاقے بہت وسیع ہیں اور کوئی بستی اُس کے متصل نہیں ہے۔ بلکہ ہر طرف سے اُس کی انتہائی سمت اور اُس کی قریب ترین آبادی کے درمیان بھی بہت دنوں کی مسافت کا راستہ ہے۔ مثلاً شام اور مغربی شہر اور سرزمین لوبہ اور سودان اور افریقیہ۔ لہٰذا اُس کا کذب ظاہر ہو گیا جس نے یہ مبدل و محرف اور گھڑی ہوئی کتاب بنائی جس کو یہ لوگ توریت سمجھتے ہیں۔ اللہ اُس سے برتر ہے۔ اللہ کی بہت بہت حمد و شکر کہ اس نے اُن لوگوں کے سے عمل اور گمراہی سے محفوظ رکھا۔

مصر میں مدت سکونت یہود

اس کے بعد کہا ہے کہ ملک مصر میں بنی اسرائیل کا مسکن چار سو تیس[۴۳۰] برس تک رہا۔ جب یہ سال ختم ہو گئے تو اسی روز "سید" کی چھاؤنی ملک مصر سے نکل آئی۔

یہ زندگی بھر کی رسوائی اور ہمیشہ کی بدنامی اور بیٹھ توڑنے والی بات ہے۔ یہاں تو یہ کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا مسکن ملک مصر میں چار سو تیس[۴۳۰] برس رہا۔ حالانکہ اس کے قبل بیان کیا ہے کہ قاہاث بن لاوی اپنے دادا یعقوب اور اپنے والد لاوی اور اپنے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں کے ہمراہ مصر میں آئے۔ قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر ایک سو تینتیس[۱۳۳] برس کی تھی۔ عمران بن قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر ایک سو سینتیس[۱۳۷] برس کی تھی۔ موسیٰ بن عمران بن قاہاث بن لاوی مذکور کی عمر جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے اپنے ہمراہ لے گئے اسی[۸۰] برس کی تھی۔ یہ سب اسی کتاب میں منصوص و مصرح ہے جس کو یہ لوگ توریت سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔

غور کرو کہ جب قاہاث مصر میں آئے ایک مہینے کے یا اس سے کم کے تھے۔ ان کے بیٹے عمران ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ موسیٰ بن عمران بھی اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ ان سب کو جمع کیا جائے تو صرف تین سو پچاس[۳۵۰] برس سے زاید نہیں ہوتا۔ اب وہ اسی[۸۰] برس سے زاید نہیں ہوتا۔ اب وہ اسی برس کہاں گئے۔ جو چار سو تیس[۴۳۰] برس میں سے باقی رہتے ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہم اس مدت میں یوسف کے قیام مصر کی مدت کا بھی اضافہ کریں گے جو اپنے والد اور بھائیوں سے پہلے مصر آ گئے تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جب مصر میں آئے ہیں سترہ برس کے تھے۔ اور جب ان کے والد اور بھائی وہاں آئے ہیں وہ انتالیس[۳۹] برس کے تھے۔ تب ان کا قیام مصر میں اپنے والد اور بھائیوں سے پہلے بائیس[۲۲] برس ہوا۔ اس کو تین سو پچاس سے ملا لیا جائے تو سب کا مجموعہ بلاشک تین سو بہتر[۳۷۲]

ہوگا۔ اٹھاون سال جو چار سو تیس میں باقی رہیں گے وہ کہاں ہیں؟

۱۲۳ یہ ایسی بدنامی ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ ایسا جھوٹ ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ اور ایسا باطل ہے کہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ جس کے سر میں صحیح دماغ ہوگا وہ ہرگز اس کا معتقد نہیں ہوسکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک منٹ بھی جھوٹ بولے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی رسول عمداً یا سہواً ایک منٹ بھی جھوٹ بولے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ اس مدت میں سے قاہاث کا وہ سن نکالدیا جائے گا جب ان کے یہاں عمران پیدا ہوئے اور عمران کا وہ سن نکالدیا جائے گا جب ان کے یہاں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صحیح یہی ہے جو ان کی کتابوں کی نصوص و تصریحات سے نکلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی مدت جب سے یعقوب اور ان کے بیٹے مصر میں آئے اس وقت سے ان کے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے جانے تک صرف دو سو سترہ برس ہوئے۔ یہ دو سو سترہ برس (جو چار سو تیس برس میں سے باقی رہ جاتے ہیں) جھوٹ ہیں۔ اور اگر ان کی توریت میں صرف یہی ایک جھوٹ ہوتا تب بھی یہ اس امر کے ثبوت میں کافی ہوتا کہ یہ کسی ایسے شخص نے بنائی اور بدلی ہے جو اپنے جہل میں گدھے کی طرح ہے یا کوئی مسخرہ ہے جس نے ان سے تمسخر کیا ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

خدا کی تشبیہ

اس کے بعد کہا ہے کہ اس وقت موسیٰ و بنی اسرائیل اس شرف کی وجہ سے صاحب فضیلت ہوگئے۔ انھوں نے کہا کہ "سید" نے ہمیں بزرگی دی۔ کیونکہ وہی شرف و بزرگی دیتا ہے۔ میرے آقا کی مدح نے اور میری قوت نے گھوڑے اور اس کے سوار کو دریا میں غرق کردیا۔ میری یہ رہائی ہوگئی۔ میں اپنے اللہ کی بزرگی بیان کرتا ہوں اور اپنے والد کے معبود کی عظمت کرتا ہوں جو آقا ہے اور مثل قدرت والے آدمی کے قاتل ہے۔

سفر خامس میں ہے کہ تمھیں جاننا چاہیے کہ آقا (سید) تمھارا وہی معبود ہے جو ایک کھا جانے والی آگ ہے۔

یہ بھی ایک بدی ہے کہ اللہ عزوجل کو مرد تو انا سے تشبیہ دی جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ وہ آگ ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں۔

اللہ کا نور

بعض یہود نے کہا ہے کہ کیا تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ہے کہ "اللہ نور السموات والارض" (اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) میں نے کہا ہاں۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوذر نے پوچھا کہ کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے میں اسے دیکھتا ہوں۔ یا میں اُسے کیسے دیکھوں؟۔ یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ آپ نے دکھائی دینے والا نور مراد نہیں لیا (ورنہ ابوذر سے یہ فرماتے کہ وہ تمھیں بھی دکھائی دیتا ہے) بلکہ آپ نے وہ نور مراد لیا جو دکھائی نہیں دیتا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ایسا نور نہیں جس میں رنگ ہے اور وہ دکھائی دیتا ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ "نور السموات والارض" کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اہل آسمان وزمین کا ہادی ورہبر ہے۔ نور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح۔ المصباح فی زجاجۃ۔ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ۔ یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار۔ نور علی نور۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء"۔

(اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ چراغ شیشے میں ہے۔ شیشہ ایسا ہے جیسے چمکدار ستارہ جو روشن ہے زیتون کے بابرکت درخت سے جس کا رخ نہ مشرق

کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آگ بھی اس کے قریب نہ آئے تب بھی اس کا تیل روشن ہو جائے۔ وہ ایک نور بالائے نور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور تک پہنچا دیتا ہے)

اس نے اپنے نور کو (جس سے وہ اپنے اولیاء کی رہنمائی کرتا ہے) ایک ایسے چراغ سے تشبیہ دی جس کا اس نے ذکر کیا۔ اس نے ایک مخلوق (نور) کو ایک مخلوق (چراغ) سے تشبیہ دی ہے۔ اس کا بیان خود اسی کا کلام ہے جو اسی آیت میں کلام مذکور کے متصل ہے "نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء" وہ نور بالائے نور ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور تک پہنچا دیتا ہے۔

ہم نے جو کہا وہ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے محض مومنین کا ہدایت کرنا مراد لیا ہے۔ اور یہ صحیح ترین تشبیہ ہے جو ہو سکتی ہے اس لیے کہ اس کا نور ہدایت ظلمت کفر میں ایسا ہی ہے جیسے چراغ ظلمت شب میں۔

مَن و سلویٰ

پھر اس "من" (ترنجبین) کی تعریف کی ہے جو آسمان سے ان لوگوں پر اترتا تھا اور کہا ہے کہ وہ سفید تھا جو دھنیا (کشنیز) کے مشابہ تھا اور اس کا ذائقہ چپڑی روٹی کا سا تھا۔ پھر سفر رابع میں کہا ہے کہ من دھنیے کے مشابہ تھا۔ اور اس کا رنگ مائل بہ زردی تھا اور ذائقہ زیتون کی روغنی روٹی کا سا تھا۔

یہ رنگ و مزہ اور صفت میں اختلاف و تناقض ہے اور بلاشک ایک صفت دوسری کی تکذیب کرتی ہے۔

عقیدۂ تجسیم کی جھلک

اس کے بعد کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب لوگوں نے مجھے آسمان میں دیکھ لیا۔ بس اب میرے ساتھ چاندی کو معبود نہ بنانا۔

اس کے بعد کہا ہے کہ پھر موسیٰ و ہارون۔ وناداب و ابیہو اور ستّر مشائخ (طور پر) چڑھے اور انھوں نے اسرائیل (یعقوب) کے خدا کو دیکھا۔

جس کی یہ شان تھی کہ اُس کے قدموں کے نیچے ایک اینٹ سی تھی جو فیروزی زمرد کی تھی اور ایسی صاف جیسے آسمان ہوتا ہے۔ پروردگار نے اپنا ہاتھ بنی اسرائیل کے اُن منتخب لوگوں کی طرف نہیں بڑھایا جنھوں نے اللہ کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔ ۱۲۴

اسی کے قریب کہا ہے کہ "سید" کی عظمت کا منظر جیسے پہاڑ کی چوٹی پر کھانے والی آگ ہوتی ہے۔ جس کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت دیکھ رہی تھی۔

بلاشک یہ تجسیم (یعنی خدا کو جسم والا بنانا) ہے اور (مخلوق کے ساتھ) تشبیہ ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔

یہ ایسا نہیں ہے جیسا اللہ کا یہ کلام ہے "وجاء ربک والملک صفا صفا" (اور آپ کا پروردگار آئے گا اور فرشتے صف بصف ہوں گے (یعنی قیامت میں)۔

اور نہ یہ اس کلام الہٰی کے مشابہ ہے "الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملئکۃ" (مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بادلوں کے سایوں میں ان کے پاس آجائیں (تب یہ حق کو قبول کریں گے)۔

اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مثل ہے "ینزل اللہ تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ فی ثلث اللیل الباقی الی سماء الدنیا"

(اللہ تبارک وتعالیٰ ہر شب کو بقیہ تہائی رات میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے)۔

یہ تمام الفاظ تاویل کے تکلف کے بغیر اپنے ظاہر پر ہیں۔ یہ محض اللہ عزوجل کے افعال ہیں جن کو وہ کرتا ہے، جن کا نام مجئ و اتیان و تنزل (یعنی آنا۔ آنا۔ اور اترنا) ہے (لیکن ان افعال کی وہ کیفیت نہیں ہے جو بشر کے افعال کی ہوتی ہے)۔

نہ یہ قول یہود اللہ کے اس کلام کے مثل ہے "ید اللہ فوق ایدیھم"

(اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر تھا) اور" ویبقی وجہ ربک" (اور آپ کے رب کا منہ باقی رہے گا) اور اسی قسم کے جتنے الفاظ قرآن مجید میں ہیں یہ سب اعضاء کے معنی میں نہیں ہیں لیکن انھیں طریقوں پر ہیں جو لغت میں ہیں۔ ہم نے کسی دوسرے مقام پر اس کو بیان بھی کیا ہے۔

اس میں قابل اعتماد امر یہ ہے کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہیں اور ان میں سے قطعاً کسی کی برابری کا قصد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ قول جو ہم نے بیان کیا اس قول کے ساتھ جو توریت کے سفر خامس میں ہے کیونکر جمع ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ" اللہ تعالیٰ نے شعلے کے درمیان سے تم لوگوں سے کلام کیا اور تم نے اس کی آواز سنی اور اُس کی شخصیت کو نہیں دیکھا" یہ دو جملے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کی تردید و تکذیب کرتا ہے۔

گوسالۂ ہارون

اس کے بعد کہا ہے کہ پھر جب موسیٰ نے (طور پر) دیر لگائی بنی اسرائیل ہارون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اُٹھیے اور ہمارے لیے خدا بنا دیجیے کہ وہ ہمارا پیشوا ہو۔ کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ پر جو ہمیں مصر سے لائے تھے کیا مصیبت آگئی۔ ہارون نے اُن سے کہا کہ اپنی بیویوں بیٹوں اور بٹیوں کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار کر مجھے دو۔ اُن لوگوں نے ہارون کے حکم سے یہی کیا اور بالیاں ان کے پاس لے آئے جب ہارون نے ان پر قبضہ کیا تو انھیں گلا ڈالا اور ان کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا اور کہا کہ اے بنی اسرائیل یہی تمھارا وہ خدا ہے جس نے تمھیں مصر سے نکالا ہے۔ جب ہارون نے بچھڑے کو دیکھا تو اُس کے آگے ایک مذبح (قربانی کا مقام) بنا یا۔ اور لوگوں کو سنا کر اعلان کیا کہ کل آقا کی عید ہے۔ جب لوگ صبح کو اُٹھے تو انھوں نے اس (بچھڑے) پر قربانیاں چڑھائیں اور اس کے آگے تحائف پیش کیے۔ اور عام لوگ کھانے پینے بیٹھ گئے۔ اور کھیل کود کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد (طور پر سے) موسیٰ کا آنا بیان کیا ہے کہ جب وہ چھاؤنی کے قریب پہنچے تو انھوں نے بچھڑے کو دیکھا اور لوگوں کو گاتے بجاتے سنا۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ انھوں نے ہارون سے کہا کہ تمھارے ساتھ اس امت نے کیا کیا تھا کہ تم سب اتنا بڑا گناہ کرنے لگے۔ ہارون نے کہا کہ میرے سردار مجھ پر ناراض نہ ہوجیے کیونکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ اس امت کو شر سے کیسی دلچسپی ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ہمارے لیے ایک خدا بنا دیجئے جو ہمارا پیشوا بنے اس لیے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ موسیٰ پر جو ہمیں مصر سے لائے تھے کیا مصیبت آئی۔ میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ تم میں سے جس کے پاس سونا ہو وہ میرے پاس لے آئے۔ میں نے اس سونے کو آگ میں ڈالدیا اور اس سے اُن کے لیے یہ بچھڑا نکل آیا۔ جب موسیٰ نے اپنی قوم کو برہنہ دیکھا اور ہارون نے اپنی جہالت تقلب سے اُن سب کو برہنہ کیا تھا۔ اور اُن سب کو اُن کے دشمنوں کے روبرو برہنہ کردیا تھا۔

اس فصل نے تو ماقبل کے مضامین کو بھی مات کردیا اور سب پر خاک ڈالدی۔ کہ ہارون جو نبی مرسل ہیں وہ عمداً اپنی قوم کے لیے ایک خدا بناتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں اور اس پر اعلان کرتے ہیں کہ کل اس آقا کی عید ہوگی۔ بچھڑے کے لیے مذبح بناتے ہیں اور قربانی کی تقریب میں اُن سب کی مدد کرتے ہیں۔ پھر انھیں برہنہ کرتے ہیں اور بچھڑے کے سامنے ناچنے گانے کے لیے اُن کے سُرین کھلواتے ہیں اور سوائے اس کے کہ وہ سرین جو سب سے زائد مستحق تھے وہ بھی کھولے گئے ہوں گے۔ ۱۲۵

بلاشک یہ نہایت عجیب ہے کہ ایک نبی مرسل کافر مشرک ہو جو اپنی قوم کے لیے اللہ کے سوا خدا بنائے۔

یا یہ ہوا ہو کہ بچھڑا خود بخود ظاہر ہوگیا ہو بغیر اس کے کہ ہارون

اُس کے بنانے کا قصد کریں۔

تب تو واللہ یہ بھی موسیٰ کے معجزات ہی کی طرح ایک معجزہ ہے اور کوئی فرق نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ گمراہی وفریب دہی ہے۔ دشواری میں ڈالنا اور فریب دینا اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر موسیٰ اس ملعون بچھڑے کے عبادت گذار سے زیادہ مستحق تصدیق ہرگز نہیں ہو سکتے۔

کیا تم دیکھتے ہو کہ اس کمینے نے جس نے اُن لوگوں کے لیے یہ خرافات تیار کی ہیں انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے کے بعد وہ توہین کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری وبرتر ہے۔

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اس شخص کی حماقت کے بعد جو اس پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کے رسول وکلیم موسیٰ کے پاس سے ہے کہ یہ احمقانہ باتیں اللہ کی طرف سے ہوں گی۔ ہم عافیت پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔

کہاں یہ بیہودہ بکواس اور بنایا ہوا جھوٹ اور کہاں وہ نورحق (قرآن) جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی طرف سے لائے جس کی صحت وحقانیت کی عقل شہادت دیتی ہے جو خود اس قصے میں وہ بات فرماتا ہے جس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

"واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم عجلا جسد الہ خوار الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا اتخذوہ وکانوا ظالمین۔

(موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اُن کی امت نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا جو ایک آواز والا جسم تھا۔ کیا ان لوگوں نے یہ غور نہ کیا کہ نہ تو وہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ وہ انہیں راہ بتاتا ہے۔ انھوں نے اُسے بنایا اور وہ لوگ ظالم تھے)۔

کلام باری ہے کہ "فکذالک القی السامری فاخرج لھم عجلا جسد الہ خوار فقالوا ھذا الٰھکم والہ موسی فنسی افلا یرون

الا یرجع الیهم قولا ولا یملک لهم ضرا ولا نفعا ولقد قال لهم هارون من قبل یاقوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمن فاتبعونی واطیعوا امری قالوا لن نبرح علیه عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ قال یاهارون ما منعک اذ رأیتهم ضلوا ان لا تتبعن فعصیت امری قال یا ابن أمّ لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی"

(سامری نے اسی طرح سکھایا اور ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا جو ایک آواز دار جسم تھا پھر ان لوگوں نے کہا کہ یہی تمھارا اور موسیٰ کا خدا ہے مگر موسیٰ بھول گئے۔ کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ انھیں ان کی بات کا جواب نہیں دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع و ضرر کا مالک تھا۔ اور نہ ہارون نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا کہ اے میری قوم تم لوگ اس بچھڑے کے فتنے میں پڑ گئے حالانکہ تمھارا رب تو وہی رحمٰن ہے لہٰذا میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو برابر اسی کے مجاور بنے رہیں گے تاوقتیکہ موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں (جب موسیٰ آئے تو) انھوں نے کہا کہ اے ہارون جب کہ تم نے ان لوگوں کو گمراہ ہوتے دیکھا تو تمھیں کس امر نے میرے پاس آنے سے روکا۔ کیا تم نے میری نافرمانی کی۔ ؟ ہارون نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے میرے سر اور ڈاڑھی کو نہ پکڑو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل کے فرقے بنا دیے اور میری بات کا انتظار نہ کیا (یعنی میں اگر منع کرتا تو بنی اسرائیل میں دو گروہ ہو جاتے ایک وہ جو میری بات مانتا اور ایک وہ جو میری مخالفت کرتا)

ہارون کا یہ کہنا کہ "یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی" (اے میری ماں کے بیٹے یہ قوم مجھے کمزور سمجھتی تھی اور مجھے قتل کیے ڈالتی تھی)۔ حقیقتاً یہ صدق ہے۔

ان لوگوں کے لیے بچھڑا سامری ہی نے بنایا جو کافر و گمراہ تھا۔

ہارون نے اپنے مقدور بھر انھیں اس سے منع کیا۔ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور انھیں قتل کیے ڈالتے تھے۔ دو آنکھ والے کے لیے صبح نمودار ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا صدق واضح ہوگیا جس نے ان تہمت لگانے والوں کی تکذیب کردی۔

بچھڑے کی آواز کے متعلق ابن عباس کی صحیح روایت میں ہے جس کے سوا اور کوئی بات ممکن بھی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ وہ محض ایک ہوا کی آواز تھی جو اس کے آگے سے اندر جاتی تھی اور پیچھے سے نکلتی تھی۔ یہی حق بھی ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ "لا یکلمہم" وہ لوگوں سے بات نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ خود اپنی فطرت سے آواز نکالتا یا بولتا تو یہ بھی ایک قسم کا کلام ہی ہوتا اور پھر اس میں حیات بھی ہوتی اور یہ محال ہے۔ کیونکہ غیر نبی کے لیے نہ تو معجزہ ممکن ہے اور نہ کسی شے کی فطرت کا بدلنا۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

مظہر العجائب

انھیں فصول کے درمیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ سے فرمایا کہ مجھے ان لوگوں پر غضب کرنے دو۔ انھیں ہلاک کرنے دو اور میں تمھیں ایک بہت بڑی امت کا پیشوا بناؤں گا۔ موسیٰ نے اس کی خواہش ظاہر کی۔ اور عرض کیا کہ آپ کو اپنے بندے ابراہیم و اسرائیل (یعقوب) و اسحاق یاد ہیں جن کو آپ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان سے فرمایا کہ تمھارے خاندان کو اتنا بڑھاؤں گا کہ وہ مثل آسمان کے ستاروں کے ہوجائیں گے۔ اور انھیں اس تمام زمین کا وارث بناؤں گا جس کا میں نے ان سے وعدہ کیا ہے اور وہ اس کے مالک ہوں گے۔ پھر آقا (اللہ) گنگنایا اور موسیٰ کی امت پر جو مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا۔

ملک حاضر، حکومت غائب

اس فصل میں بھی عجائب ہیں۔

اول تو اس کا یہ خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی امت پر

جو مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا اُسے پورا نہیں کیا۔ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی قوم کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا وعدہ چند امور میں اُن سے پہلے ہو چکا تھا اور اُسے اس نے بعد میں پورا نہ کیا۔ اللہ اس سے بعید ہے کہ وہ وعدہ خلافی کرے اور کذب کا ارادہ کرے۔

۱۲۶

دوئم ان کا بداء کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کرنا ہے جس سے اللہ بری ہے۔ اور اس کے بعد ان میں جو لوگ منکر نسخ ہیں اُن پر تعجب ہے۔ اس لیے کہ نسخ میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کے افعال میں سے ایک فعل ہے جسے وہ اپنے افعال میں سے ایک فعل کے بعد کرتا ہے جو پہلے سے اس کے علم میں ہوتا ہے کہ وہ اس طرح ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے جتنے افعال اس عالم میں ہیں اُن سب کی یہی صفت ہے۔ مگر بداء اُن لوگوں کی صفات میں سے ہے جو پہلے کسی چیز کا وہم (خیال) کرتا ہے پھر اُسے کوئی دوسری چیز مناسب معلوم ہوتی ہے اور یہ مخلوقین کی صفت ہے۔ یہ اس کی صفت نہیں ہے جو ازلی ہے جس پر وہ شے بھی پوشیدہ نہیں ہے جو وہ مستقبل میں کرتا ہے۔

سوم اُسی میں اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ لوگ تمام زمین کے مالک ہوں گے۔ اور یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ وہ لوگ صرف تھوڑی مدت کے لیے اس کے مالک ہوئے۔ پھر ہمیشہ کے لیے اُس سے نکال دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نہ جھوٹ بولتا ہے نہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔

اسے کیا کہتے ہیں؟

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا کہ اس مقام سے اس زمین کی طرف تم بھی جاؤ اور اپنی امت کو بھی لے جاؤ جس کی تقسیم کا میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ کیا تھا کہ میں اُن کی نسل کو اس کا وارث ضرور بناؤں گا۔ اے موسیٰ تمھارے سامنے ہی میں کنعانین۔ اموریین۔ حتیین۔ فرزیین۔ حویین۔ اور یوسیین کے نکالنے کے لیے

ایک فرشتہ بھیجوں گا۔ تم ایسے ملک میں داخل ہوگے جس میں دودھ اور شہد پر قبضہ کروگے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ (اس مقام میں) نہ اتروں گا کیونکہ تم لوگ سخت گردن والے گروہ ہو۔ فرشتہ اس لیے بھیجوں گا) تاکہ یہ امت راستے میں ہلاک نہ ہو جائے (اور منزل مقصود تک پہنچ جائے)۔
جب عام لوگوں نے یہ سخت وعید (دھمکی) سنی تو تعجب کیا۔ اور انھوں نے زینت اختیار نہیں کی آقا نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہو کہ تم وہ امت ہو کہ تمھاری گردنیں سخت ہیں۔ میں ایک مرتبہ تم پر اتروں گا اور تمھیں ہلاک کروں گا۔ اپنی زینت کم کردو۔ کہ میں بتاؤں کہ میں تمھارے ساتھ کیا کروں گا۔

اس سے چند فصول کے بعد کہا ہے کہ موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے میرے آقا اگر تو مجھ سے راضی ہے تو میں تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ تو ہمارے ساتھ چل۔

اس کے بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ میں خود تمھارے سامنے نکلوں گا۔

اس فصل میں دو جھوٹ ہیں اور ایک مانی ہوئی تشبیہ ایک جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ موسیٰ کے سامنے دشمنوں کے نکالنے کے لیے فرشتہ بھیجے گا۔ اور اللہ تعالیٰ خود اُن لوگوں کے ساتھ نہیں اترے گا۔ اس کے بعد اُن کے ساتھ اترا۔ یہ وہ جھوٹ ہے جس سے کوئی راہِ نجات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے اور وہ اس سے بعید ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں یہ کروں گا اور پھر نہ کرے۔ یہ کہے کہ میں نہ کروں گا اور پھر کرے۔

دوسرا جھوٹ اس کا یہ کہنا ہے کہ میں ایک مرتبہ تم پر اتروں گا اور تمھیں ہلاک کروں گا پھر اُس نے یہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بعید ہے۔

تشبیہ محقق یہ ہے کہ اس کا خود اترنے سے باز رہنا پھر اس کا

اُن کی مدد کے لیے کسی فرشتے کے بھیجنے پر کفایت کرنا ہے۔ اس کے بعد اُن کے ساتھ اترنے کو قبول و منظور کر لینا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں اس کی بھی گنجایش نہیں۔

حدیث تنزیل (یعنی اس کے اترنے کا مطلب) تو یہ ہے کہ یہ بھی اس کے افعال میں سے ایک فعل ہے (جس کی کیفیت ہم لوگ نہیں جانتے اور نہ اس کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں) اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو عالم میں جو قوی ترین چیز پائی جاتی وہ فرشتے کا بھیجنا ہی ہوتا۔ مگر جب یہ باطل ہے تو یہ ثابت ہو گیا کہ یہ لامحالہ اترنا اور منتقل ہونا ہی ہے۔

لن ترانی کی کہانی

انھیں فصول کے درمیان میں کہا ہے کہ "آقا موسیٰ سے روبرو ہو کر بات کرتا تھا۔ مگر منہ سے نہیں جس طرح ایک شخص اپنے دوست سے بات کرتا ہے۔ موسیٰ نے اللہ سے خواہش کی کہ وہ اُسے دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیا کہ میں تمھیں آغوش میں داخل کر لوں گا اور اپنے داھنے ہاتھ سے تمھاری حفاظت کروں گا یہاں تک کہ میں گذر جاؤں پھر میں اپنا ہاتھ اُٹھاؤں گا اور تم میرے پیچھے دیکھ لینا اس لیے کہ تم میرا چہرہ نہ دیکھ سکو گے۔"

ان دونوں فصلوں میں نہایت خراب و بدترین تشبیہ ہے کہ سوائے چہرے کے اللہ کے لیے دوسری چیزیں ثابت کی گئی ہیں، اور اس عیب سے رہائی نہیں ہو سکتی۔

لاولد مر جائیں گے

سفر ثالث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان (موسیٰ) سے فرمایا کہ جو شخص اپنی چچی یا ممانی کے ساتھ ہمبستری کرے یا اپنی بیٹی کا ستر کھولے تو یہ دونوں کے دونوں اپنے گناہوں کے متحمل ہوں گے اور بغیر اولاد کے مر جائیں گے۔"

مالا یطاق

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہود کے مقابلے میں اُن کی توریت سے

کوئی ایسا کلام نہیں لائیں گے جس کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ کیونکہ معترض کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ اللہ نے اس سے جو بھی مراد لیا ہو وہ درست ہے۔

لیکن یہ وہ مقام ہے کہ اس میں ہم سے وعدہ خلافی نہیں ہوئی ہے اس لیے کہ یہ شریعت ہے جو لازم کی گئی ہے اور جس کی تکلیف دی گئی ہے۔ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو کسی ایسے عمل کی تکلیف دے جس کو وہ سمجھ نہ سکیں اور نہ اس کے متعلق حکم ان کی عقل میں آئے۔

اِدّعائے محال

سفرِ رابع میں بیان کیا گیا ہے کہ مصر سے نکلنے والے اُن خاص بنی اسرائیل کی تعداد جو جنگ پر قادر ہوں گے جن کی عمر بیس سال یا زیادہ کی ہوگی چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس (۶۰۳۵۵۰) ہوگی۔ اس تعداد میں عورتیں اور وہ سب لوگ داخل نہیں ہیں جن کی عمر بیس سال سے کم ہے یا جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد جب یہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے۔ چھ لاکھ ایک ہزار سات سو تیس (۶۰۱۷۳۰) تھی۔ اُن میں یہ لوگ شمار نہیں کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی۔ غنیمت میں ملی ہوئی ان لوگوں پر اور عورتوں پر نیز ان لوگوں پر جن کی عمر بیس سال سے کم تھی تقسیم کر دی گئی۔

یہود کی کتابوں میں ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کا شمار کیا تو انھوں نے صرف یہوذا کی اولاد میں پانچ لاکھ جنگ جو پائے۔ بقیہ نو اسباط (خاندان یعقوب) میں "سوائے بنی لاوی و بنی بینامین کے کہ ان دونوں کا شمار نہیں کیا" نو لاکھ ستر ہزار (۹۷۰۰۰۰) جنگجو تھے جس میں اور یہ بھی عورتوں اور ان بچوں بوڑھوں اور معذوروں کے جو جنگ پر قادر نہ تھے علاوہ تھے۔ یہ سب لوگ صرف فلسطین اردن اور غور کے علاقے میں تھے۔ شہر مذکور جیسا کہ تھا اُسی حالت پر رہے۔ نہ اُس میں کوئی کمی ہوئی نہ بیشی۔

نیز انھیں کی کتابوں میں ہے کہ ابن یربعان بن سلیمان بن داؤد کے دو بیٹوں نے بنی اسرائیل کے دس اسباط (خاندانوں) میں سے پانچ لاکھ مردوں کو قتل کر دیا۔ اور ایک بیٹے نے باون ہزار سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔

حقیقت حال

شہر مذکور اب بھی باقی ہے۔ اس کی زمین نہ بڑھی ہے نہ گھٹی ہے۔ اُن لوگوں کے اقرار کے مطابق جنوب میں اس کی حد پر غزہ وعسقلان ورجح اور شراۃ کے پہاڑوں کے راستے ہیں جو عیسو کا شہر ہیں۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ ان شہروں میں سے کبھی کسی ایک گاؤں یا اس سے کم کے بھی مالک نہیں ہوئے۔ اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہا تک کبھی کبھی وہ بنی اسرائیل کی طرف سے اور بارہا بنی اسرائیل کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ اس شہر کی حد بحر شام کے قریب ہے۔ شمال میں اس کی حد صور وصیدا اور دمشق کے وہ علاقے ہیں جن کے متعلق ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ اُن میں سے کبھی ایک بیج گارڈنے بھر کی جگہ کے بھی مالک نہیں ہوئے۔ اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہا تک برابر ان سے جنگ کرتے رہے۔ کبھی یہ اُن پر غالب آتے تھے اور کبھی وہ اِن پر۔ اکثر جنگوں میں وہ لوگ بنی اسرائیل کے بادشاہ ہو جاتے تھے اور انھیں بدترین عذاب کا مزہ چکھاتے تھے۔ اور کبھی بنی اسرائیل صرف اُن کی سلطنت سے باہر ہو جاتے تھے۔ شہر مذکور کی مشرقی حد مواب کے شہر ہیں اور عمون اور اس صحرائے عرب کا ایک قطعہ ہے جو دشت اور ریگزار ہے۔

اس میں بھی اختلاف نہیں کہ ان کی توریت کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و بنی اسرائیل سے کہا کہ یہانتک تم بنی عیسو و بنی مواب و بنی عمران سے جنگ نہ کرنا کیونکہ میں تمھیں اُن کے شہروں میں سے ایک قدم رکھنے بھر جگہ یا اس سے بھی کم کا مالک و وارث نہیں بناؤں گا۔

اس لیے کہ میں نے عیسو و بنی لوط کے درمیان اس کی میراث رکھدی ہے۔ جیسا کہ میں نے بنی اسرائیل کو اس مقام کا وارث کردیا ہے جس کا میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا" حالانکہ یہ لوگ اپنی ابتدائے سلطنت سے انتہائے سلطنت تک اُن سے جنگ کرتے رہے۔ کبھی بنی عمون و بنی مواب ان کے بادشاہ و مالک ہو جاتے تھے اور کبھی یہ لوگ صرف اُن کی غلامی سے نکل آتے تھے۔

اسرائیلی رقبۂ حکومت کی پیمایش

یہودی شہروں کا طول محققین کی پیدایش کے مطابق عقبہ ایق سے "جو دمشق سے چھ میل ہے" طبریہ تک آٹھ میل ہے۔ جبل افرایم سے کوہ طور تک بارہ میل ہے اور مجون تک بھی بارہ میل ہے۔ دونوں پہاڑوں کے پاس اردن کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور فلسطین کا علاقہ شروع ہونے میں ایک میل رہ جاتا ہے۔ رملہ تک تقریباً چالیس میل ہے۔ عسقلان تک اٹھارہ میل ہے۔ رملہ وہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سب تہتر میل ہوا۔ اس کی چوڑائی بحر شام سے اول علاقۂ کوہ شراۃ اور اول علاقۂ مواب اور اول علاقۂ عمان تک تقریباً اتنی ہی ہے۔ شرقی اردن کا ایک چھوٹا سا علاقہ جس کا نام غور ہے اور جس میں شہر بیسان ہے وہ بھی تیس میل لمبا اور تیس میل چوڑا ہوگا۔ اس سے زیادہ نہ ہوگا یہ علاقہ جو مشرقی اردن میں تھا ان لوگوں کے گمان کے مطابق بنی روابین و بنی جادا کا اور نصف بنی منسا بن یوسف علیہ السلام کا تھا۔ اس لیے کہ یہ مویشی چرائے جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ گائے اور بکری والے تھے۔ لہذا اس ذلیل جھوٹ سے تعجب کرو۔ ۱۲۸

یہ محال و ممتنع ہے کہ جو مسافت (و پیمایش) بیان کی گئی اس کی زمین ایسی تعداد پر تقسیم کی جا سکے جو ان میں سے خاص طور پر بیس یا زیادہ کی اولاد ہوں جو چھ لاکھ سے زائد ہوں تو پھر وہ کہاں رہے جو بیس کے علاوہ تھے۔ اور عورتیں کہاں رہیں۔ حالانکہ اُن کے دعوے کے مطابق

سب نے زمین مذکورہ میں سے اپنا حصہ لیا کہ وہ اس کی زراعت اور پیداوار سے زندگی بسر کریں۔
یہ قطعاً ناممکن ہے کہ پیمائش مذکورہ اس طور پر ہو کہ ہر گاؤں کی اور اس کے کھیتوں اور باغوں کی پیمائش ایک میل سے ایک میل ہو۔ بجز اس کے کہ چھ لاکھ دو سو گاؤں ہوں (اس طرح کی تقسیم نہیں ہو سکتی)۔ یہ بھی اس وقت ہے کہ جب پورا علاقہ آباد ہو، متصل ہو، جس میں نہ کوئی چراگاہ ہو، نہ درخت ہو، نہ کوئی زمین پتھریلی ہو جو آباد نہ کی جا سکے، نہ کوئی زمین ریتلی ہو کہ آباد نہ ہو سکے، اور نہ کوئی زمین شور اور کھاری ہو کہ اس کی آبادی میں دشواری ہو۔ اور ایسا ہونا محال ہے۔
اس بنا پر ہر گاؤں کے لیے سو مرد یا تقریباً اتنے ہی پڑتے ہیں۔ اور یہ بھی وہ ہیں جو بیس کے علاوہ نہیں ہیں اور نہ وہ عورتیں ہیں لہذا قطعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس میں اپنی معاش پا سکیں۔ یہ ایسا کذب ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے خاصکر جب ان میں جنگجوؤں کی تعداد دس لاکھ پانچ سو ہو۔ اور نا قابل جنگ لوگ اور عورتیں ان کے علاوہ ہوں۔
اس جھوٹ کا اللہ کے سچے قول سے جو کلام الٰہی میں ہے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قصے میں بیان فرمایا ہے کہ جب اس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو کہا کہ "ان ھؤلاء لشرذمۃ قلیلون" (بیشک یہ لوگ چھوٹا سا گروہ ہیں)۔ یہ وہ بات ہے کہ اس کے سوا ناممکن ہے اور اس کے علاوہ قطعاً محال ہے۔
ایک دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ انھوں نے کتاب یوشع میں بیان کیا ہے کہ شہر مذکور میں بہت سی آبادیاں تھیں۔ جن میں سے بنی یہوذا کے حصے میں ایک سو چار بستیاں تھیں اور بنی شمعون کے حصے میں سترہ اور بنیامین کے حصے میں اٹھائیس اور بنی زبلون کے حصے میں بارہ اور بنی نفتالی کے حصے میں انیس اور بنی دان کے حصے میں

اٹھارہ[۸] بستیاں تھیں۔ یہ سب ایک سو اٹھانوے بستیاں ہوئیں کتاب مذکور میں ہے کہ یہ بستیاں اُن گاؤں کے علاوہ تھیں جن کا شمار سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں کر سکتا۔

اسی کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ نصف بنی منشا بن یوسف کے حصے میں مشرقی اردن میں باشان اور اس کا علاقہ تھا۔ اُن کی محفوظ بستیوں کی تعداد ساٹھ تھی جو اُن گاؤں کے علاوہ تھی جن کی تعداد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

مذکورۂ بالا بستیوں کی مجموعی تعداد دوسو اٹھاون[۲۵۸] تھی بنی رُوابین کی بستیوں کی کوئی تعداد بیان نہیں کی، نہ بنی عاد کی بستیوں کی، نہ نصف بنی منشا کی جو مغربی اردن میں رہتے تھے اور نہ بنی افرایم کی۔ وہ اسباط جن کی تعداد بیان نہیں کی گئی، جیسا کہ ان کی توریت کا مقتضا ہے، کل بنی اسرائیل کے چہارم ہوں گے، اس حساب سے اُن کے حصے میں تقریباً سو شہر پڑتے ہیں جب اس کو اس عدد سے ملایا جائے جو ہم نے بیان کیا تو سب کی میزان تقریباً چار سو بستیوں کے قریب ہوتی ہے۔ اس ننگ و عار کی بات پر تعجب کرو کہ وہ زمین جس کی پیمائش ہم نے بیان کی باوجود اپنی قلت و کوتاہی کے ایسی ہو کہ اس میں یہ بستیاں ہو سکیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ سبط بنی منشا جو مشرقی اردن میں رہتے تھے اور جن کے حصے میں ساٹھ بستیاں تھیں اُن کی تعداد صرف سپاہیوں کی چھبیس[۲۶] ہزار تھی جن میں کوئی بیس سال سے کم نہ تھا۔ یہ علاقہ آج بھی باقی ہے شاید بارہ میل سے بارہ میل ہو گا۔ میں نے اس سے زیادہ بے حیا نہیں دیکھا جس نے ان لوگوں کے لیے یہ رذیل کتابیں لکھیں اور ان لوگوں کے چہروں میں سیاہی لگائی۔ نعوذ باللہ من الضلال۔

۱۲۹

تورات کے مفتریات

دروغ گورا حافظہ نباشد

اسی فصل کے متصل ایک دوسری فصل ہے جو شہرت کذب وخرابی محال اور کھلی ہوئی بناوٹ اور بری ایجاد میں اس سے بھی بدتر ہے،

سفر ثانی کے شروع میں جہاں بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلنے کا تذکرہ کیا ہے وہیں بیان کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے تیرہ مہینے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان کی مردم شماری کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام قبائل کا شمار کیا"

پھر کہا ہے کہ "اپنے اپنے قبائل میں یہ لوگ اپنے اپنے گھر کے بڑے تھے۔ حنوک۔ فلو۔ حصرون وکرمی۔ اور یہ سب لوگ بنی روابین ہیں اور روابین یعقوب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اور روابین کے یہی (چار) قبائل تھے"

سفر رابع کے شروع میں بیان کیا ہے کہ "ان میں سب سے مقدم یصور بن شدیئور تھا اور ان کے مردوں کی تعداد چھیالیس ہزار تھی۔ جن میں وہ لوگ شمار نہیں کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور نہ وہ شمار کیے گئے جن میں جنگی طاقت نہ تھی"

سفر ثانی کے شروع میں بیان کیا ہے کہ "بنی شمعون ویموئیل۔ یامین اوہد۔ یاکین۔ صوحر۔ اور شاؤل بن الکنعانیہ تھے۔ اور یہی شمعون کے قبائل تھے"

سفر رابع کے شروع میں بیان کیا ہے کہ "ان میں سب سے مقدم

شلومئیل بن صوریشدائی تھا۔ اور ان کے مردوں کی تعداد انسٹھ ہزار تھی۔ جن میں نہ تو وہ لوگ شمار کیے گئے جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور نہ وہ شمار کیے گئے جن میں جنگی طاقت نہ تھی۔"

سفر ثانی کے شروع میں کہا ہے کہ بنی لاوی کا یہ تعین و شمار ہے جن کے قبائل میں جرشون و قہاث و مراری اور جرشون کے دو بیٹے لبنی و شمعی اپنے قبائل میں تھے۔ اور بنی قہاث یہ تھے عمرام۔ یصہار۔ حبرون۔ عزیئیل اور مراری کے دو بیٹے محلی و موشی۔ بنی لاوی کے یہی انساب اپنے قبائل میں تھے۔ عمران نے اپنی پھوپی یوکابد سے شادی کی اور ان سے ان کے یہاں موسیٰ و ہارون پیدا ہوئے۔ اور بنی یصہار یہ تھے۔ قورح۔ نافج۔ ذکری۔ اور بنی قورح یہ تھے۔ اشیر۔ القانۃ و ابیاساف۔ اور بنی عزیئیل یہ تھے۔ میشائیل۔ صافان۔ ستری۔ ہارون نے لیشابع بنت عمینا داب خواہر نحشون سے شادی کی۔ اور ان سے ان کے یہاں ناداب۔ ابیہوا۔ عازار و ایثامار پیدا ہوئے۔ پھر عازار بن ہارون نے بنی فوطیئیل کی لڑکیوں میں شادی کی اور اس سے فنحاس پیدا ہوا۔

سفر رابع کے شروع میں کہا ہے کہ سید نے سینا کی گھاٹی میں موسیٰ سے کلام کیا اور ان سے کہا کہ ان بنی لاوی کو شمار کرو جو اپنے آباء و اجداد اور اپنے متعلقین کے گھروں میں ہوں۔ ایک مہینہ یا اس سے زاید کے لڑکے کو موسیٰ نے شمار کیا جیسا کہ آقا نے انھیں حکم دیا تھا۔ انھوں نے لاوی کے بیٹے جن کے نام یہ تھے پائے۔ جرشون۔ قہاث۔ مراری۔ اور جرشون کے بیٹے لبنی و شمعی اور قہاث کے بیٹے عمرام و یصہار و عزیئیل اور مراری کے بیٹے محلی و موشی تھے۔ بنی جرشون کے اکثر لڑکے ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے۔ یہ سب ساڑھے چھ ہزار تھے جو ساقۃ القبۃ کے مغرب میں الیاساف بن لایل کے ماتحت رہتے تھے۔

اس کے بعد بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے دو ہزار چھ سو تیس مرد شمار کیے۔

پھر کہا ہے کہ یہ قہات کا خاندان ہے جس میں سے عمرام و یصہار و حبرون و عزئیل کے گروہ نکل گئے۔ موسیٰ نے ان میں سے اُن لوگوں کو شمار کیا جو ایک مہینہ یا زیادہ کے مرد تھے انھوں نے آٹھ ہزار چھ سو مرد پائے۔ جن میں سب سے مقدم صافان بن عزئیل مذکور کے خاندان کا تھا۔ سید نے انھیں حکم دیا کہ سوائے موسیٰ و ہارون اور ان دونوں کی اولاد کے قبہ کے جنوب میں رہا کریں۔ کیونکہ وہ شرق میں قبہ کے سامنے رہیں گے۔ اور موسیٰ نے اُن میں سے اُن لوگوں کو شمار کیا جو صرف تیس سے پچاس سال تک کے تھے۔ تو انھوں نے ان میں دو ہزار سات سو پچاس مرد پائے۔

۱۳۰

بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بنی محلی و موشی و بنی مراری کو اور ان کے لڑکوں میں جو ایک مہینہ یا زیادہ کا تھا اس کو شمار کیا تو انھوں نے ان میں چھ ہزار دو سو آدمی پائے۔ جن کا مقدم صوریئیل بن ابیحایل تھا۔ انھیں حکم دیا کہ وہ قبہ کے شمال میں رہا کریں۔ انھوں نے اُسے شمار کیا جو ان میں تیس سال یا زیادہ اور پچاس سال تک کا مرد تھا تو ان کو تین ہزار دو سو پایا۔

اس کے قبل بیان کیا ہے کہ بنی لاوی کے لڑکوں میں جو ایک مہینہ یا زیادہ کا تھا اُسے شمار کیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ تمام لاویین (اولاد لاوی) جن کو موسیٰ و ہارون نے شمار کیا صرف مرد جو ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے وہ بائیس ہزار تھے۔

سید نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ تم اسرائیل کی اولاد میں جو لڑکے پہلوٹھی کے ہوں اور ان کی عمر ایک مہینہ یا زیادہ کی ہو انھیں شمار کرو اور اسرائیل کی تمام اولاد میں سے لاویین کے پہلوٹھی کے لڑکوں کو میرے لیے لے لو۔ موسیٰ نے اسرائیل کی اولاد میں سے جو پہلوٹھی لڑکے ایک مہینہ یا زیادہ کے تھے انھیں شمار کیا تو انھوں نے ان کو بائیس ہزار دو سو تہتر پایا۔ پھر سید نے موسیٰ سے کہا کہ بنی لاوی کو بنی اسرائیل کے

پہلونٹھی کے لڑکوں میں سے لے لو کہ بنی لاوی میرے لیے ہوں۔ وہ دو سو تہتر[۲۷۳] جو بنی لاوی کی تعداد سے زاید ہیں اُن میں سے ہر ایک سے پانچ ہیکل کے وزن کے برابر (چاندی) لے لو۔ موسیٰ نے زاید لوگوں کے درہم لے لیے جن کی مقدار ایک ہزار تین سو پینسٹھ وزن کے مطابق تھی اور وہ سیّد کے حکم کے مطابق ہارون اور ان کی اولاد کو دے دیے۔

سفر یوشع میں بیان کیا ہے کہ جب ارض مقدسہ فتح ہوگئی تو العازار بن ہارون خود یوشع بن نون کے پاس آئے اور اُن سے اس معاملے میں گفتگو کی کہ وہ چند بستیاں بنی لاوی کو رہنے کے لیے دیدیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی یہوذا و بنیامین و شمعون کی بستیوں میں سے تیرہ[۱۳] بستیاں صرف بنی ہارون کے حصے میں آئیں۔ بنی دان و بنی افرایم کی اور اس نصف خاندان منشا کی جو بقیہ اسباط کے ہمراہ تھا دس بستیاں تمام بنی قاہاث بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ یساخر و اشار و نفتالی اور اس نصف خاندان منشا کی جو مشرقی اردن میں رہتا تھا، بستیوں میں سے تیرہ[۱۳] بستیاں بنی جرشون بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ بنی زابلون و بنی روابین و جاد ابن یعقوب کی، جو مشرقی اردن میں رہتے تھے، بستیوں میں سے بارہ[۱۲] بستیاں بنی مراری بن لاوی کے حصے میں آئیں۔ یہ سب اڑتالیس[۴۸] بستیاں بنی لاوی کے لیے ہوئیں۔

سفر رابع میں بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے بنی جاد ابن یعقوب کے خاص اُن مردوں کو شمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل تھے اُنھوں نے ان کو پینتالیس ہزار پچاس[۴۵۰۵۰] پایا جن میں مقدم الیاساف بن رعوئیل تھا۔ انھوں نے بنی یہوذا کے صرف اُن مردوں کو شمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں پیش ہونے کے قابل تھے۔ اُن کو چوہتر ہزار چھ سو پایا۔

پہلے اور بعد میں بیان کیا ہے کہ یہ کل تعداد صرف اُن لوگوں کی تھی جو شیلہ و فارص و زارح بنی یہوذا کی اولاد میں تھے۔ جن میں

مقدم نحشون بن عمیناداب بن ارام بن حصرون بن فارص بن یہوذا
بن اسرائیل تھا۔
بنی یساخر کے صرف اُن مردوں کو شمار کیا جو بیس سال یا زیادہ
کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل تھے۔ انھوں نے ان کو
چون ہزار چارسو پایا۔ جن میں سب سے مقدم نثنائیل بن صوغر تھا۔
بنی زبلون کے صرف اُن مردوں کو شمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ
کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے تو ان کو ستاون ہزار چارسو
پایا جن میں سب سے مقدم الیاب بن حیلون تھا۔ بنی یوسف علیہ السلام
کے صرف مردوں کو شمار کیا جو بیس سال یا زیادہ کے تھے اور
میدان جنگ کے قابل تھے تو ان کو بہتر ہزار سات سو پایا جن میں افرایم
بن یوسف کی اولاد میں چالیس ہزار پانچ سو مرد تھے ان میں سب سے
مقدم الیشع بن عمیہود تھا۔ منشا بن یوسف کی اولاد میں بتیس ہزار دو سو
مرد تھے جن میں سب سے مقدم جملیئیل بن فدہصور تھا۔ اولاد بنیامین
کے صرف اُن مردوں کو شمار کیا جو بیس سال یا زیادہ کے تھے اور
میدان جنگ کے قابل تھے۔ یہ پینتیس ہزار چارسو آدمی تھے جن میں
سب سے مقدم ابیدان بن جدعونی تھا۔ بنی دان کے صرف ان
مردوں کو شمار کیا جو ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے۔ اور میدان جنگ
کے قابل تھے۔ یہ باسٹھ ہزار سات سو آدمی تھے جن میں سب سے
مقدم اخیعزر بن عمیشدائی تھا۔ یہ سب کے سب حوشیم بن دان کی
اولاد میں تھے۔ بنی اشیر کے صرف ان مردوں کو شمار کیا جو ان میں
بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ میں آنے کے قابل
تھے۔ ان کو اکتالیس ہزار پانچ سو پایا۔ جن میں سب سے مقدم
فجعئیل ابن عکرن تھا۔ بنی نفتالی کے صرف اُن مردوں کو شمار کیا جو
ان میں بیس سال یا زیادہ کے تھے اور میدان جنگ کے قابل تھے
تو ان کو ترپن ہزار چارسو پایا جن میں سب سے مقدم اخیرع بن عینن تھا۔

۱۳۱

یہ حساب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے تیرہ مہینے بعد کا ہے۔ بجز مذکورۂ بالا بستیوں کی تقسیم کے۔ اور یہ حساب بنی اسرائیل کے فلسطین و اردن میں داخل ہونے کے بعد کا ہے۔

مسخرگی

خاص و عام میں سے ہر صاحب تمیز صحیح کو غور کرنا چاہیے کہ یہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اور یہ محال و ممتنع اور وہ جہل شدید ہے جو پورے طور پر اس کو ثابت کرتا ہے کہ یہ سب کتابیں کسی ایسے بدکار و فاسق کی بگاڑی اور بدلی ہوئی ہیں جس نے ان کے ساتھ تمسخر کیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ کتابیں اللہ کی یا کسی نبی کی یا اور کسی سچ بولنے والے کی طرف سے ہوں۔

پہلا جھوٹ

از انجملہ اس کا یہ خبر دینا ہے کہ بنی دان کے موجب یہ لوگ مصر سے نکلے بہتر ہزار سات سو تھے جن میں نہ تو وہ لوگ شمار کیے گئے جو بیس سال سے کم کے تھے اور نہ وہ جو میدان جنگ میں آنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور نہ عورتیں۔ اور یہ سب کے سب صرف حوشیم بن دان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ حالانکہ خود ان کے اقرار کے مطابق دان کا سوائے حوشیم کے کوئی لڑکا نہ تھا اور اسی کے ساتھ ان کا نسب حوشیم سے بہت قریب تھا۔ اس لیے کہ ان کی توریت کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہاری اولاد کے چوتھے گروہ کے لوگ ملک شام واپس آئیں گے۔ بس اسے یاد رکھو تو تمہیں ایسا علانیہ جھوٹ ظاہر ہوگا جس میں کوئی خفا نہ ہوگا۔

بنی یہوذا چوہتر ہزار چھ سو تھے جن میں ان لوگوں کا شمار نہ تھا جو بیس سال سے کم کے تھے۔ اور یہ سب جیسا کہ ہم نے بیان کیا صرف ان تین اولاد یہوذا کی طرف منسوب و راجع تھے کہ یہوذا کے پس ماندگان میں سوائے ان تین کے اور کوئی نہ تھا۔ اور زندگی میں اس زمانے میں

ان سب کا رئیس و مقدم نحشون بن عمیناداب بن رام ابن حصرون بن فارص بن یہوذا تھا۔

بنی یوسف علیہ السلام بہتر ہزار سات سو مرد تھے جن میں ان لوگوں کا شمار نہ تھا جو بیس سال سے کم کے تھے۔ اور یہ سب کے سب صرف منشا و افرائیم سے منسوب تھے کہ ان دو کے سوا یوسف کا اور کوئی پس ماندہ نہ تھا۔ اس زمانے میں زندگی میں ان لوگوں کا رئیس صلفحاد بن حافر بن جلعاد بن منشا بن یوسف علیہ السلام تھا۔

ان کی توریت میں اولاد افرائیم کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس کے صرف چھ بیٹے بتائے گئے ہیں۔

تم افرائیم کے لیے زیادہ سے زیادہ اتنی اولاد فرض کر لو جتنی ایک شخص کے لیے ہو سکتی ہے پھر جلعاد اور اس کے حقیقی اور چچازاد بھائیوں کے لیے اسی طرح فرض کر لو۔ پھر حافر اور اس کے طبقے والوں کے لیے بھی اسی طرح فرض کر لو۔ اور غور کرو کہ آیا یہ ممکن ہے کہ یہ مقدار اس عدد کے ایک تہائی کو بھی پہنچ سکے۔

یہ معاملہ اولاد دان میں تو اس کے بھائیوں کے بہ نسبت اور بھی زیادہ ظاہر ہے گو تمام اعداد میں کھلا ہوا کذب ہے۔ اس لیے کہ ستر ہزار سے زاید اور اس کے علاوہ وہ تعداد جو بیس سال سے کم ہونے کی وجہ سے شمار نہیں کی گئی یہ صرف یہوذا کے تین بیٹوں اور یوسف کے دو بیٹوں کی طرف رجوع کرتی ہے مگر وہ باسٹھ ہزار سے زاید لوگ جن میں بیس سال سے کم کے لوگ شمار نہیں کیے گئے وہ صرف ایک ہی شخص کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی صرف ایک ہی شخص کی اولاد میں بتائے) کہ ان میں بغیر کسی کے اختلاف کے دان کے یہاں سوائے اس ایک (حوشیم) کے اور کوئی لڑکا نہ تھا۔

پھر اس وقت (اس جھوٹ کی) کیا کیفیت ہو گی جب اس عدد میں انھیں بھی شامل کیا جائے گا جن کی عمر بیس سال سے کم تھی اور غالباً ان کی

۱۳۴

تعداد بھی بیس سال والوں کے برابر ہی ہوگی یا کم ہوگی تو کچھ ہی کم ہوگی۔ اور عورتوں کو بھی شامل کیا جائے جو غالباً مردوں کے برابر یا قریب قریب برابر کے ہوں گی تو صرف حوشیم بن دان کی اولاد کی میزان دو سو سترہ برس کے اندر ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہوگی۔

یہ ایسا محال و ممتنع ہے کہ عالم کی فطرت کے مطابق ہرگز کبھی عالم میں ایسا نہیں ہوا۔ اس حساب سے یوسف علیہ السلام کی اولاد کی تعداد دو لاکھ سے بھی زائد ہوگی۔ اور اولاد یہوذا بھی تقریباً اتنی ہی ہوگی۔

دو وجہ سے ان لوگوں کو یہ کہنا ممکن نہیں کہ طبقات ولادت بےحد کثیر تھے۔

اول اس لیے کہ توریت میں یہ کہا ہے کہ اولاد کے طبقہ چہارم کے لوگ ملک شام واپس آئیں گے۔

دوم اس لیے کہ بنی لاوی و بنی یہوذا و بنی یوسف و بنی روابین کے جو نسب بیان کیے گئے ہیں وہ سب تعداد میں تقریب قریب تھے۔ مثلاً موسیٰ و ہارون و مریم بنی عمران بن قاہاث بن لاوی بنی اسرائیل۔ اور الیصافان بن عزئیل بن قاہاث بن لاوی بن اسرائیل۔ اور قورح اور ان کے بھائی فرزندان یصہار بن قاہاث بن لاوی بن اسرائیل۔ اور نحشون اور ان کے بھائی فرزندان عمیناداب بن ارام بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن اسرائیل۔ اور عاحار بن کرمی بن سیدائی بن شیلہ بن یہوذا بن اسرائیل۔ اور داباان وابیرام فرزندان الباب بن ملوکن بن ردبان بن اسرائیل۔ اوران لوگوں کے بھائی اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد۔

یہ ان کے انساب کے بیان کی ان کی توریت کی نص ہے۔

واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کی حالت باعتبار تعداد قریب قریب ہے۔ اور اسی سے بہت بڑا اور کھلا ہوا جھوٹ ظاہر ہوگیا جو ان کے بیان کیے ہوئے اعداد میں ہے۔

انھیں قطعاً یہ کہنا ممکن نہیں کہ اسرائیل کے ان بارہ لڑکوں کے علاوہ

اور بھی تھے جن کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اولاد اسرائیل کی اُن اولاد کے علاوہ اور اولاد بھی تھی کہ جن کا ہم نے نام بنام ذکر کیا اور جو صرف اکاؤن مرد تھے۔ بنیامین کے دس لڑکے۔ جاد کے سات اور شمعون کے چھ اور روابین واشیر دیساخرو نفتالی میں سے ہر ایک کے چار چار لڑکے اور یہوذا و لاوی وزبلون میں سے ہر ایک کے تین تین لڑکے اور یوسف کے دو لڑکے اور ایک لڑکا تھا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اکاؤن آدمیوں سے دو سو سترہ برس کی مدت میں دو لاکھ سے زائد انسان پیدا ہو جائیں۔ یہ انتہائی محال و ممتنع ہے اس لیے کہ ان کی توریت میں نص ہے کہ ان لوگوں سے چھ لاکھ تین ہزار مرد پیدا ہوئے جو سب کے سب وہ ہیں جن میں بیس سال سے کم عمر کے لوگ شمار نہیں کیے گئے۔ اور شاید ان میں سے جو بیس سال سے کم کے ہوں اُن کی تعداد بھی قریب قریب اتنی ہی ہو۔ پھر عورتیں بھی تھیں اور شاید وہ بھی قریب قریب اتنی ہی ہوں۔ لہذا ان رسوا کرنے والی باتوں سے تعجب کرو۔

ایک یہودی عالم سے مناظرہ

اُن کے علماء میں سے ایک عالم نے جس کے منہ پر میں نے یہ رسوا کن بات ماری اس نے اس فساد کی بات سے بچنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ اس مکاری کو تو اپنے سے الگ ہی رکھو کیونکہ تمہاری توریت نے تمہارے لیے تمام راستے بند کر دیے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ تمہارے علم میں بھی ہے جہاں سفر یوشع میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا مذکور ہے اور جہاں اُن کا شام میں داخل ہونا مذکور ہے اور جہاں ان میں زمین کی تقسیم مذکور ہے وہیں اُن کا قبائل اختیار کرنے کا اور اُن کے اسباط کا نام بنام ذکر ہے۔ ہم نے جو بیان کیا ہے اس پر ایک شخص کا بھی اضافہ نہیں کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو بھی اس مقام میں جھوٹ ہی ہوتا کیونکہ تمہارے اس دعوے کے مطابق زمین کی تقسیم

لشکروں کی ترتیب اور اسباط کی تعداد تمہارے دعوے کے خلاف ہے۔ اس میں یقیناً کذب ہے خواہ حال کچھ بھی ہو۔ یہ باتیں سن کے وہ شرمندہ ہو کے خاموش ہوگیا۔

۱۳۳ **اعتراض** اگر کہا جائے کہ جس وقت یوسف نے اپنے بیٹے افرائیم و منشا کو یعقوب کے سامنے پیش کیا تھا تو کیا یعقوب نے یوسف سے یہ نہیں کہا تھا کہ افرائیم و منشا میرے لیے ہوں گے اور میری طرف منسوب ہوں گے اور ان دونوں کے بعد جو لڑکے تمہارے یہاں پیدا ہوں گے وہ تمہاری طرف منسوب ہوں گے۔

تحقیق ہم کہیں گے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یوسف علیہ السلام کا سوائے ان دونوں لڑکوں کے جنھیں وہ چھوڑ گئے جیسا کہ ہم کہتے ہیں اور تمھاری توریت کی اور تمھاری تمام کتب کی نصوص و تصریحات شہادت دیتی ہیں کوئی اور لڑکا نہ تھا، یا یہ کہ یوسف علیہ السلام کا سوائے ان دونوں لڑکوں افرائیم و منشا کے کوئی اور بھی لڑکا تھا جسے وہ چھوڑ گئے۔

اگر ایسا ہو تو پھر تمہاری تمام کتابیں اول سے آخر تک خواہ وہ توریت ہوں یا دوسری سب کی سب جھوٹی ہیں۔ اس لیے کہ اس میں اسباط میں ایک ایک سبط (خاندان) کے لشکرگاہ کی ترتیب اور ان کی وہ تعداد جب وہ مصر سے نکلے اور وہ تعداد جب وہ شام میں داخل ہوئے اور وہ تعداد جب انھیں مینڈھے، بچھڑے اور سونے کے ڈبے عطا کیے گئے۔ اور وہ تعداد جب وہ دونوں پہاڑوں پر برکت و لعنت کے لیے ٹھیرائے گئے اور ان کی وہ تعداد جب ان کے نام ان نگینوں پر کندہ کیے گئے جو ہارون کے سینے پر ترتیب کے ساتھ آویزاں تھے بیان کی گئی ہے جو ان کی تمام کتابوں میں ایک ہزار سے زاید مواقع پر ہوئی۔ مگر یوسف کے صرف دو ہی خاندان بیان کیے گئے ہیں ایک